

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 111

ابرش کچن کی شیف پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لے رہی  
تھی۔

!! ابرش نے رات کا اندھیرا میں حویلی چھوڑا تھا۔ وہ بھی  
اس زعمیم کا واسطہ۔۔۔۔۔ اور ابرش کو بہزاد نے اغوا کیا  
تھا۔ یہ کتنا ہی گھنٹہ اس بہزاد مردود کے پاس رہا!!  
روزینہ خانم کے لفظ یاد کرتے وہ شدت سے رو دی تھی۔  
ابرش نے گہرے سانس لیتے خود پر **قابو پایا** اپنی آنکھیں  
ہتھیلیوں سے رگڑتے اس نے سیدھے ہوتے شیلف سے

ٹیک لگائی تھی۔۔ اپنے گلے کو جکڑے گہرے سانس لیتے وہ  
چھت کی طرف دیکھتے ایک بار پھر سے رودی تھی۔  
پھر سے سماعتوں میں لفظ سنائی دیے جو اسے پگھلے ہوئے  
سیسے کی مانند لگے۔

!! جو لڑکی ایک مرتبہ بھاگ سکتا ہے وہ دوبارہ بھی بھاگ  
سکتا ہے۔ تم اس بے شرم لڑکی کو دوبارہ حویلی لے آیا۔۔

اس بے شرم لڑکی کو ابھی طلاق دے کر ہماری نظروں  
سے دور کرو!!

وہ ایک بار پھر سے شدت سے رو دی تھی۔ یہ لفظ کس نے  
بولے تھے وہ نہیں جانتی تھی مگر مسلسل لفظوں کی  
بازگشت اسے اپنے سماعتوں میں پڑتے سنائی دیتی تو اس کی  
رگیں جیسے زہریلی ہونی لگتی تھی۔



!! بس بابا اور نہیں۔۔۔۔ عورت ہے یہ میری۔۔ اس

کو جان سے مار سکتا ہوں۔ چھوڑ نہیں سکتا!!

اس ستمگر کا بے بس چہرہ یاد آیا تھا۔ اس کے کردار کی

وضاحت دیتے اس کا لہجہ مضبوط تھا مگر آنکھیں جھکی تھیں۔

وہ اس سے جب نفرت کی دعویٰ دار تھی تب بھی کبھی نہیں

چاہا تھا اس کی آنکھیں کبھی کسی کے سامنے جھکی ہوں۔ وہ

بری طرح رو دی تھی۔

اس ستمگر سے نفرت کی ہی کب تھی۔ اسے نہیں یاد پڑتا تھا  
اس نے کبھی ایک پل کے لیے بھی زارا ان خانزادہ سے  
نفرت کی ہو۔ وہ تو شروع دن سے ہی جیسے اس کے رگ و  
پے میں سرائت کر گیا تھا۔

!! تو پھر اس کو اسی دن مار آتے جس دن بہزاد کے پاس  
سے لے کر آئے تھے۔ مگر آج پتہ چلا تم بغیر توں سے  
بھی بڑا بے غیرت اور ذلیل ہے۔ جو اوپر اوپر سے غیرت

غیرت کا راگ الاپتا ہے۔۔ منسٹر بن کر کمھارا شرم و حیا مر

کیا!!

لفظ پھر سماعتوں میں زہر بن کر اترتے اس کے جسم و جاں  
کو نیلا کر چکے تھے۔

یاد نہیں آیا تھا یہ لفظ کس نے بولے تھے۔۔ مگر ان لفظوں  
نے تو جیسے روح ہی چھانی کر دی تھی۔

وہ بری طرح سسک پڑی تھی۔ جب وہ یہ لفظ نہیں بھول  
رہی تھی تو وہ کیسے بھولے گا یہ لفظ۔۔۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو بے دردی سے  
رگڑے۔ وہ اس کے ساتھ ایک کمرے میں نہیں رہے گی  
اور آہل کے یہاں سے جانے پر وہ اس کے ساتھ واپس  
امریکہ چلی جائے گی۔ اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر  
فیصلہ کیا تھا۔

ابرش نے گہرے سانس لیتے کافی بنانے کے لیے چائے کی  
کیٹل میں پاس پڑی فلٹراؤ بوتل سے پانی لیتے ابلنے کے  
لیے رکھا ہی تھا کہ یکدم دو مضبوط ہاتھ اس کے پیٹ پر  
جماتے اسے اپنے قریب کر کے تھے۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ۔۔۔ ابرش نے اپنی بھگی آواز پر  
قابو پاتے نروٹھے لہجے میں کہا۔ سب کے بولے کے  
لفظوں پر وہ اس سے ناراض سی ہو چکی تھی۔ اس کی شدید

محبت خود کے لیے باہر دیکھ چکی تھی۔ اس لیے اس کے  
قریب آتے ہی لہجہ نروٹھا سا ہو گیا تھا  
چھوڑنے کے لیے تھوڑی تم سے نکاح کیا تھا۔  
زاران نے اس کی شرٹ کے اندر ہاتھ ڈالتے اس کے بلی  
بٹن والے حصے کو اپنے ہاتھ سے سختی سے چھوتے بے باک  
شرارت کی تو ابرش کی سانس سینے میں اٹکی تھی۔ رنگت

گلاب کی طرح سرخ ہوئی تھی۔ اس کی بے باکیوں کی کوئی  
حد نہ تھی۔ وہ اس کے حصار میں لرزا ٹھی تھی۔  
زاران اس کی سانسیں مدھم ہوتے محسوس کرتے گہرا  
مسکرایا تھا۔ اس کا ایک جھٹکے سے رخ اپنی طرف موڑ  
گیا۔

کافی بنانے کے لیے کافی میکر کیوں استعمال نہیں کر رہی۔  
زاران نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑتے اس کا چہرہ اوپر



اٹھایا۔

وہ کافی میکرار حام لالا حور کے لیے لائے تھے۔ آپ  
میرے لیے نہیں لائے تھے۔۔ ابرش کی بات پر زاران کا  
قہقہہ بلند ہوا تھا۔ وہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں محسوس کرتی ہے  
اسے اندازہ نہ تھا۔۔ وہ اس سے اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں  
ایکسپیکٹ کرتی ہے۔ اور ایک عام سی لڑکی کی طرح اسے  
بھی اپنے شوہر کی محبت کم ہی لگتی تھی۔ زاران نے گہری



نگاہوں سے اسے دیکھا وہ وہاں پر شش تھی ہی نہیں جسے پہلی  
مرتبہ دیکھا تھا۔ جو بے انتہا ماڈلباس میں اس کے سامنے  
کانفیڈنٹ سے کھڑی تھی۔ اب تو وہ پوری طرح اس کی  
پسند میں رہ گئی تھی۔۔۔ سر سے پاؤں تک چادر میں لپیٹی۔  
باہر لاؤنج میں بھی وہ بار بار اپنی چادر ٹھیک کر رہی تھی۔  
اس کے ذرا سادہ کھنے پر گھبراتے ہوئے چادر ٹھیک کرنے  
لگ جاتی تھی۔ اسے خود سے زیادہ اس کی فکر تھی۔ زارا ان

نے گہری نگاہوں سے کافی استحقاق سے اس کا معائنہ کیا۔ وہ  
چادر میں لپٹی اسے بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔۔ نظریں  
جھکائے نہ دیکھی سی تھی۔۔

تمہارے لیے بھی لادوں گا اور تم اگر لالا کالایا ہو کافی میسر  
بھی استعمال کر لو گی کوئی حرج نہیں ہو گا۔ زارا نے لب  
دانتوں تلے دبائے شرارتی لہجے میں کہا۔

ضرورت نہیں جب میں نے یہاں سے چلے ہی جانا ہے تو  
میں کیا کروں گی کافی میکر کا۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں  
میں دیکھتے سر دسپاٹ لہجے میں کہتے رخ موڑنا چاہا تھا۔  
زاران اسے کندھے سے جکڑ کر سختی سے شلف سے لگا گیا  
تھا۔ ابرش کی بات پر زاران کا چہرہ سنجیدہ ہوا تھا۔



پلوشہ کے پچن میں داخل ہونے پر زاران ابرش سے جلدی  
سے دور ہوا تھا۔ اس کا یوں دور ہونا ابرش کو اچھا خاصہ چبھا  
تھا۔

زاران تمھارا کپڑا ستری کر دوں۔۔۔ پلوشہ نے زاران کو  
دیکھتے مسکراتے کہا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے اپنے اشتعال پر قابو پاتے زاران  
کو کاٹ دار نگاہوں سے دیکھا۔ جو اسے دیکھتے اب پلوشہ کو

دیکھ رہا تھا۔

یہ کھڑی ہے کمرے کی اور میری مالک اس سے پوچھ لو اگر  
یہ تمہیں کمرے میں جانے کی اجازت دیتی ہے تو میری  
بلیک شلوار قمیض استری کر دینا۔ زارا ان نے بھاری آواز  
میں کہتے ابرش کے شرر بار سرخ چہرے پر گہری نگاہ ڈالتے  
وہاں سے چلا گیا تھا۔

زاران کی بات پر ابرش نے اپنی مٹھیاں دبوچے اپنے  
اشتعال پر قابو پایا تھا۔ وہ اسے اپنے کپڑے استری کرنے کی  
آجازت بھی کیسے دے سکتا ہے؟؟ وہ بھڑبھڑ جلی تھی۔  
پلو شہ اس کے زاران کے کپڑوں کو ہاتھ لگائے یہ گوارا نہ  
تھا۔

سن لیا تم نے وہ کیا کہہ کر گیا ہے؟؟۔ تمہیں اس کمرے  
میں جانے کے لیے میری آجازت کی ضرورت ہے۔ وہ



کمرہ اور زاران خانزادہ میری ذاتی ملکیت ہے۔۔ میری  
ملکیت۔۔ صرف میری ملکیت۔۔ زاران صرف میرا  
ہے۔ ابرش پلوشہ کے قریب ہوتے استھزائیہ مسکرائی  
تھی۔

کب تک رہے گا وہ تمہاری ملکیت؟؟۔۔ اسے اپنا بنا کر  
رکھنے کے لیے ابرش پاشا تمہیں ننگے پیر پتھروں پر چلنا  
پڑے گا۔



تم ان پتھروں پر چل نہیں سکو گی۔ زخمی ہوتے بلبلا تے  
ہوے تم بہت جلد مخملی قالین کی روش منتخب کر لو گی۔  
پلوشہ ابرش کی سرخ منورم آنکھوں کو دیکھتے کاٹ دار لہجے  
میں بولی تھی۔

تم پتھروں کی بات کرتی ہو میں ننگے پیر پل صراط سے گزر  
چکی ہوں۔ جو پل صراط سے گزر گیا ہو اس کے لیے راستے

میں پڑے پتھر جو ٹھوکروں کی زد میں آتے ہوں کیا معنی  
رکھتے ہیں۔ ابرش کی بات میں چھپے ہوئے طنز کو سمجھتے وہ  
توہین و خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔

اور زارا ان خانزادہ کی ہمراہی میں پتھر بھی قبول ہیں اس کا  
ساتھ ہوگا تو وہ پتھر پھولوں کی روش میں تبدیل ہو جائیں

گے۔۔ ابرش پلوشہ کا سرخ چہرہ دیکھ کر اب گہرا مسکرائی  
تھی۔

ایسی بات ہے تو باہر کیوں نخرے دکھا رہی تھی۔ تم اس کے  
ساتھ کمرے میں نہیں رہو گی۔ پلوشہ بے انداز میں چلائی  
تھی۔

کیونکہ ابرش پاشا اپنے شوہر کو نخرے دکھا رہی تھی۔ نو نو  
ابرش پاشا نہیں۔۔۔۔۔ ابرش خانزادہ ہوں میظ

----- ابرش نے مبہم سا مسکراتے ہوئے سر لفی  
میں ہلایا تھا۔ تمھارے سامنے اور دنیا کی ہر اس عورت کے  
سامنے جو اس کے مسٹر خانزادہ کو غور سے بھی دیکھے گی اس  
کے لیے مسسز خانزادہ ہوں۔ ابرش پاشا تو میں صرف اپنے  
مسٹر خانزادہ کے لیے ہوں۔ وہ جب میرے لبوں سے  
ابرش پاشا سن کر جھنجھلاتا ہے تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ اس کی  
اس جھنجھلاہٹ میں مجھے اپنے لیے شدید محبت نظر آتی

ہے۔ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھنے کے لیے  
میں اس کے سامنے خود کو ہمیشہ ابرش پاشا کہتی رہوں گی۔  
ابرش پلوشہ کے سرخ چہرے کو دیکھتے ٹھنڈے لہجے میں  
بولتے مسکرا دی تھی۔

تم غلط ہوا برش۔۔ زاران کی ہمراہی میں وہ پتھر خاردار  
کانٹے اور نیزے بن سکتے ہیں مگر پھول نہیں۔۔ زاران  
کو یہاں کوئی تمھارا نہیں ہونے دے گا۔ چاہے تم خود کو  
ابرش پاشا کہو یا پھر ابرش خانزادہ۔۔ تمھاری غلطی وہ  
کبھی نہیں بھولے گا۔ اگر وہ بھول بھی گیا تو دنیا نہیں  
بھولنے دے گی۔ پلوشہ نے شعلہ بار لہجے میں زہر اگلا تھا۔

تم کتنے ہی گھنٹے غیر مرد کے پاس رہی۔ ہو سکتا ہے ابھی  
زاران کے دل میں آجائے اس مرد نے تمہیں چھوا ہو گا۔  
تب تو وہ تمہارا نہیں رہے گا۔  
پلوشہ کی چلتی زبان کو ابرش کے زناٹے دار تھپڑ نے بریک  
لگائی تھی۔ تھپڑ اتنا زناٹے دار تھا کہ پلوشہ پیچھے کو ہوتے  
لڑکھرائی تھی۔



وہ منہ پر ہاتھ رکھے بے یقین نگاہوں سے ابرش کو دیکھ رہی تھی۔ ابرش گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

میں کچھ گھنٹے غیر مرد کے پاس رہی۔ مگر تم پچھلے نو مہینوں سے ایک غیر مرد کے آگے پیچھے پھر رہی ہو۔ پھر تو تمہاری اوقات زاراں کی نظروں میں واضح ہوگی کہ وہ تمہیں کس طرح کی لڑکی سمجھتا ہے۔ جس لڑکی کے لیے ایک شادی



شدہ مرد اہمیت رکھتا ہو اس کا کریکٹر کیا ہو گا۔ یہ کافی بنا کر  
کپڑے استری کر کے تم اسے پانے کے خواب دیکھ رہی ہو  
بھول جاؤ۔ یہ کام تو درخشاں بھی کرتی ہے اور اچھی طرح  
کرتی ہے۔ درخشاں کی ویلیو پھر بھی ہے زارا ان کے نزدیک  
تمھاری ویلیو صفر بھی نہیں۔ تم نے اپنا درجہ حویلی کی  
ملازماؤں سے بھی نیچے گرا دیا۔ ابرش اس کے گال پر اپنی  
انگلیوں کا نشان دیکھ کر طنزیہ بولی۔

اور جہاں تک بات ہے میرے متعلق غلط سوچنا۔۔۔ اگر وہ  
ایسا ویسا کچھ سوچتا تو یوں باہر کھڑے ہو کر میری سائیڈ نہ  
لیتا۔ دیکھانہ تم نے اپنی جان سے پیاری مورے سے کیا  
کہا۔ مجھے لے کر الگ ہونے کی دھمکی دی۔۔۔ اس حویلی اور  
اس کے مکینوں میں جان بستی ہے۔ مگر مجھے کوئی ایک لفظ  
کہے اسے گورا نہیں۔۔۔۔۔ وہ میرے لیے اس حویلی کو بھی  
چھوڑ سکتا ہے۔ تم آخر کس بات کی بنا پر یہاں ڈیر اڈالے

بیٹھی ہو۔۔۔ مہاری اپنی کوئی عزت ہے۔۔۔ کہیں سے بھی  
نہیں لگتا تم پٹھان فیملی سے ہو۔ تمہارے ماں باپ میں  
غیرت نام کی کوئی چیز بھی ہے۔۔۔ انہوں نے اپنی جوان بیٹی  
کو دوسروں کے در پر اس لیے چھوڑ دیا تاکہ وہ ایک شادی  
شدہ مرد کو بہکا سکے

ابرش نے سرخ چہرے کے ساتھ گہرے سانس لیتے اس  
کے ہتک امیز لفظ اس کے منہ پر مارے تھے۔ بہزاد کا طعنہ

اس کے بھاری اعصاب چٹخا چکا تھا۔

ابرش تمہارے مارے کے تھپڑوں کا حساب سود سمیت  
واپس لوں گی۔ تمہیں تھپڑ مار کر نہیں۔۔۔ بلکہ زار ان کو  
پا کر۔۔۔ زار ان کے گھر والے کبھی تمہیں قبول نہیں  
کریں گے۔

اور جہاں تک بات ہے میرے کریکٹر کا ثبوت میرے پاس  
میرا کنوارا پن ہے جو میں نے ابھی تک نہیں کھویا۔

لیکن تم اپنے شوہر کو کیسے یقین دلاؤ گی کہ اس دن بہزاد نے  
تمہیں چھوا نہیں تھا۔ پلو شہ کے زہریلے لفظوں پر ابرش  
کی آنکھوں کی نمی بڑھی تھی۔

تم اتنی گری ہوئی لڑکی ہو گی میں سوچ نہیں سکتی۔ ابرش  
نے اسے گلابی شبیہ آنکھوں سے دیکھتے سر نفی میں ہلاتے  
ہوئے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ لفظ گلے میں انکے تھے

-- اس کے لفظ نہیں تھے کوڑے تھے جو ابرش کو اپنے  
بدن پر بے دردی سے برستے محسوس ہوئے۔

تم۔۔۔۔۔ تمھاری۔۔۔۔۔ غلطی۔۔۔ نہیں ہے۔  
تم۔۔۔ تم۔۔۔ میرے سامنے کھڑے ہو کر یہ بکو اس کر  
سکو۔۔۔ یہ زار ان کی غلطی ہے۔ وہ اگر پہلے دن تمھیں  
یہاں سے نکال دیتا تو تم آج یہ بکو اس نہ کرتی۔۔۔ ابرش



گہرے سانس لیتے زحی سانم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

پلوشہ اس کے تڑپنے پر استہزائیہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔  
ابرش کتنی جذباتی تھی یہ اس کے اس طرح زخمی پرندے  
کی مانند تڑپنے پر اندازہ ہو گیا تھا۔

دو تھپڑوں کا وہ اس ایک بات سے سود سمیت حساب لے  
چکی تھی۔ اسے پلٹ کر تھپڑ مارنے کی ضرورت نہ رہی

تھی۔

جس طرح وہ گہرے سانس بھرتے لرز رہی تھی۔ ابرش  
کی حالت دیکھتے اس کے جلتے دل کو سکون مل گیا تھا۔  
ایسے ہی اس نے اس دن بھی وار کیا تھا اور ابرش نے اپنا بچہ  
کھو دیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا وہ ابرش کو پھر سے اس کے  
جذباتی پن کی بدولت زار ان کی زندگی سے نکال دے گی۔



ابرش زاران مجھے اپنائے گا یا نہیں۔ مگر تمھاری ایک کی  
ہوئی غلطی کی وجہ سے وہ تمھارا بھی نہیں رہے گا۔ داجی  
جن کا تمھارے ساتھ گہرا رشتہ ہے۔ وہ زاران کو کسی شہر  
کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کو کہہ رہے تھے۔ انھیں تم  
زاران کی زندگی میں قبول نہیں ہو۔ وہ جتنا مرضی تمھاری  
سائیڈ لے لے مگر اپنے رشتوں کے آگے مجبور ہو جانا  
ہے۔ جیسے پہلے اپنی مورے کی وجہ سے مجبور ہوا تھا۔ کیا تھا

ان سے وعدہ دوسری شادی کا۔۔ اب پھر مجبور ہو جائے گا۔ اس سے پہلے تمہیں وہ پھر سے دھکے دے کر نکالے چلیے جاؤ یہاں سے۔۔ پلوشہ نے زہر خند لہجے میں بولتے اس مزید تڑپایا تھا۔۔ داجی نے زار ان سے دوسری شادی کرنے کو کہا وہ یہ سن کر تڑپ کر مرنے والی ہو گئی تھی

اسی لمحے زار ان کا فون جو شیلف پر پڑا تھا۔ وہ رنگ ہوا تھا۔  
دونوں کی نظریں بے اختیار پر سکریں پر پڑی تھیں جہاں  
ستارہ خان کا نام جگمگا رہا تھا۔

ابرش نے گہرا سانس لیتے فون پر جگمگاتے نمپر کو دیکھا تھا  
پلو شہ ابرش ابرش کو دیکھتے طنزیہ سکرائی تھی۔  
کس کس سے بچاؤ گی اپنے شوہر کو۔۔ نہ تمہارا شوہر تمہارا  
نہ اس کے گھر والے تمہارے۔۔ پلو شہ افسوس کرنے

والے انداز میں طنزیہ بولی۔ ستارہ خان کا نام فون پر دیکھ کر  
ابرش کی آنکھوں میں شرارے پھوٹتے دیکھ چکی تھی۔ اس  
لیے اسے مزید سلگایا تھا۔

اسی لمحے زاران اپنا فون لینے کچن میں داخل ہوا تھا جو وہ  
شیلف پر بھول چکا تھا۔

زاران نے اندر داخل ہوتے ابرش کو دیکھا جو گہرے  
سانس لیتی کھڑی تھی جس کی آنکھیں شبیہ تھی۔ زاران

کی نظریں ابرش پر ہوتی پلوشہ پر جا ٹھہریں جس کے گال پر  
انگلیوں کا نشان تھا۔

وہ جیسے پل میں سچو لیشن سمجھ چکا تھا۔ یقیناً اس کے آنے  
سے پہلے یہاں کوئی بڑا معرکہ ہوا ہے۔۔۔ زاران کی نظریں  
بے اختیار ابرش کے عارض پر ٹھہریں تھیں۔ پلوشہ نے  
اس پر کہیں جو ابا ہاتھ نہ اٹھا دیا ہو۔ یہ سوچ کر ہی زاران کا

خون رگوں میں بھڑک اٹھا تھا۔ ابرش کے گال سرخ تھے  
مگر انگلیوں کا نشان نہیں تھا

زاران نے فون اٹھاتے اپنی پاکٹ میں ڈالا تھا۔ ابرش  
زاران کو دیکھتے رخ موڑ چکی تھی۔ چادر اس کے ایک  
کندھے پر لٹک رہی تھی۔ وہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس  
کا رخ موڑتے اسے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا۔



ابریش کٹی ہوئی ڈال کی طرح اس کے سینے سے آن لگی  
تھی۔ ابریش نے اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ جماتے شبنمی  
نگاہوں سے اس کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔  
اس وقت اسے زار ان اسے بے انتہا برا لگ رہا تھا۔ اس کے  
فون پر ستارہ خان کی کال دیکھ کر اس کے اندر آگ بھڑک  
رہی تھی۔ جی تو کر رہا تھا اپنے ساتھ اسے بھی آگ میں  
جھونک دے۔۔۔ پلوشہ کی وجہ سے وہ اسے خود سے دور



نہیں دھکیل پارہی تھی۔ پلو شہ کو دکھانے کے لیے وہ اس  
کی شرٹ جکڑے مزید اس کے قریب ہوئی تھی۔  
زاران نے اس کی شبیہ آنکھوں پر باری باری اپنے لب  
رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر پلو شہ کی رنگت خطرناک حد تک  
سرخ ہوئی تھی۔۔۔ زاران کی نظروں میں اس ایک ایکٹ  
سے ہی ابرش کا مقام واضح ہو گیا تھا۔

زاران کے لمس پر ابرش کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر  
بر سے تھے۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں مزید مضبوطی  
سے جکڑتے اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔ ساری  
انسکیورٹیز اس ایک لمحے میں جیسے دور ہوئی تھیں۔  
پلوشہ کی حالت تو ایسے تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔  
اس کے قدم تک پتھر ہو چکے تھے۔ اس میں اتنی ہمت  
نہیں تھی وہ یہاں سے ہل بھی سکتی۔

تم میٹھی ہو مگر یہ موتی ممکن ہیں میری جان کیوں مجھے بی پی  
کا مریض بنانا چاہتی ہو؟؟ اگر دن رات یہ موتی چنتے انھیں  
حلق میں اتاروں گا تو بہت جلد ہائی بلڈ پریشر ہو جائے گا۔  
زاران نے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر جھکتے انھیں  
لبوں سے چنتے اپنے حلق میں اتار اٹھا۔  
ابرش زاران کے انداز اور بات پر ہنستے ہوئے نظریں جھکا  
گئی تھی۔

باقی کا پروسیس رات میں۔۔ اس وقت یہ آنسو بھی میٹھے  
لگیں گے۔۔ زاران گھمبیر آواز میں کہتے اس سے الگ ہوا  
تھا۔۔ ساتھ ایک قہر بھری جتنی نگاہ پلوشہ پر بھی ڈالی تھی۔  
میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔۔ واپسی پر مجھے تم شارٹ  
نائیٹ میں ملو۔۔ وعدہ ہے میرا ایک مہینہ کمرے سے باہر  
نہیں نکلوں گا۔ زاران نے ہنس کی طرف جھکتے بے باکی سے  
کہتے سرگوشی کی تھی۔۔ زاران نے اس کی

آنکھوں میں دیکھتے استفسار چاہا تھا۔ ابرش نے نظریں  
جھکائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ اس کے پیشانی پر لب  
رکتا کچن سے چلا گیا تھا۔

مجھے تم سے اس سے اگے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں  
ہے۔ میرا کردار میرے شوہر کی نظروں میں کیا ہے؟؟  
تمہیں پتہ چل گیا ہوگا۔ میں تم جیسی گھٹیا اور بے شرم  
نہیں ہوں۔ ورنہ تمہیں بتاتی وہ مجھے کیسے کیسے پیار کرتا

ہے۔۔ میری بانہوں میں وہ نہ منسٹر ہوتا ہے نہ زار ان خان  
ن ہوتا ہے۔۔ جس کے سامنے کوئی بھی بات کرتے  
سوچتا ہے۔ بلکہ وہ صرف میرا زار ان ہوتا ہے جسے میرے  
آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس کی لبوں اور شدتوں کی کوئی حد  
نہیں ہوتی۔۔ سر سے پاؤں تک وہ لہنی شدتیں مجھ پر لٹاتا  
ہے۔ جس طرح تمہارے سامنے اس نے میرے آنسو  
اپنے اندر اتارے۔ اگر اس کے دل میں میرے لیے ذرا



بھی کڑواہٹ ہوتی وہ اس طرح بھی نہ کرتا۔۔۔ رات کو تو  
اس سے کہیں زیادہ ہو گا۔ جس طرح تم دروازے پر کان  
لگا کر کھڑے ہو کر باتیں ہماری باتیں سنتی تھی۔۔۔ یقیناً  
میری سسکیاں بھی سنی ہو گی۔۔۔ پتہ چل گیا ہو گا وہ مجھے  
لے کتنا شدت پسند ہے۔

ابرش اس پر استہزائیہ نگاہ ڈالتی چلی گئی تھی۔

---



زاران سنجیدہ چہرے کے ساتھ تند و تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔  
اس وقت شدید بارش ہو رہی تھی۔ بارش میں اس سے  
ڈرائیو کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے خوب رو چہرے پر  
تفکر کی گہری لکیریں تھیں۔  
آنکھوں کے ڈورے سرخ تھے۔ وہ اپنے گھنے بالوں میں  
انگلیاں پھیرے اضطرابی انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا

شہرام کے لفظ جب سوچتا تو اس کے گلے میں کلٹی سی ابھر  
کر معدوم ہوتی۔

!! لالا جو ہو گیا سو ہو گیا۔ مجھے یقین ہے اب آپ میرا  
ساتھ دیں گے۔ میرا لالا اب دوستی نہیں نبھائے گا۔  
دوستی نبھاتے نبھاتے آپ نے اپنا دوست پھر بھی کھو دیا

تھا۔ مجھے پورا یقین ہے ایسی دوستی پر ہزار بار لعنت بھیج کر

اب آپ اپنے بھائی کا ساتھ دیں گے!!

شہرام کے الفاظ سوچتے ہوئے گاڑی ایک پل کے لیے اس

کے ہاتھوں سے ڈولی تھی۔۔ زارا نے بہت مشکل سے

سٹیرنگ پر گرفت مضبوط کرتے گاڑی سنبھالی ورنہ گاڑی کا

کنٹرول چھوٹتا تو بائیں طرف گہری کھائی میں گاڑی جا گرتی

زاران کی آنکھوں کے سامنے اسفندیار کی سرخ نم ذدہ  
آنکھیں آئی تھیں۔ وہ ضبط سے اپنا نچلا لب دانتوں تلے  
دبائے پوری قوت سے سٹیرنگ پر مکہ مار گیا تھا۔  
ایک مرتبہ میرے سامنے آ جاؤ اسفندیار خان تمھارے  
سینے پر چھ گولیاں برسا دوں گا۔ زاران جھنجھلاتے  
ہوے طیش والہ میں چلایا۔ اس کی نم ذدہ آنکھیں اسے  
بھول نہیں پاہی تھی۔

اسفندیار خان اسی وقت حویلی سے چلا آیا تھا۔ وہ اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہو گا۔ زاران کی گاڑی گیسٹ ہاؤس پر آر کی۔ اسفندیار کی جیب دیکھتا زاران کی آنکھوں میں غصے کی شدت بڑھی تھی۔ کمینہ۔۔۔۔۔ سال۔۔۔۔۔ زاران اس کی جیب دیکھ کر غرایا تھا۔

وہ گیسٹ ہاؤس کے اوپریٹ والی سائیڈ میں داخل ہوا  
تھا۔ جس کی بیک پر پہاڑوں کے درمیان گھرے بہت  
بڑے میلوں پھیلے اونچے نیچے سرسبز میدان تھا۔  
جس کے ایک طرف چھوٹا سا بہتا دریا بھی گزرتا تھا۔۔۔  
زاران کے بھاری قدم رکتے تھے۔ وہ دریا کے پاس کھڑا  
تھا۔

شدید سردی میں وہ بارش میں بھیگتا کھڑا آسمان کو دیکھ رہا  
تھا۔

زاران اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف  
بڑھا تھا۔ اس کے مقابل آتے اس نے اسے بنا کوئی موقع  
دیے پوری قوت سے اسفندیار کے جبرے پر مکہ دے مارا  
تھا۔



اسفندیار نے اپنے ہونٹوں سے نکلے خون کو اپنے انگوٹھے  
سے صاف کرتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے زار ان کو بے  
یقینی سے دیکھا تھا جو تیز بارش میں بھیگتا اسے شرر بار  
نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

اسفند بھی جواباً کچھ پل زار ان کو دیکھتا رہا پھر آگے بڑھتے  
پوری قوت سے مکہ اس کے جبرے پردے مارا تھا۔

زاران نے پیچھے ہوتے اپنے لبوں سے نکلے خون کو انگوٹھے  
سے صاف کرتے اسفندیار خان کو دیکھا جو دور کھڑا اسے  
گھور رہا تھا۔

زاران کا گرم خون اسے گھورتے دیکھ کر رگوں میں بھڑکا  
تھا۔

وہ اسی پل اس کے قریب ہوتے اس کا گریبان ایک ہاتھ  
سے پکڑے اس کے جڑے پر کئی مکے مار گیا تھا۔

ذلیل کمینے انسان دل کر رہا ہے مہارے سینے پر گولیاں چلا  
دوں۔۔ زار ان حلق کے بل دھاڑا تھا۔

اسفند نے اپنا گریبان چھڑواتے اسے پوری قوت سے دھکا  
دیا۔ وہ زمین پر سیدھا آن گرا تھا۔ اس سے پہلے وہ اٹھتا  
اسفندیار خان اس کے سینے پر گھٹنارکھے اس پر جھکا تھا۔  
پوری قوت سے کئی مکے اس کے منہ پر دے مارے تھے۔

کس نے روکا ہے سمجھیں ہاں۔۔۔ جس طرح تمھارے  
بھائی نے گولی چلائی تھی تم بھی چلا دیتے۔ اسفند اس پر جھکے  
طیش و الم میں غرایا۔

زاران نے اس کے منہ پر مکہ مارتے اسے پیچھے کی طرف  
پوری قوت سے دھکیلا تھا۔ اسفند اس کے دھکیلنے پر پیچھے کی  
طرف گرا تھا۔ زاران نے زمین سے اٹھتے اپنے لبوں سے  
نکلے خون کو اپنی شرٹ کی آستین سے صاف کیا۔

تم جیسے بغیرت کو دل تو یہی کر رہا ہے جان سے مار ڈالوں مگر  
کیا کروں اپنی بہن کو بیوہ ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ سال۔۔۔ بے  
غیرت۔۔۔ زار ان اسفند کو قہر بارنگا ہوں سے گھورتے  
ہوے پھنکارا۔

اسفند جو زمین پر بیٹھا اپنے جڑے سے نکلا خون صاف کر رہا  
تھا۔ زار ان کی بات سنتے اس کے مقابل آیا تھا۔

ایک یہی رشتہ رہ گیا ہے ناں تمھارے اور میرے بیچ  
۔۔۔ بھولو مت جان سے پیارے دوست تھے  
میرے۔۔ اسفند زاران کو دیکھتے نم لہجے میں بولا۔  
اسفند کے لہجے میں نمی محسوس کرتے زاران نے اپنے  
جڑے بری طرح بھینچے تھے۔

جان سا پیارا دوست تھا۔ زاران اس کے لفظ دہراتا  
استہزائیہ ہنساتھا۔ تھا کہہ کر تم نے بات ہی ختم کر

دی۔۔۔ زار ان اسے گھورتے طنزیہ بولا تھا۔  
میرے لیے تو ہو مگر تیرے لیے تھا میں۔۔۔ میں اچھی  
طرح جانتا ہوں۔ اسفند کرب سے مسکرایا تھا۔  
اگر میرے لیے تم تھا ہوتے تو یہاں کیا جھک مارنے آیا  
ہوں۔ اپنی بیوی کو انتظار کرنے کا کہہ کر بارش میں اندھا  
دھند ڈرائیو کرتے یہاں پہنچا ہوں۔ اسفند یار خان جیسے  
بے شرم بے غیرت انسان کے لیے میں اپنی جان سے



پیاری بیوی کو انتظار کروا رہا ہوں۔۔۔ زارا ان نے غصے سے  
لفظ چباتے حلق میں اتر خون تھوکا تھا۔

جو کہنا ہے کہہ دے۔۔۔ جتنی گالیاں دینی ہے دے۔۔۔  
بھروسہ نہیں کیا تیرا۔ اپنی دوستی پر شک کیا۔۔۔ جتنی لعنت  
برسا سکتا ہے برسا۔۔۔ یہاں دریا کے کنارے کھڑا ہوا  
چینتے ہوئے یہی تو کر رہا تھا میں۔ اسفند نے تلخی سے بولتے  
گہرے سانس لیتے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

تو اس سے بھی زیادہ لعنت اور گالیوں کا حقدار ہے اسفندیار  
خان۔۔۔۔۔ تم نے میرا مان توڑا۔۔۔ میرا یقین توڑا۔۔  
زاران نے تلخی سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اسفند  
کے مقابل آتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں  
گاڑھیں۔

زاران کی آنکھوں میں دیکھتے اسفند کی آنکھوں کی نمی بڑھی  
تھی۔

مجھے کیا لگتا ہے میں اتنا کمزور ہوں جو آسانی سے عابیر کا نکاح  
تجھ سے ہونے دیا تھا۔ زمین اسماں ہل سکتے تھے اگر میں نہ  
چاہتا تو تیرے ساتھ عابیر کا نکاح نہ ہوتا۔۔۔ جب تو نے  
عابیر کو اپنے نکاح میں لینے کی بات کی تو زارا ان خانزادہ کے  
برسوں کے دل کی خواہش پوری ہوئی تھی۔

سب سے پہلے تم نے میری عزت کا نام لیا۔۔۔ توڑ دیا اس  
دن تم نے مجھے۔ اسفندیار تو وہ تھا جس پر خود کے بعد سب

سے زیادہ میں بھروسہ کرتا تھا۔ وہ مر سکتا تھا مگر میری عزت  
کی طرف انکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیتا بدلہ مجھ سے  
مجھے مار دیتا۔ اپنے ہاتھوں سے میری عزت میری محبت تک  
کو مار دیتا۔ مگر اس کا نام اپنے لیے نہ لیتا۔ اس دن جرگے  
میں تو اکیلا نہیں تھا۔ زار ان خان زادہ بھی اکیلا تھا۔ ساری دنیا  
یہاں تک میرے بھائی ایک طرف۔۔۔ اسفندیار خان  
میرے لیے ایک طرف تھا۔۔۔ اسفندیار خان اگر

زاران کے ساتھ کھڑا نہیں تو سمجھ زار ان سے زیادہ غریب  
اس دنیا میں کوئی نہیں۔۔۔ زار ان اسفند کی آنکھوں میں  
دیکھتے غرایا جس کی آنکھوں کی نمی بدرجہ شدت اختیار  
کرتی جا رہی تھی۔

لیکن پھر بھی تیری بیوفائی کے باوجود بھی یقین نہیں ٹوٹا تھا  
تجھ پر۔۔۔۔

عابیر کو خود تیرے نکاح میں دیا۔ نہیں حوصلہ تھا اسے باہر  
کسی بھی غیر کو سونپنے کا۔۔۔ میرے نزدیک میرا اپنا  
صرف اسفندیار خان تھا۔ اسے تیرے حوالے کر کے  
تیری سپردگی میں دے کر اس رات چین سے سویا تھا۔۔  
یقین تھا اب میری بہن پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔۔۔  
اور ایسا ہی ہوا۔۔۔۔۔ تو نے اسے اپنی عزت سمجھا جب تو اس  
پر حق جتاتے میرے حصار سے کھینچ کر لے جاتا تھا۔ ایک



بار پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا زار ان خانزادہ کے لبوں پر کیسی  
مسکراہٹ ہوتی تھی۔ تیرا حق جتنا اگر کسی کو اچھا لگتا تھا  
وہ میں تھا۔ تیرا جلنا مجھے سکون دیتا تھا۔

ثابت کیا تو نے تو میرا سفند یار خان ہے۔۔۔ جس نے  
ابرش کے میرے نکاح میں آتے اس کی طرف نظر اٹھا کر  
دیکھنا تو دور کی بات اس کے متعلق ایک پل کے لیے نہیں  
سوچا۔ میرا سفند یار خان جو کھرا اور سچا تھا۔ اس پر محرم



حلال رشتہ اثر نہ کرے یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ تیری  
آنکھوں میں اتری عابیر کے لیے جلن نے بتایا تو دل و جان  
سے اپنی محرم کا ہو چکا ہے۔

تو نے اس پر پہلی رات ہاتھ اٹھایا مجھے پتہ تھا میں بچہ نہیں  
ہوں۔ اگلے دن اس کے گال پر انگلیوں کا نشان دیکھ کر سمجھ  
گیا تو نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ بری طرح مشتعل ہوا۔  
پاگل ہو گیا اس کے گال پر انگلیوں کا نشان دیکھ کر۔

مگر پھر بھی ایک پل کے لیے بھی میں چپھتا یا نہیں اسے  
تیرے نکاح میں دے کر۔۔۔ کیونکہ جانتا تھا اسفندیار  
خان کے گرنے کی حد تک یہاں تک تھی۔۔۔ اس سے نیچے  
اسفندیار خان نہیں گر سکتا۔

جس دن تم نے زنان خانے میں چپختے ہوئے اس کے کردار  
پر کسی کو بات نہیں کرنے دی۔ اپنے مورے کے مقابل آ



مغروریت سے مسکرایا تھا۔ تیرے ہوتے اسے میری  
بھی ضرورت نہیں۔ اور میں تو چاہتا تھا تم اس کے سب  
کچھ ہو۔ تیرے ہوتے ہوے وہ ہم سب کو بھول جائے۔  
تجھے کیا لگتا ہے تو کھینچ کر گھسیٹ کر جب اسے سب کے  
سامنے لے کر چلا جاتا تھا تو میں اس لیے جانے دیتا تھا کہ تو  
اس پر حق رکھتا ہے۔ ایسا نہیں میرے نزدیک رشتہ معنی  
نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک رشتہ نبھانے والا معنی رکھتا

ہے۔۔۔ ایسا ہوتا تو اسے چپ کرک بابرک کے حوالے  
کر دیتا۔ میرے نزدیک اسفندیار خان معنی رکھتا تھا۔  
جس کی آنکھوں میں اس کی بیوی جنون بن کر رہتی تھی۔  
اسی اسفندیار خان نے زاران کی بہن کو ہی نہیں اپنی جان  
سے پیاری بیوی کو تکلیف دی۔۔۔ وہ گڑ گڑائی میرے  
سامنے تیرے آگے تو پھر بھی اسے چھوڑ کر چلا گیا۔۔۔ تو نے

پھر سے زاران کو توڑ دیا تھا۔ جیسے جرگے میں تو نے ابرش  
کا نام لیا میں ٹوٹا اسی طرح اس دن بھی ٹوٹا۔۔۔  
لیکن نفرت نہیں کر سکا تجھ سے۔۔۔ وہیہاں تڑپتی تھی تو  
وہاں تڑپتا تھا۔ تم دونوں کو تڑپتا دیکھ کر زاران خانزادہ تڑپتا  
تھا۔ زاران گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں  
ڈالے اپنے دل کی ہر بات کہہ چکا تھا۔

اسفندیار خان اس کی باتیں سنتے اپنی آنکھیں آستین سے  
رگڑتے رخ موڑے اہلتے دریا کو دیکھنے لگا۔ دونوں اب  
بہتے دریا کو دیکھ رہے تھے۔ برستی بارش بہت تیز ہو رہی  
تھی۔ بہتے دریا اور برستی بارش کے شور میں دونوں کی  
سانسوں کا مدھم شور بھی سنائی دے رہا تھا۔



جب جانتا تھا وہ میرے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے تو پھر  
کیوں تم اسے دارم کی حویلی لے کر گئے۔ اسفندیار خان  
نے زار ان کو دیکھتے وہی شعلہ بار لہجے میں سوال دہرایا جس  
کے لیے وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔

اس بات کا جواب تمہیں ہزار بار دے چکا ہوں۔ کیوں  
ایک بار پھر سے گالی سننا چاہتا ہے۔ اس بار پہلی گالی سے

بدتر گالی دوں گا تجھے۔ زاران اس کی طرف دیکھتے آگ  
لگانے والے انداز میں طنزیہ مسکرایا تھا۔

اور میں تیرے گالی بکنے سے پہلے تیرا منحوس چہرہ توڑ دوں  
گا۔ اگر مجھے کسی چہرے سے نفرت ہے وہ تیرے چہرے  
سے ہے زاران خانزادہ۔۔ اسفند نے دھاڑتے ہوئے اس  
کے منہ پر مکہ مارا تھا۔ زاران نے اسی لمحے جوابی کاروائی  
کرتے اسفند کے چہرے پر مکہ مارا تھا۔ وہ دونوں ایک

دوسرے کے کالر جکڑے ہتھم کھتا ہوتے دریا میں گرے  
تھے۔

پانی اچھا خاصہ گہرا تھا۔ ٹھنڈے پانی میں دونوں گہرائی  
میں اترے تھے۔ دونوں کو تیرتے ہوئے سطح پر آنے پر  
کافی ٹائم لگا تھا۔ زارا نے اوپر سطح پر آتے اپنے گھنے بالوں  
میں انگلیاں پھیرتے گہرے سانس لیتے اسفند کو دیکھا جو

گہرے سانس لیتا ابھی بھی خوشخوار گا ہوں سے اسے گھور رہا  
تھا۔

شکر کر تو واپس آ گیا ہے ورنہ میں نے اپنی بہن کے لیے کچھ  
اور ہی سوچ لیا تھا۔ زار ان نے اس کے زخمی چہرے کو  
دیکھتے اسے مزید سلگایا تھا۔

کیا بکواس کر رہا ہے کیا سوچا ہے تم نے؟۔ اسفند زار ان کا  
گریبان جکڑے بھوکے درندے کی مانند غرایا۔

باہر آؤ بتانا ہوں تمہیں۔ زراں اپنا گریبان چھڑواتے  
ہوے تیرتے ہوئے کنارے پر آیا۔ اسفندیار بھی  
تیرتے ہوئے کنارے پر آیا تھا۔  
دونوں اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے خشکی پر آئے  
تھے۔

اسفند نے سرخ آنکھیں زار ان پر گاڑھیں۔ جو گہرے  
سانس لیتا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسفند اپنی نم زدہ آنکھیں  
انگلیوں سے رگڑتے زار ان کے قریب ہوا۔  
آسان نہیں تھا تیرے خلاف جاننا۔۔ تیرے لیے تو ایک  
طرف تیرے بھائی دوسری طرف اسفند یا خان تھا۔

میرے لیے تو ہر طرف تو ہی تھا۔

بابرک بھائی تھا میرا۔۔۔ اپنے کندھے پر اس کا جنازہ اٹھایا۔  
اپنی ماں کے بین سنے۔۔۔ سارے ثبوت تیرے خلاف جا  
رہے تھے۔۔۔ آیا تھا تمہارے کمرے میں تم سے بات  
کرنے۔۔۔ مگر جو الفاظ تم نے شہرام سے بابرک کے لیے  
بولے سن کر اٹنے قدموں پلٹ گیا۔



اس رات میں بھی مر گیا تھا ٹوٹ کر گیا تھا۔ بابرک  
کے مرنے پر اتنا نہیں رویا جتنا تیرے دھوکے کا سوچ کر  
رویہ تھا۔

تم سے دو طریقوں سے بدلہ لیا جاسکتا تھا تمہیں مار کر یا پھر  
تمہاری قیمتی چیز چھین کر۔ تمہیں مار نہیں سکتا تھا۔ تم  
تک انی والی پسل کی گولی اسفندیار خان کا سینہ چیر سکتی  
ہے۔ مگر اسفندیار خان کی پسل سے نکلی ہوئی گولی زار ان

خان کا سینہ نہیں چیر سکتی۔ تمہارے پاس سب سے قیمتی  
چیز تمہاری محبت تھی۔ مگر سچ کہہ رہا ہوں دل سے خدا  
سے یہ دعا مانگی تھی میں ہار جاؤں۔ تمہاری محبت تمہاری  
عزت کیسے میرے نام ہو سکتی ہے؟؟۔ اگر ایسا ہو جاتا تو میں  
شائد روز محشر میں اپنے خدا سے بھی نظر نہ ملا سکتا۔ بدلہ  
لینا چاہتا تھا مگر ایک پل کے لیے بھی اس وقت بھی تیری  
محبت تیری عزت کے متعلق سوچا نہیں تھا۔ اس وقت بھی

نہیں جب وہ دلہن کے لباس میں کھڑی تھی۔ ایک بار  
اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ مجھے تو اب اس کے نقش  
بھی یاد نہیں۔ میرے لیے تو وہ اتنی احترام کے قابل  
ہے۔ اسے دیکھتے ہی نظریں جھک جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ تیری  
عزت ہے۔

پھر خیال آیا تیری دوسری قیمتی چیز کا تیری بہن کا۔ سوچا  
اس سے بدلہ لوں گا۔ بہت کوشش کی لینے کی۔ لیا بھی

اس کا دل دکھایا۔ اسے رلایا بھی۔ مگر خود بھی خوش  
نہیں رہ پایا۔ اپنا بدلہ بھول گیا تھا کیونکہ اس کی تجھ میں  
جان بستی ہے۔ اسے دکھ نہیں دے سکتا تھا۔  
مگر جس دن تجھے بچانے کے اپنے بازو پر گولی کھائی۔۔  
اس دن میں پاگل ہو گیا تھا۔ اسفندیار خان جو ایک پٹھان  
ہے۔ وہ کیسے اپنے بدلے سے پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ خون

کے بدلے خون ہے۔۔ خسی تو پٹھان کے رگوں میں خون  
کی طرح بستی ہے۔

اس رات گاڑی موڑ کر تیری طرف آ رہا تھا۔۔ تجھے مارنے  
کے لیے۔۔ مگر احساس ہوا میں تمہیں مار نہیں سکتا۔۔ یہ  
ہاتھ کبھی تم پر گولی نہیں چلا سکتے۔۔ تو میں نے اپنی اس  
کمزوری پر اس دامنڈ پٹھانی کو سزا نہیں دی تھی۔ خود کو دی

تھی۔ وہ تو شاید میرے بغیر رہ سکتی ہے مگر میں نہیں۔۔  
اسفند اپنے سینے پر انگلیاں پھیرتے کرب سے مسکرایا۔ اس  
کا چاقو مارنا وہ بھول ہی نہیں پارہا تھا۔  
اس کے ذریعے اپنے بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا۔  
خود کو یقین دلاتا رہا اسفند یا رخاں بزدل نہیں ہے۔۔۔  
امریکہ سے مجھے مارنے کے لیے ہی تم اپنا پراسٹیوٹ جیٹ  
کرو کر آئے ہو بھولو موت۔ زاراں اس کی بات کاٹتے



طنز یہ مسکرایا تھا۔

سچ کہہ رہا ہوں تمہیں مارنے ہی آیا تھا۔ اور خدا کی قسم  
کھانا ہوں۔۔۔ اب کی بار تمہیں مارتے ہوئے میرے  
ہاتھ نہیں کانپنے تھے۔ ایک ہی وار سے تمہیں مار دیتا۔  
وہ جنون ہے اسفندیار خان کا۔ اس پر برستی بارش کی بوند  
بھی مجھے چبھتی ہے۔۔۔ وہ خود کو خود چھوئے میں برداشت  
نہیں کر سکتا۔ اس پر کسی کا سایہ بھی برداشت نہیں۔



جس کو میں اس کے بھائیوں کے حصار میں برداشت نہیں  
کر سکتا۔۔ تو کیسے اسے کسی غیر کی حویلی میں برداشت کر  
سکتا ہوں۔ اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں  
کروں گا۔ اسفند زار ان کو خونخوار نگاہوں سے گھورتے  
خون اشام درندے کی مانند دھاڑا۔

میں تم سے معافی مانگوں گا بھی نہیں۔۔ نہ ہی سات مہینے  
اپنی بہن کے آنسوؤں کے لیے تمہیں معاف کروں گا۔

۔ زار ان اسفند پر قہر بار نگاہ ڈالتے پتھر یلے لہجے میں بولا۔  
اسفند اس کی بات پر اسے دیکھتا رخ پلٹ گیا تھا۔  
۔ زار ان کچھ پل اس کی چوڑی پشت کو گھورتا رہا۔ پھر وہ  
اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے گیسٹ ہاؤس سے باہر کی  
جانب بڑھا تھا۔

زاران۔۔۔۔ اسفند نے رخ پلٹے بغیر اسے بھاری آواز  
میں پکارا تھا۔ جس میں آنسوؤں کی امیزش بھی شامل  
تھی۔

زاران کے قدم اس کی آواز میں آنسو محسوس کرتے رہے  
تھے۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی تھی۔ دونوں ایک  
دوسرے کی طرف پشت کیے کھڑے تھے۔ کتنے ہی پل  
بیت گئے تھے۔ خاموشی گہری ہوئی تھی

مر گیا تیرے لیے زار ان۔۔۔۔ نام مت لینا آئینہ سے  
میرا۔ زار ان نے رخ پلٹے بغیر کہا تھا۔ پھر وہ تیز تیز  
قدموں سے وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔  
اسفندیار خان کی آنکھوں کی نمی نے شدت اختیار کی  
تھی۔ اس نے گہرے سانس لیے تھے۔ ابھی تو اس  
وائٹڈ پٹھانی کے سامنے بھی جانا تھا۔ جو اس کے لیے  
وائٹڈ کم سفاک زیادہ تھی۔ اسفندیار خان نے زخمی سا

مسکراتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا جہاں اس کا دیا ہوا  
زخم کافی گہرا تھا۔

وہ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے تیز تیز قدموں سے اپنی  
جیپ کی طرف بڑھا تھا۔

---

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 111

اسفندیار خان اپنے کمرے میں داخل ہوتے تیزی سے  
ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا تھا۔ وہ کل سے ڈریسنگ  
روم میں بند تھی۔ اب تو اس کا سوچ کر اسفندیار خان

کی سالیں رک رہی تھی۔ شہرام کی طلاق والی بات  
اور عابیر کی بے رخی پر اس وقت اسے اپنے حواس  
معتل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ جس طرح لاونچ میں اس سے بے نیازی اور بے  
رنجی برت رہی تھی۔ وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔  
عابیر خان نے اس سے محبت نہیں عشق کا دعو کیا تھا



۔۔ پھر وہ کیسے اتنی سفاک ہو سکتی تھی؟؟۔ اس کی  
آنکھوں میں اس کے لیے کوئی جذبہ نہ رہے۔ اس نے  
تو کبھی عابیر کے لیے خود سے بھی عشق تو دور محبت کا  
دعوا بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے جذبوں کو وہ ہمیشہ ہمیشہ  
تھپک تھپک کر سلا دیتا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اسے ایک پل  
کے لیے نہیں بھلا سکا تھا۔ عشق میں دیوانی تو وہ تھی۔

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عشق کا دعوا تو اس نے کیا  
تھا۔ وہ اب جیسے اس کے لیے انجان بن چکی تھی۔  
لیکن وہ عشق کا ورد کرتے کرتے کیسے اتنی سفاک ہو  
سکتی تھی کہ اس کی آنکھوں میں اسفند یار خان کی  
پر چھائی تک نہ دکھے۔

اسفندیار خان نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈریسنگ روم  
کا دروازہ کھولا تھا۔ ڈریسنگ روم کے اندر قدم رکھتے ہی  
زمین و آسمان جیسے اس پر گرے تھے۔

وہ ڈریسنگ روم کے ٹھنڈے فرش پر ہوش و خرد سے  
بیگانہ پڑی تھی۔ عابیر اسفندیار خان اسے بیتابی سے

پکارتا تیزی سے اس کی طرف بڑھاتا تھا۔۔۔ ڈریسنگ

روم کا ٹمپر پچرا انتہائی سرد تھا۔

اور وہ ٹھنڈے فرش پر سکڑی سی بیہوش پڑی تھی۔

ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔۔

عابیر۔۔۔ اسفندیار خان نے تڑپتے ہوئے اسے

پکارتے اس کے ساکت وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا۔

وہ اسے سفاک کہتا تھا سفاکی تو اس نے دکھائی تھی۔ کل  
سے اسے ڈریسنگ روم میں بند کیا ہوا تھا۔ ایک بار بھی  
اس کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

اسفندیار خان اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں بھرے  
بانہوں میں اٹھائے ڈریسنگ روم سے نکلتا باہر آیا۔

اسے بیڈ پر نرمی سے لٹائے وہ کمرے میں میں لگے  
سینٹرل ہیئر کی طرف بڑھا۔ سینٹرل ہیئر آن کرتے وہ  
بے تاب سے عابیر کی طرف بڑھا تھا۔ اس پر کمبل  
دیے اس کے گلے سے اس کی شال نرمی سے آزاد کی  
تھی۔

عابیر۔۔۔۔۔ اسفندیار خان نے اس کے گال نرمی  
سے تھپتپاتے ہوئے اسے ایک بار پھر سے پکارا  
تھا۔۔۔

عابیر میری جان اٹھو۔ اسفندیار خان نے اس کی  
ٹھنڈی ہتھیلیاں رب کرتے ہوئے اسے دیوانوں کی  
طرح پکارا۔۔



اسے ایسے دیکھ کر اس کی جان لبوں پر سج رہی تھی۔  
اس کی سرخ و سفید رنگت میں اس وقت صرف  
سفیدیاں سی تھیں۔

وہ نیم جاں نیم مردہ سی پڑی تھی۔ اسے ایسے دیکھتے  
اسفندیار خان کا پورا وجود پیسنے سے تر ہوا تھا۔ اتنی

سر دی میں اسفندیار خان کے بدن سے پسینہ پھوٹ رہا  
تھا۔

عابیر۔۔۔۔ اسفندیار خان نے اسے پکارتے اس کی  
گردن کو چھوا جو بخ ٹھنڈی تھی۔ اس کا پورا بدن ہی  
برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

اسفندیار خان جلدی سے اپنی شرٹ اتارتے ہوئے  
اس کے بدن کا حصہ بنا۔ کمبل خود پر لیٹے وہ اپنا پہاڑ  
جیسا وجود اس پر منتقل کر گیا تھا۔ وہ اس کے وجود کا حصہ  
بنے اپنے گرم بدن سے اس کے ٹھنڈے بدن کو  
گرمائش پہنچا رہا تھا۔ اپنے اور اس کے اوپر وہ کمبل اچھی  
طرح لپیٹ گیا تھا۔ اس کے بدن کا حصہ بنے اسفندیار کی

گرم انگلیاں اس کے خوبصورت نقوش پر سرسرا نے  
لگی تھیں۔ وہ بے تابی سے اس کے نقوش پر بہت نرمی  
سے اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔

zubinovelshouse.com

اسفندیار خان نے تڑپتے ہوئے اپنے سلکتے ہوئے لب  
دیوانہ وار اس کے خوبصورت نقوش پر رکھے تھے۔ وہ  
مزید خود پر قابو نہ پاسکا تھا۔ اسفند کے لب یہاں رکے  
نہیں تھے۔ عابیر کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں  
بھرتے اس کے لب دیوانوں کی طرح اس کے چہرے  
کے ایک ایک نقش کو چھوتے کئے تھے۔ وہ دیوانوں کی

طرح اس کے اس کے نقوش کو اپنے گرم لبوں سے  
جھلسا رہا تھا۔

وہ اسے خود میں بھینچے اس کے کمر میں ہاتھ ڈالتے تھوڑا  
سا اوپر کواٹھا گیا تھا۔ اسفندیار خان نے رخ پلٹے اب  
اس کے نازک بے جان وجود کو اپنے چٹائی سینے پر منتقل  
کیا تھا۔ عابیر کے بدن کی نازکی کو محسوس کرتے اسے

اپنے سینے کے ساتھ مزید شدت سے لپٹا گیا تھا۔ عابیر  
کو سینے کے ساتھ لپٹانے کی دیر تھی سلگتے بھٹی کی طرح  
دہکتے بدن کو راحت ملی تھی۔۔ وہ پچھلے کچھ دنوں جس  
آگ میں جھلس رہا تھا۔ اسے اپنے اندر جیسے پھواری  
گرتی محسوس ہوئی تھی۔۔ وہ مزید شدت سے اس کے  
نازک وجود کو اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔



یک عجیب سا سکون اسے اپنی رگوں جاں میں اترتے  
محسوس ہوا۔ عابیر کے بدن کی خوشبو جو گلاب سی تھی  
اس کے روم روم کو مہکا گئی تھی۔ عابیر کے بدن سے  
اٹھتی انوکھی اور جان لیوہ خوشبو سے اسفند کو بن پیے  
نشہ سا محسوس ہوا۔ اسفند یار خان کی سانسیں یکدم تیز  
ہوئی تھیں۔ وہ تو اس کے بدن کا دیوانہ تھا۔ اس کے

ایک ایک نقش اس کے سنہری بالوں اس کی ہیزل  
گرے آنکھوں کا وہ دیوانہ تھا۔ اس کی وائلڈ سفاک  
پٹھانی کوہی نہیں اسے بھی پہلی رات کی قربت کے بعد  
اس سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ کیسے خود پر ظلم کرتا تھا۔ وہ  
وہی جانتا تھا۔ پہلی رات کی قربت سے جو سکون ملا وہ  
اسے آج تک کہیں نہیں ملا تھا۔ زندگی میں آنے والی

پہلی عورت تھی جسے چھوا تھا۔ جس کے وجود میں اترا  
تھا۔ کیسے۔ عشق نہ ہوتا۔ جس طرح اس نے پہلی رات  
اس کی شدتیں برداشت کیں۔ اس کے لیٹنے سے اس  
کی سکیوں سے اس کے تڑپنے سے اسفندیار خان کو  
عشق ہونا ہی تھا اور ہو گیا تھا۔ وہ تو خسی کی آگ میں  
جلتا رہا اور جلاتا رہا۔ اصل ظلم تو وہ خود پر کرتا تھا۔

جس عورت کے لیے وہ اتنا پاگل تھا وہ اسے اس کے  
بھائیوں کے پاس برداشت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے  
لیے اس کی محبت دیوانگی کا کیا عالم ہو گا۔ حسد و  
رقابت جلن کا جذبہ اس کے اندر صرف اپنی بیوی کے  
لیے ہی اٹھتا تھا۔ اتنا دیوانہ تھا وہ اپنی نازک بیوی کا۔

راتوں کو سکریٹ پیتے وہ اس کے بغیر عذاب راتیں  
گزارتا تھا۔ اس کے بدن کی ناز کی اس کے ان چھوٹی  
نازک گہرائیاں اسے پاگل کیے رکھتی تھیں۔ ان  
سات مہینے میں وہ پل پل اس کے خوبصورت بدن اس  
کے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو کے لیے تڑپا تھا۔  
جب وہ سو جاتی تھی وہ کتنی کتنی دیر مدھم روشنی میں

نظر آتے اس کے وجود کو لیپ ٹاپ کی سکرین پر دیکھتا  
رہتا تھا۔

ہے میری سفاک پٹھانی۔۔۔۔۔ مت ستاؤ مجھے۔۔۔  
اسفندیار خان اب رخ پلٹے اسے تکیے پر منتقل کر گیا تھا۔  
عابیر کے لب جو نیلے تھے۔ اسفندیار خان کافی دیر تک  
اس کے نیلے لبوں پر اپنا انگوٹھا رگڑتا رہا۔۔۔

اسفند اس کے لبوں پر انگوٹھا گڑتے اسے اپنے بے  
قرار پیاسے لبوں میں دبا گیا جو اس کے لبوں کا جام پینے  
کو کب سے تڑپ رہے تھے۔

اس کے لبوں کو وہ کتنی دیر اپنے لبوں میں دبائے اس کی  
مدھم سانسوں میں اپنی گرم سانسیں اندھیلے رہا تھا۔  
وہ کافی دیر تک بہت نرمی سے اس کی سانسوں میں اپنی



گرم سائیس انڈیل رہا تھا۔ وہ اس کے اوپر لیٹا اس  
کے ٹھنڈے بدن کو اپنے بدن کی حدت سے گرمی  
پہنچاتے اس کے نیلے لبوں کو اپنی شدت سے قندھاری  
کر رہا تھا۔

اسفند نے کافی دیر بعد اس کے لبوں کو آزاد کیا اب وہ  
اس کی شدت پر سرخ ہو رہے تھے۔ چہرے کی

رنگت میں بھی کچھ کچھ سرخیاں سی گھلی تھیں۔  
اسفند نے گہرا سانس لیتے اس کے چہرے میں گھلی  
سرخیاں دیکھی تھی۔ اسفند کے کھردے ہاتھ اس  
کے فرائک کے اندر اس کے نازک بدن پر تھے۔ اس  
کا جسم ابھی بھی ٹھنڈا تھا۔ کمرہ اچھا خاصہ گرم ہو چکا  
تھا۔ مگر اس کے بدن کا ٹمپرچر ابھی بھی سرد تھا۔

اسفندیار خان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی کمر  
کی زپ کھولتے ہوئے اس کی دودھیا کمر پر اپنا ہاتھ  
پھیرتے

اپنے گرم بھٹی کی طرح تپتے بدن کو اس کے ٹھنڈے  
بدن کا حصہ بنایا تھا۔

اس کے اتنے قریب آکر اسفند کے بدن میں شعلے سے  
دہکے تھے۔ وہ بکھرے حلیے میں اس کے سامنے  
تھی۔ اس کا دو آتشہ بدن اس کی بانہوں میں اس کے  
سامنے تھا۔ اسفند کی گہری گرم نگاہیں اس کے کندن  
سے نشیب و فراز پر تھیں۔ جو مدہم سانسوں کی وجہ  
سے مدہم مدہم ہچکولے بھر رہے تھے۔

اسفندیار خان اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے  
کھسکاتے پیتابی سے اس کی دھڑکنوں پر جھکا۔۔ اب تو  
اسفندیار خان کو اپنے بدن سے سپارک سا اٹھتا محسوس  
ہوا تھا۔ اسفندیار خان کے ہاتھ ہر طرح کی پیبا کی  
محسوس کرتے اپنا حق جتاتے اس کی دھڑکنوں کو سختی

سے چھوڑ ہے تھے۔ اسفندیار خان کی پل میں  
آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔۔ سات مہینے کے گزرے  
ان تمام پلوں کی **تنگی** اسے اپنے رگ و پے میں  
سرایت کرتی محسوس ہوئیں۔ جب عابیر کو لیپ ٹاپ  
کی سکرین پر دیکھتے وہ ساری ساری رات اپنے اندراٹھتے

جوانی کے پر زور تقاضوں کو سلاتے سلاتے بے حال ہو  
جاتا تھا۔

عابیر جنون ہو تم میرا۔ تم ہی میری تشنگی تم ہی میری  
ضرورت۔ تم ہی تم ہی میرا عشق ہو۔۔۔ میں نے تم  
سے بے انتہا عشق کے باوجود کبھی تم سے اظہار نہیں  
کیا۔ مگر آج میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ تم دیوانگی ہو



میری۔۔۔ نہ تم سے پہلے میری زندگی میں کوئی تھا نہ  
تمہارے آنے کے بعد کوئی میرے زندگی میں آیا۔  
میں جانتا ہوں جس طرح میں تمہارے لیے شدت  
پسند ہوں۔۔ تم بھی مجھے لے کر شدت پسند ہو۔۔  
میں یہ بھی جانتا ہوں تمہاری شدید ناراضگی اور بے  
رنخی کی وجہ دوسری عورت ہے۔۔ جو تمہیں لگتا ہے

میں نے تمہارا حق کسی دوسری عورت کو دیا تو یہ غلط  
ہے عابیر۔۔۔ ان سات ماہ میں میری زندگی میں کسی  
دوسری عورت کا وجود نہیں تھا۔ میں سب تمہیں  
تڑپانے کے لیے کہتا تھا جب تم دوسری عورت کو لے  
کر اپنی شدت اپنی پوزیو نیس دکھاتی تھی۔ تو تمہیں  
بتا دوں میری سفاک ظالم حسینہ مجھے تمہاری بہی

شدت خود کے لیے دیوانگی کی حد تک پسند ہے۔  
تمہارے اسفندیار خان کو تمہاری دیوانگی تمہارا جنون  
پسند ہے۔۔۔ اسفندیار خان اس کے چہرے پر اپنے  
لبوں کی بو چھاڑ کرتا گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ  
گہرے سانس لیتا اس سے مزید لپٹا تھا۔ اس کے اتنے

قریب آکر اسفند کے گرم نرم جذبات اس کے اختیار  
سے باہر ہوئے تھے۔

اسفندیار خان کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا۔ اگر وہ  
کچھ دیر اور اس سے ایسے لپٹا رہتا تو کوئی بعید نہیں تھا وہ  
ہر حد سے گزر کر اس میں سما جاتا۔ وہ اس کی تھی حق  
رکھتا تھا اس پر۔ جیسے بھی چاہے اپنی بیوی اپنی عابیر سے

سکون حاصل کر سکتا تھا۔ اور اس کا روم روم اس  
وقت عابیر کے لیے تڑپ بھی رہا تھا۔ اسے اتنی ظالم  
حسینہ کی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ نہ وہ لینے کا ارادہ  
رکھتا تھا۔

مگر وہ اپنی سات ماہ کی لشکی ایسے نہیں اتارنا چاہتا تھا۔ وہ  
اسے اس کے ہوش میں رہ کر اسے بتانا چاہتا تھا وہ اس  
کے لیے کیا معنی رکھتی ہے۔

وہ ایسے اپنی سفاک پٹھانی کو چھونا نہیں نہیں چاہتا تھا  
ایسے اس کے اندر سمانا نہیں چاہتا تھا۔ اسفندیار خان  
نے اس سے دور ہوتے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب





تمہیں بتاؤں گا اسفندیار خان عابیر خان سے لگتی  
شدت سے محبت کرتا ہے۔ اسفند نے بھاری آواز  
میں کہتے اس کی چھوٹی سی ٹیکھی ناک پر اپنے لب رکھے  
تھے۔ وہ اب اس کے پیروں کی طرف بڑھا۔ کمبل  
ہٹاتے اسفند نے اس کے سفید نرم ملائم پاؤں کو بہت  
نرمی سے انگلیوں سے سہلاتے اس کے پاؤں کے

تلوں پر اپنے لب نرمی سے رکھے تھے۔ اسفندیار خان  
بہت نرمی سے اس کے پیروں کو اپنے لبوں سے چھو رہا  
تھا جتنی محبت جتنا عشق وہ عابیر خان سے کرتا تھا اس  
نے کبھی اپنے عشق کا ایک پر سنٹ بھی عابیر پر ظاہر  
نہیں کیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا جس دن اس نے اس پر  
اپنے عشق کا وہ دن پر سنٹ بھی اپنی ظالم بیوی پر شو کر

دیا وہ اس کی شدتیں اس کا جنون سہن نہیں کر پائے  
گی۔ اسفند اب اس کے پیروں کے پاس بیٹھا اس کے  
پیروں کو بہت نرمی سے اپنے ہاتھوں سے رب کرتے  
ہوئے گرمائش پہنچا رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اس کے  
پیروں کو رب کرتا تھا۔ اسفند کے گرم ہاتھوں نے اس  
کے ٹراؤزر کے اندر سے اس کی پنڈلیوں کو چھوا۔ اس

کا بدن اب گرم ہو چکا تھا۔ مگر اس کے بے جان وجود  
میں ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ اسفند اب اس کے قریب  
بیڈ پر بیٹھا۔ اس کی پیشانی کو چھوا جو نارمل تھی۔ چہرہ پر  
نیلا ہٹ کی جگہ سرخی تھی۔ گرم کمرہ گرم کمبل کی  
وجہ سے اس کا بدن نارمل تھا۔ لیکن ابھی تک اس کے  
بے جان وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ اسے

ایسے بے سود پڑا دیکھ کر اسفندیار خان کی جان لبوں پر  
سجی تھی۔ جسم کو گرمی ملنے کے بعد اسے ہوش میں آ  
جانا چاہیے تھا۔ مگر وہ ابھی تک ہوش میں کیوں نہیں آ  
رہی تھی۔ اسے ایسے بے جان دیکھ کر اسفندیار خان کی  
دھڑکنیں سست پڑنے لگی تھی۔ اسفندیار خان نے  
اس کے کندھوں سے شرٹ اوپر کرتے اس کے کمر کی

زپ بند کی تھی۔۔ اپنی شرٹ بیڈ سے اٹھا کر پہنی  
تھی۔

ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے الماری سے عابیر کی  
گرم بڑی سی چادر نکالی تھی۔ اس کے گرد اچھی طرح  
لپیٹتے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھایا۔ وہ اسے اپنی  
مضبوط بانہوں میں بھرتے کمرے سے نکلتے نیچے سیڑ

ھیوں سے اتر تالاونچ میں آیا جہاں اس وقت کوئی  
نہیں تھا۔ وہ اسے لیے باہر کارپورچ کی طرف بڑھا۔  
اپنی گاڑی میں عابیر کو بہت نرمی سے اگلی سیٹ پر ڈالتے  
خود ڈارائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

---



ارحام خان اس وقت آف وائٹ پینٹ میں ملبوس تھا۔  
گھنے سیاہ ہلکے نم بالوں میں پانی ٹپکتا اس کے ورزشی  
کسرتی برہنہ چٹانی سینے پر پھسل رہا تھا۔ ارحام نے  
ٹاول سے اپنے بالوں کو خشک کرتے ٹاول بیڈ پر اچھالا  
تھا۔ بیڈ پر پڑی آف وائٹ شرٹ پہنتے ہوئے مرر میں  
دیکھتے اپنی شرٹ کے بٹن بند کیے تھے۔ بیڈ پر پڑی

بیلٹ اٹھا کر اسے پہنتے ہوئے اس نے اپنے جبرے  
بھینچتے اپنے اندر بہنتے جذبوں اور ضرورتوں پر قابو  
پانے کی ناکام سعی کی۔۔ اس دشمن جاں کی طلب پھن  
پھیلائے ناگ کی طرح اس کے اندر اینٹھن کی طرح  
سمائے ہوئے تھی۔ آنکھوں کی رنگت اس وقت شدید  
سرخ تھی۔ دو دن سے وہ ایک پل کے لیے سو نہیں پایا

تھا۔ حور اس کے جذبوں کا اس کا اس طرح مذاق  
بنائے گی وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

ارحام خان نے اپنی گھنی بےیر ڈپر اظطرابی انداز میں  
جھنجھلاتے ہوئے ہاتھ پھیرا۔ دودن پہلے میٹنگ حور  
سلطان شاہ کی طرف سے کینسل کر دی تھی۔ وہ اس

دن جب لمپنی پہنچا تو اسے بتایا گیا یہ میٹنگ نہیں ہو  
گی۔ ارحام خان نے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا تھا  
۔ آنکھوں کی رنگت لمحوں میں سرخ ہوئی تھی۔ وہ  
اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے کافی دیر تک میٹنگ  
روم میں بیٹھا رہا تھا۔ اسے لمحوں میں سمجھ اگیا تھا۔  
اس کی بیوی اس کے ضبط کو آزما رہی تھی۔ اس تک ہر

دن جب لمپنی پہنچا تو اسے بتایا گیا یہ میٹنگ نہیں ہو  
گی۔ ارحام خان نے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا تھا  
۔ آنکھوں کی رنگت لمحوں میں سرخ ہوئی تھی۔ وہ  
اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے کافی دیر تک میٹنگ  
روم میں بیٹھا رہا تھا۔ اسے لمحوں میں سمجھ اگیا تھا۔  
اس کی بیوی اس کے ضبط کو آزما رہی تھی۔ اس تک ہر

خبر نادانستہ طور پر حور کی طرف سے پہنچائی گئی تھی۔  
ورنہ اس کی میٹنگ حور کے ساتھ ہے۔ اگر حور نہ  
چاہتی بات کبھی اسے پتہ نہ چلتا۔ اب عین وقت پر  
میٹنگ کینسل کر کے صرف اس کے ضبط کو آزمایا گیا  
ہے۔ اس وقت بھی ارحام کی نظریں میٹنگ روم میں  
لگے کیمروں ہی تھیں۔ وہ اپنی سرخ آنکھوں سے ان

کیمرے کو دیکھے گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی بیوی ان  
کیمرے کے تھرو اسے دیکھ رہی ہے۔ ارحام خان ان  
کیمرے کو دیکھتے اپنی سرخ آنکھیں مسل گیا تھا۔ وہ چاہ  
کر بھی اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں کر پایا تھا جو شدید  
سرخی کی صورت میں اس کے چہرے سے ظاہر ہو



رہے تھے۔ حور خانزادہ کے بارے میں وہ ایسا ہی تھا۔

وہ تیس سال کا مرد تھا

گراہنی بیوی کے معاملے میں ایسا ہی تھا۔ اپنے

جذبوں پر اختیار نہ رکھنے والا۔ وہ کتنی شدت سے اپنی

بیوی سے عشق کرتا تھا کہ وہ سرخی بن کر اس کی

آنکھوں میں دوڑنے لگتی تھی۔ سات مہینے بعد وہ اس

رہے تھے۔ حور خانزادہ کے بارے میں وہ ایسا ہی تھا۔

وہ تیس سال کا مرد تھا

گراہنی بیوی کے معاملے میں ایسا ہی تھا۔ اپنے

جذبوں پر اختیار نہ رکھنے والا۔ وہ کتنی شدت سے اپنی

بیوی سے عشق کرتا تھا کہ وہ سرخی بن کر اس کی

آنکھوں میں دوڑنے لگتی تھی۔ سات مہینے بعد وہ اس

کے چہرے کو دیکھنے کی آس لے کر اس میٹنگ روم  
میں پہنچا تھا۔ جہاں اسے بتایا گیا یہ میٹنگ نہیں ہوگی۔  
وہ تو جیسے پاگل ہوا تھا۔ دماغ کی نسیں پھٹنے کے قریب  
ہوئی تھیں۔۔۔ پورے وجود کی رگیں طیش اور ضبط  
کے کڑے مراحل سے گزرتے پل میں ظاہر ہوئی  
تھیں۔

ارحام کچھ پل کیمروں کو سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔  
پھر وہ ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ مارتے ہوئے اسی  
لمحے اس میٹنگ روم سے نکل آیا تھا۔ یہ دودن اس نے  
کیسے گزارے تھے۔ وہ وہی جانتا تھا وہ حور کے پیچھے  
نہیں گیا تھا۔ نہ سلطان شاہ کے گیٹ پر رات گزاری  
تھی۔ اپنے فلیٹ پر دودن جاگتے ہوئے سگریٹ

پھونکتے ہوئے گزاری تھی۔ حور خانزادہ کو لے کر وہ  
اتنا ہی پاگل تھا۔ سات مہینوں سے وہ ایک آبلہ پائی کا  
سفر طے کر رہا تھا۔ سات مہینوں سے اس کا چہرہ نہیں  
دیکھا تھا۔ اور ارحام خانزادہ پر کیا بستی تھی وہ وہی جانتا  
تھا۔ جس نازک وجود کو چھوئے بغیر اس میں سمائے  
بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ حویلی میں گزرے چھ ماہ میں

اسے ہر لمحہ اپنے بدن کا حصہ بنائے رہتا تھا۔ وہ اسے  
نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ اس کے روم روم میں نشے کی طرح  
رچ بس گئی تھی۔ عشق تو بہت بعد میں ہوا تھا۔ پہلے تو  
اس کا ایڈکٹ بنی تھی۔ اور وہ اس کا عادی۔۔ جیسے کسی  
نشے کے عادی مجرم کو بروقت نشہ نہ ملے تو وہ مرنے  
لگتا ہے۔ اس کے لیے اس کی بیوی بھی ایسے ہی تھی۔

مگر وہ ان چھ ماہ میں اسے جب وہ چاہیے ہوتی تھی۔۔ وہ  
اس کی بانہوں میں ہوتی تھی۔ جب وہ چاہے وہ اسے  
میسر ہوتی تھی۔۔ اس کی فرمانبرار بیوی اس کی بانہوں  
میں خود کو اسی لمحے ایک اشارے پر سونپ دیتی تھی۔  
وہ کتنی ہی شدتیں نچھاور کرے۔۔ کچھ بھی کرے وہ  
کبھی اسے خود سے دور جھٹکتی تک نہ تھی۔ اسے سہنا



اسان نہ تھا وہ ٹوٹ کر بکھرتے اور بے تحاشا آنسو  
بہاتے ہوئے بھی اس کی بانہوں میں ہی سماتی تھی۔  
تو پھر اسے ایسی عورت سے عشق کیسے نہ ہوتا۔؟؟؟  
عشق ہونے کے بعد تو وہ اس کے لیے مزید پاگل ہو گیا  
تھا۔ وہ ساری ساری رات ساراسارا دن اسے اپنی  
پانہوں میں بھرتے اس کے خوبصورت بدن پر سلگتے

لب رکھ کر اٹھیں دھکاتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کی  
آنکھوں میں بہت بار مغروریت دیکھی تھی۔ وہ اس  
سے ڈرتی تھی۔ بے تحاشا ڈرتی تھی۔ اس کی شدتیں  
نہیں سہہ سکتی تھی۔ مگر اس کے معصوم سے نازک  
اندام اور اس کی کر سٹل گہری شفاف براؤن آنکھوں  
میں مغروریت دیکھ کر سمجھ چکا تھا۔ وہ اپنی اہمیت سے

بخوبی واقف ہو چکی ہے۔ وہ اس لمحے اس کے لیے پاگل  
ہو جاتا تھا۔ اٹھارہ سال کی کم عمر امیچور لڑکی ایک تیس  
سال کے مرد کی کمزوری سے واقف ہو چکی تھی وہ کیا  
معنی رکھتی ہے اس کے لیے۔۔ اور اب سات مہینوں  
سے اسے چھوا نہیں تھا۔ وہ اکثر کچھ لمحوں میں مرنے  
والا ہو جاتا تھا۔ جب اس کی طلب حد سے زیادہ اس کے

اندر جاتی تھی۔ وہ ان مردوں میں سے تھا جو عورت  
کے بغیر نہیں رہ سکتے۔۔ اور اس کی طلب اس کی پیاس  
ایک عام عورت تھی ہی نہیں اس کی حور تھی جو پیاس  
بن کر اس کے لبوں پر رہتی تھی۔ ضرورت بن کر اس  
کے نسوں میں دوڑتی تھی۔ طلب بن کر اس کے  
رگوں و پے میں بہتی تھی۔ وہ مرد جو عورت کے بغیر

نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اتنی خاص عورت کے بغیر کیسے رہتا  
تھا وہ وہی جانتا تھا۔ اپنی بیوی سے عشق کی انتہا یہ تھی  
اسے صرف وہی چاہیے تھی۔ کوئی دوسری عورت  
اس کے سامنے بنا کپڑوں کے بھی آ جاتی وہ اسے دیکھنا  
بھی پسند نہ کرتا۔ ساری عمر اس کے لیے تڑپتے ہوئے  
گزار سکتا تھا۔ کبھی کسی دوسری عورت کے متعلق

سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنی بیوی سے وہ اتنی شدت  
سے عشق کرتا تھا۔

وہ اپنا کوٹ پہنتے ہوئے مر رہی میں خود کو دیکھتا اپنی سرخ  
آنکھیں مسل گیا جن کی سرخی پر وہ بہت حد تک قابو پا

چکا تھا۔ وہ اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھائے اپنے اپارٹمنٹ  
سے باہر نکل آیا۔

-----



ارحام سلطان شاہ کی بہت بڑی عالیشان کمپنی میں  
داخل ہوا تھا۔ سلطان شاہ کی اسلام آباد میں کتنی ہی  
کمپنیاں تھیں۔ یہ کمپنی بھی سلطان شاہ کی تھی اسے کچھ  
دن پہلے معلوم نہ تھا۔

==

ارحام اپنی گھنی بئیر ڈپر ہاتھ پھیرتے اظطرابی انداز  
میں آفس کی طرف بڑھاتا تھا کہ ریسپشنسٹ پر موجود  
حور کی سیکرٹری اس کی طرف بڑھی تھی۔  
سر آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔ میم آپ کا اندر انتظار کر  
رہی۔ آئیے سر۔۔۔۔۔ وہ شائستگی سے کہتے آگے  
بڑھی تھی۔ ارحام اپنی گھنی بئیر ڈکو انگلیوں سے

سہلاتے اس کی ہمراہی میں آگے بڑھا تو وہ دروازہ ناک  
کر کے اس کے ساتھ ہی آفس کے اندر داخل ہوئی۔

آفس کے اندر داخل ہونے پر ارحام کے بھاری قدم  
ٹھہرے تھے۔ دھڑکنیں جیسے رک گئی تھیں۔ وہ  
سامنے ہی چمیر پر بیٹھی تھی۔ سیاہ لباس میں کھلے بالوں

کے ساتھ اسے دیکھتے مسکراتے ہوئے چمیر سے ٹیک  
لگائی تھی۔

سات ماہ بعد وہ اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھ رہا  
تھا۔ اس کے خوبصورت سلکی بالوں کا جن کا وہ دیوانہ  
تھا۔ اس کے خوبصورت بدن کا جس کا پیاسا تھا۔۔۔  
جس کا وہ عاشق تھا۔ وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ بلیک

سٹائلش سے ٹراؤز پر بے حد سٹائلش سی بلیک بے انتہا  
شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔ جس کی آستین فل  
سیلوز میں تھیں۔ مگر شرٹ کا اگلا گلہ انتہائی ڈیپ تھا۔  
اور باریک سٹائلش شرٹ سے اس کا دودھیا بدن پوری  
طرح اپنی رعنائیاں بکھیر رہا تھا۔ اپنے سلکی براؤن  
بالوں کو اس نے نیچے سے لائٹ کرل کیے ہوئے

تھے۔ جن کی لینتھ کمر سے تھوڑی اوپر تھی۔ لائٹ سا  
پنک لپ گلو ز لگائے۔ کانوں میں چھوٹے سے ٹاپس  
پہنے ہوئے تھی۔ گردن میں نازک سی چین پہنے  
ہوئے تھی۔۔۔ وہ کچھ ہی پلوں میں اس کا بہت باریک  
بنی اور بے حد گہرائی سے اس کا مکمل معائنہ کر چکا  
تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنی دھڑکنوں کے انتشار پر قابو  
پاتے اپنے معتدل ہوتے حواس پر قابو پایا تھا۔ آنکھوں  
کی رنگت جس کی سرخی پر قابو پارہا تھا وہیل میں سرخ  
ہوئیں تھیں۔

ارحام کی بے قرار نگاہوں کا رخ اس کے بالوں پر تھا جو  
اس نے اچھے خاصے چھوٹے کروائے تھے۔ جو بال کمر



سے نیچے آتے تھے۔ اب وہ اس کی کمر سے کافی اونچے  
اس کے ایک سائیڈ شانے پر پڑے تھے۔ ارحام نے  
خود پر قابو پاتے انگلیوں سے اپنی ہسکی گھنی بیئر ڈ  
سہلائی تھی۔ اس کے چھوٹے بال بری طرح چبھے  
تھے۔ ارحام گہرے سانس لیتا خود پر قابو پارہا تھا۔ وہ  
اتنی ماڈر بسک میں برداشت نہیں ہوئی تھی۔

اس کے شولڈر کے پاس تل بھی چمکتا اپنی آب و تاب  
دکھا رہا تھا۔

حورِ چمیر سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے کانفیڈنٹ  
سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ارحام کی تڑپ کا جیسے وہ مزہ  
لے رہی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

ارحام نے اس کے ایکشن دیکھتے اپنے جبرے بھینچے خود  
پر قابو پایا تھا۔ آج سے سات ماہ پہلے ساڑھی میں  
ملبوس جب وہ ہوٹل میں ملنے آئی تھی۔ اس کے تب  
بھی کم و بیش یہی تاثرات تھے۔ تب وہ بھی وہ اس  
چیپ سی ساڑھی میں اسے دیکھتے ایسے ہی مسکرا رہی  
تھی۔ وہ اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ جیسے وہ آج اسے دیکھتے

اپنے ہوش کھو چکا تھا۔ آج وہ اس سے کیا چاہتی تھی وہ  
سمجھ نہیں پایا تھا۔ آج تو اس کی ہر ادا نرالی تھی۔ وہ  
جتنی ماڈ اور سٹائلش تھی یہ اس کی ڈریسنگ سینس سے  
بخوبی عیاں تھا۔ اس نے اپنے کندھوں اور دھڑکنوں پر  
لائٹ سا گلیٹر گولڈن مساج کیا ہوا تھا۔ ارحام نے بے  
چینی سے اپنی شرٹ کے اگلے دو بٹن کھولتے اپنی بلیٹ

ٹھیک کی تھی۔۔ جسے دیکھ کر حور گہرا مسکرائی تھی۔  
پاس کھڑی سیکرٹری حیران پریشان نظروں سے  
دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

حور سلطان شاہ جو پردہ کرتی تھی۔ جو باہر سے بہت  
بڑی چادر میں خود کو لپیٹ کر آئی تھی۔ جس میں اس  
نے اپنا چہرہ بھی چھپایا ہوا تھا۔ اس کمرے میں کسی گارڈ

کسی میل ایمپلائی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ ایک  
غیر مرد کے سامنے اس طرح کے حلیے میں بیٹھی گہرا  
مسکرا رہی تھی۔

سیکرٹری نے تعجب سے اب اسے دیکھا تھا۔ جو شل  
کھڑا بہت گہرائی سے سرخ آنکھوں سے بہت استحقاق  
سے حور کو دیکھ رہا تھا۔

جی مسٹر خان۔۔۔ آج وہیں پر کھڑا رہنے کا ارادہ  
ہے۔۔۔ آئی تھنک آپ میٹنگ اٹینڈ کرنے آئے ہیں۔  
حور کرسی پر سیدھا ہوتے ٹیبل پر ہاتھ رکھتے بولی تھی۔  
اس کی گہرائیاں مزید واضح ہوئی تھیں۔ جنہیں دیکھتے  
ارحام کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے  
تھے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔۔



حور کے سامنے کھڑی سیکرٹری نے اب نا پسندیدہ  
نگاہیں حور پر گاڑھیں جو ایک غیر مرد کے سامنے ایسے  
بے باکی سے بیٹھی تھی۔

اور سامنے کھڑا غیر مرد بھی اپنے سامنے بیٹھی حسینہ پر  
جیسے بری طرح گھائل ہو چکا تھا۔ جو اس کے ماتھے پر

چمکتے پسینے اور اس کے پتھر ائے وجود سے بخوبی عیاں  
تھا کہ وہ کیسے پاگل ہو گیا ہے۔

سیکرٹری نے گہرا سانس لیتے ارحام کی خوب روٹلسماتی  
پر سینلٹی کو دیکھا تھا۔ وہ جتنی مرضی طلسماتی  
پر سینلٹی رکھتا ہو مگر سامنے بیٹھی کم عمر و شیزہ کا حسن  
بھڑکتا گ کا گولہ تھا۔ جو کسی بھی عابد و زاہد کا ایمان

پل میں ڈمگا سکتا تھا۔ وہ تو پھر ایک عام سا انسان تھا۔  
جس کے پاس شائد صرف اس کی پرسنلیٹی ہی تھی۔  
کردار تو شائد تھا ہی نہیں۔ تبھی تو وہ ایک خوبصورت  
حسینہ کو دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ سیکرٹری نے  
ایک بار پھر سے گہرا سانس لیا تھا۔ اسے اب اس میں  
ارحام کا کوئی قصور نہیں لگا تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی بلا کی

خوبصورت تھی اور جس طرح اس نے اپنی خوبصورتی کو انہانس کر رکھا تھا۔ عورت ہو کر اس کی نظریں اس کے خوبصورت چست گل پر جا ٹھہرتی تھیں۔ اللہ نے اسے بھرپور ناز کی عطا کی ہوئی تھی۔ اس کے نقوش تو تھے ہی خوبصورت مگر کندن سے نشیب و فراز تو پانی میں جیسے آگ بھڑکانے کے مترادف تھے۔

Sir have a seat

سیکرٹری نے ترجمانیز نگاہیں ارحام پر ڈالیں جو پیاسی  
نگاہوں سے سامنے بیٹھی عورت کو دیوانگی سے دیکھ رہا  
تھا۔

سیکرٹری کی آواز پر ارحام نے اپنی پچھلی گردن رب  
کرتے اپنے معتل ہوتے حواصوں پر قابو پایا تھا۔ وہ

اپنی بیوی کو دیکھ کر جان سے تو گیا ہی تھا۔ اسے ایسے  
دیکھ کر اس کے دماغ کی رگیں بھی اشتعال کے مارے  
پھڑکیں تھیں۔ وہ اسے ایسے کسی عورت کے سامنے  
بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنا دوپٹہ بھی کسی  
عورت کے سامنے اتارے اسے گوارا نہ تھا۔ وہ اس  
طرح کے حلیے میں اپنی سیکرٹری کے سامنے تھی۔ اس

کے بالوں کی لہنتھ دیکھ کر بھی وہ اپنے اندر بھڑکتی آگ  
پر بمشکل قابو پائے ہوئے تھا۔

ارحام خان اپنے اندر اٹھتے اضطراب بے چینی اشتعال پر  
قابو پاتے نظریں نیچ اپنی پچھلی گردن ہاتھ سے رب



کی۔۔

او کے مس یو گوناؤ۔۔۔ مجھے آپ کی اور اپنی میم مس  
حور سلطان شاہ سے اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں  
میٹنگ کرنی ہے۔ ارحام کے لبوں سے حور سلطان سن  
کر حور کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ جسے  
ارحام کی زیرک نظروں نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ اپنی

بیوی کے چہرے پر غصہ اشتعال دیکھ کر وہ اب گہرا  
مسکرایا تھا۔

اس کے خوبصورت نقوش کے بگڑے زاویوں کو دیکھ  
کر ارحام خانزادہ کو بخوبی اندازہ ہوا تھا۔ حور خانزادہ کو  
اب اپنے شوہر کے لبوں سے حور سلطان شاہ سننا بھی  
گوارا نہ تھا۔ ارحام پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالتے اپنے

بھاری قدموں کی رفتار سے حور کی طرف بڑھا۔ حور  
نے کرسی سے ٹیک لگائے شعلہ بار نگاہیں ارحام پر  
گاڑھیں جو اس کے قریب کھڑا اسے مسکراتی نگاہوں  
سے دیکھ رہا تھا۔

ویسے مجھے آپ کے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں  
ہے۔ بلکہ میں چاہوں گا آپ اپنی میم کو گائیڈ کریں  
کیونکہ میڈیکل کی سٹوڈنٹ کو کہاں ان پیچیدہ اکاؤنٹس  
اور ڈیفیکٹس کا پتہ۔۔۔ ارحام نے جھک کر ٹیبل سے پن  
اٹھاتے اس کے نیشیب فراز کی گہرائیوں پر چلایا تھا۔

ارحام کی حرکت پر حور کی رنگت تانے کی مانند سرخ  
ہوئی تھی۔۔ کان کی لوؤں سے لے کر وہ گردن تک  
سرخ پڑی تھی۔ ارحام کی بے باک حرکت پر اس کی  
نظریں نہ چاہتے ہوئے جھک گئی تھیں۔ پلکوں کی جھال  
عارض پر سجدہ ریز ہوئیں۔

سائیں سینے میں اٹکی تھیں جیسے۔۔۔ وہ سیکرٹری کے  
سامنے ایسی حرکت کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی  
تھی۔ وہ کبھی بھی کسی کے سامنے ایسی حرکت نہیں کر  
سکتا تھا وہ کسی کے سامنے اسے ایسے چھوتا نہیں تھا۔  
اس نے سات مہینے بعد اسے اتنی بے باکی سے چھوا تھا۔

حور کا دل پہلو میں دھڑکا تھا۔ عارض تپتا کندن  
بنے تھے۔

اب وہ بہت گہری نگاہوں سے بہت بے باکی سے اس  
کے نشیب و فراز پر نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔ وہ اس  
کی نظروں کی تپش اپنے نشیب و فراز پر محسوس کر رہی



تھی۔ اس کی جھلساتی سالیں تک اس کے نشیپ و  
فراز کو دہکار ہی تھیں۔

ارحام نے لب دانتوں تلے دبائے حور کی جھکی نگاہوں  
اور گہری ہوتی سانسوں کو دیکھا تھا۔۔۔

سیکرٹری فق رنگت سے ارحام اور حور کو دیکھ رہی  
تھی۔ ارحام کی حرکت پر حور سے زیادہ اس کی رنگت  
سرخ قندھاری ہوئی تھی۔ ارحام کیسے اس طرح کسی  
غیر عورت سے بے باک حرکت کر سکتا تھا؟؟ اور  
سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی حور سلطان شاہ کیسے اپنے  
سامنے کھڑے مرد کی شر مسار حرکت برداشت کر

سکتی تھی۔ ابھی بھی ایک غیر مرد بڑے حق سے اس  
کی میم حور سلطان شاہ پر اپنی بے باک نظریں گاڑھے  
ہوئے تھا۔ سیکرٹری تو غش کھانے کو تھی جیسے۔  
اس نے جلدی سے دیوار کا سہارا لیا ورنہ وہ گر جاتی۔

کیا ہوا یہ نظریں کیوں جھک گئی ہیں؟؟۔ ابھی تو میں  
نے کچھ کیا بھی نہیں۔ جب میرے گرم ہاتھ تمھاری  
دھڑکنوں کو سختی سے چھوتے تھے تو تب تم مرنے والی  
ہو جاتی تھی۔ میرے سلگتے لبوں اور دانتوں کی شدت  
برداشت کرتے تڑپنے لگتی تھی تم۔ کیا چاہتی ہو

ممھاری سیکرٹری کے سامنے ہی وہ سب کچھ کروں  
جس کی وجہ سے تم میرے پاس واپس آنا نہیں  
چاہتی؟؟۔۔ ارحام نے اس کی ٹھوڑی نرمی سے  
پکڑے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے دیوانوں کی طرح اس  
کے خوبصورت نقوش کو دیکھا۔

حور نے اس کی بے باک باتوں پر اپنا غصہ دباتے اسے  
گھورا۔

بے فکر رہو ایسا ویسا کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے صبر آگیا  
ہے۔ ایک دیوانے پاگل شوہر کو سمجھو کچھ دنوں سے  
راحت مل چکی ہے۔ تمہاری اتنی تیاری برباد گئی۔

ارحام نے جھکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے  
افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

میں آپ کے پاس کیوں واپس نہیں آنا نہیں چاہتی  
آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ حور نے شعلہ بارنگاہوں  
سے دیکھتے پیپرویت کو اپنی مٹھی میں دبو چاہتا تھا۔



ارحام کی نظریں اس کے مٹھی میں دبوچے پیرویت  
سے ہوتے حور کی سرخی چھلکاتی آنکھوں پر جا ٹھہریں  
تھیں۔

تم مجھے براشت نہیں کر سکتی اس لیے تم میرے پاس  
واپس نہیں آنا چاہتی۔۔۔ ارحام نے لب دانتوں تلے  
دبائے اسے مزید سلگایا تھا۔

اور میں بھی آپ کے پاس واپس نہیں آؤں گی۔ یہ  
بات ہمیشہ یاد رکھیے گا۔ حور دے انداز میں غرائی تھی۔  
بلکل میم میں آپ کے اس فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔  
مجھے ایسی کوئی چاہ بھی نہیں۔۔۔ مجھ میں صبر آ گیا ہے۔  
عورت کے بغیر رہنا میں نے سیکھ لیا ہے۔ مگر پریدے  
اپنی ماما کو بہت یاد کرتی ہے۔ اس کے لیے کچھ تو کرنا

پڑے گا۔ ارحام نے اس کی سرخی چھلکائی آنکھوں میں  
دیکھتے لب دانتوں تلے دباتے کہا۔  
اس بات پر اس کے پیپر ویٹ پر ہاتھ مضبوط ہوئے  
تھے۔

ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے بمشکل ہی اپنی  
مسکراہٹ پر قابو پائے ہوئے تھا۔ جہاں آگ کے

شرارے پھوٹی تھے۔

وہ آخر اتنا کیوں سلگ رہی تھی؟؟۔ وہ سمجھتے ہوئے  
بھی جیسے نہ سمجھتا تھا۔ وہ اسے لے کر اتنی بھی پوزیسو  
نہیں ہو سکتی تھی کہ اس کی بات میں چھپا معنی نہ سمجھتی  
۔۔ پریدے کی مमाوہ خود تھی مگر اس کی گہری ہوتی

سانسوں اور آنکھوں میں بڑھتے شعلوں سے اندازہ ہو  
رہا تھا وہ گل کو پر یزے کی ماما سمجھ رہی ہے۔  
سیکرٹری ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی تھی۔  
دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے  
ہوئے تھے۔ ارحام کے لب حور کے گلابی لبوں سے  
نکلا رہا ہے۔

ارحام سرعت سے حور کے کٹاؤ دار گلابی لبوں کو دیکھتے  
پیچھے ہوئے تھا۔ حلق میں کانٹے سے چبھے تھے۔ اس  
کے بدن کی کستوری خوشبو کو ارحام نے گہرا سانس  
لے کر اپنے اندر اتارا تھا۔ اس کے لیے یہی بہت تھا  
اس کی بیوی کے بدن کی خوشبو اس کی سانسوں میں  
گھلی تھی اور سات ماہ بعد خدا نے ان کو بصورت

نقوش کو دیکھنا ایک بار پھر اس کا مقدر ٹھہرا دیا تھا۔۔  
ان سات مہینوں میں اگر اس نے ان نقوش کو نہیں  
دیکھا تھا تو کسی اور مرد نے بھی نہیں دیکھا تھا۔۔ اس  
کی بیوی کی ہر چیز صرف اس کی تھی۔۔ ارحام نے  
نامحسوس انداز میں اس کی کمر پر بکھرے بالوں کو چھوا۔  
ان بالوں کو چھوے بغیر وہ کیسے رہ سکتا تھا بھلا؟؟۔ اس



کی انگلیوں نے نا محسوس انداز میں اس کے سلی بالوں  
کی نرم ہٹوں کو چھوا تو ارحام کو رگ و جاں میں سکون سا  
اترنا محسوس ہوا۔

کیا نام ہے مس آپ کا؟؟۔۔ ارحام نے سیدھے ہوتے  
سکیر ٹری سے پوچھا۔

عائش۔۔۔۔۔ عائشہ۔۔۔ وہ اٹکتے ہوئے بمشکل بولی  
تھی۔

مس عائشہ۔۔۔۔۔ آپ جاسکتی ہیں۔ مجھے اپنی  
خوبصورت بیوی کے ساتھ کچھ رومانٹک وقت گزارانا  
ہے۔ ارحام کی بات پر اس کی آنکھیں باہر کو ابلی  
تھیں۔

کیا ہوا آپ حیران کیوں ہو رہی ہیں؟؟

. She is my wife

آپ کو ان کی یہ تیاری دیکھ کر آندازہ نہیں ہوا ایک  
بیوی ہی اپنے شوہر کے لیے ایسا تیار ہو سکتی ہیں۔ ارحام  
نے حور پر گہری نگاہ ڈالتے کہا جواب بے رخی سے  
نگاہیں پھیر گئی تھی۔

اور مجھے دیکھ کر تو آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔ ایک  
شوہر ہی اپنی بیوی کو ایسے دیوانوں کی طرح دیکھ سکتا  
ہے۔ اور میں دیوانہ پاگل شوہر ہوں جو اپنی بیوی سے  
دیوانوں کی طرح محبت کرتا ہے۔ ویسے میری  
خوبصورت لٹل وائف میری س کمزوری سے بخوبی  
واقف ہیں۔ بہت بار اپنی دیوانگی ان کے لیے جتا چکا

ہوں۔ انھیں مجھے تڑپانا بھی خوب آتا ہے۔۔ ارحام نے  
حور پر گہری نگاہ ڈالتے بھاری آواز میں کہا۔ حور نے  
ایک پار پھر سے اسے شلہ بارنگا ہوں سے دیکھا تھا۔  
سیکرٹری ابھی بھی ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی  
تھیو۔

اب آپ جاسکتی ہیں مس عائشہ۔۔۔ ہوپ ہمیں  
کوئی بھی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔ ارحام نے اب کی بار  
سنجیدگی سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتے وہاں سے چلی  
گئی تھی۔

ارحام نے گہری اور بے باک نظر حور پر ڈالی جو اسے  
سردنگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔

وہ اس کی ادائیں اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں کو  
دیکھتے سرد سانس کھینچ گیا تھا۔ اس کے دیکھنے کے انداز  
سے ہی وہ بری طرح گھائل ہو رہا تھا۔ یہ کر سٹل  
براؤن آنکھیں جو کبھی اس کے ڈر سے جھکتی تھیں۔  
آج بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے



ہوے تھیں۔ ارحام جھک کر پھر اس کے قریب ہوا  
تھا۔

اُنی ایم سوری میم آپ کی سیکرٹری پر نہ چاہتے ہوئے  
بھی مجھے ہمارا رشتہ واضح کرنا پڑا۔ میں نہیں چاہتا تھا  
وہ آپ کے کردار کے متعلق کوئی بھی بری بات  
سوچے۔ آپ کو اس قسم کی بیہودہ ڈریسنگ میں دیکھتے

یقیناً وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہو گی۔۔۔ ارحام  
نے جھکتے ہوئے گہری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں  
دیکھا تھا۔

zubinovelz05.com

یہ میری لائف ہے۔ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کوئی  
کچھ بھی سوچے میں سلطان شاہ کی بیٹی حور سلطان شاہ  
ہوں۔۔۔ مجھے کسی کی چھوٹی ذہنیت اور سک مینٹلی  
سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

??Who cares

حور نے ارحام کی آنکھوں میں استہزائیہ انداز میں  
دیکھتے مسکراتے ہوئے لب سکوڑتے ارحام کو آگ  
لگائی تھی۔ جو تب سے اپنی باتوں سے اس کا دل جلا رہا  
تھا۔

حور کی بات پر ارحام کے لبوں پر پھیلی مسکراہٹ سمٹی  
تھی۔

اس کا خود کو حور سلطان شاہ کہنا ٹھاہ کر کے دل پر لگا  
تھا۔ وہ حور سلطان شاہ کہلوانا خود کو پسند کرتی تھی۔  
مگر اسے اس کے نام کے ساتھ بھی کسی کا نام گوارا نہ تھا  
اور یہ بات مقابل کے لبوں سے سن کر زیادہ تکلیف  
دیتی تھی۔

تمہیں فرق نہ پڑتا ہو مگر مجھے بہت فرق پڑتا ہے۔ کوئی  
تمہارے متعلق کچھ بھی غلط کہے۔ یقین مانو میری  
سانسیں رک سکتی ہیں۔ حور خانزادہ کی عزت مجھے اپنی  
جان سے زیادہ پیاری ہے۔۔۔ ارحام نے اس کی آنکھوں  
میں دیکھتے حور خانزادہ پر زور دیا تھا۔ حور اس کی بات  
پر نظریں چراگئی تھی۔

شروع کرتے ہیں میمنٹنگ۔۔۔ جس کے لیے آج  
کی یہ میمنٹنگ ڈن ہوئی ہے۔ ارحام کہتے ہوئے اس  
سے سے دور ہوتے اس کے سامنے والی چھیر پر بیٹھا۔  
آئی ایم سوری دو دن پہلے مجھے میمنٹنگ کینسل کرنی پڑی  
آپ کو برا تو بہت لگا ہوگا۔ مگر مجھے آچانک سے یاد آیا  
تھا کہ میری سیلون میں اپوائنٹمنٹ ہے۔ مجھے اپنے



بالوں کی کٹنگ کروانی تھی۔ آپ تو جانتے ہیں میرے  
بال کمر سے نیچے آتے تھے۔ میں نے ان کی لینتھ کم  
کروائی ہے۔ اور میری فرینڈز کہہ رہی تھیں مجھے پر یہ  
کٹنگ بہت سوٹ کر رہی ہے۔ حور نے اپنے سارے  
بال کمر سے اپنے ایک شانے پر کرتے لب پھیلائے کہا  
تھا۔

ہاں مجھے برا تو بہت لگا تھا کیونکہ میرے نزدیک  
سنسیرٹی بہت معنی رکھتی ہے۔ چاہے پروفیشنلزم میں  
ہو یا پھر رشتے میں ہو۔ میں ایک سنسیر بندہ ہوں۔  
اس لیے اس دن مجھے بہت برا لگا تھا جب آپ کی  
طرف سے میٹنگ کینسل ہوئی۔ مگر اس اوکے میں

اسی رات سوات چلا گیا تھا۔ ارحام نے حور کے بالوں کو  
دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

وہ نہ بھی بتاتی اسے پتہ چل گیا تھا اس نے اپنے بال  
چھوٹے کروائے ہیں۔ اور اس اس بات نے بہت  
تکلیف بھی پہنچائی تھی۔ وہ ابھی بھی اپنی سر دنگا ہیں

اس کے بالوں پر گاڑھے ہوئے تھا جن میں اس کی  
جان بستی تھی۔

آج کل آپ کے سوات کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے۔  
حور نے اپنے سامنے پڑی فائل کو دیکھتے بظاہر ادائے  
بے نیازی سے پوچھا۔ مگر اس کے سوات کے جانے کا  
سن کر اس کے اندر آگ سی بھڑکی تھی۔

سوات میرے لیے میری جنت ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں  
پہاڑ دریا۔۔ جو بات سوات میں ہے وہ یہاں شہر میں  
کہاں۔۔ سمجھیں سوات میں میری جان بستی ہے۔۔  
ارحام۔۔ نے اس کے بالوں کو اپنی سرد نظروں کے  
حصار میں رکھتے کہا اس نے اچھی خاصی لینتھ چھوٹی  
کروائی تھی۔

وہ سلگتا کوئلہ ہو رہا ہے۔ اس نے اپنی بیوقوف کم عمر

بیوی کو سلگاتے بدلہ لیا تھا

یعنی کہ گل۔۔۔ حور نے زیر لب لفظ ادا کرتے

دانت پیستے فائل ٹیبل پر غصے سے پٹنی تھی۔

حور کے لبوں کی جنبش کو بغور دیکھتے ارحام نے محظوظ ہوتے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔ اسے جلتے دیکھتے رگ

وہ میں سکون کی لہری دوڑی تھی۔

میٹنگ شروع کریں میم۔۔۔ ارحام نے کہتے چمیر سے  
ٹیک لگائی۔۔۔ وہ بمشکل ہی خود پر کنٹرول کیے بیٹھا تھا۔  
وہ شعلہ جوالہ بنی بیٹھی تھی اس کے سامنے۔۔۔ سات ماہ  
بعد اس کے خوبصورت چہرے اور اس کے  
خوبصورت بدن کو دیکھا تھا۔ وہ ایک کمرے میں اس



کے ساتھ ہوا سے اس کی طلب نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا۔  
اس کا انگ انگ اسے اپنی بانہوں میں لینے کو تڑپ رہا  
تھا۔ وہ بہت مشکل سے اپنی بے چینوں پر قابو پائے  
ہوئے تھا۔ اپنی آنکھوں کی سرخ پن پر بھی وہ قابو  
پائے ہوئے تھا۔

ارحام نے اپنی تمام تر توجہ اپنے سامنے پڑی فائل پر  
مرکوز کی۔ وہ حور کو اب مکمل اگنور کر گیا تھا۔  
حور نے ارحام پر اپنی سرد سلگتی نگاہ ڈالی جو اس کے  
سامنے بے نیازی سے بیٹھا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟ وہ  
اسے یوں کمرے میں تنہا پائے اور اپنی دیوانگی اپنی

شدتیں اس پر نچھاور نہ کرے۔۔ اسے دیکھتے ہی تو اس  
کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔

حور نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔۔ مقابل کی  
ادائے بے نیازی اسے آگ لگا چکی تھی۔ ارحام کی بے  
اعتنائی اسے بری طرح چبھی تھی۔۔

!! مجھ میں صبر آگیا ہے۔ عورت کے بغیر رہنا میں نے  
سیکھ لیا ہے۔ مگر پریذے اپنی ماما کو بہت یاد کرتی ہے۔  
اس کے لیے کچھ تو کرنا پڑے گا!!

حور نے اس پر نظریں گاڑھے اس کے لفظ یاد کیے  
تھے۔ سانسیں سینے میں اٹکی تھیں۔ وہ گل کو پریذے  
کے لیے اپنی زندگی میں واپس لانا چاہتا تھا۔ پریذے

کی ماما تو وہ تھی۔ پھر وہ کیسے اس کی جگہ کسی اور کو دینے کا  
سوچ سکتا تھا۔

حور نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے ارحام کو ایکھا  
جو اپنے سامنے رکھی فائل میں بری طرح محو تھا اسے  
ارد گرد کی ہوش ہی نہ تھا۔ جیسے اس فائل سے زیادہ  
ضروری اس کے لیے کچھ نہ ہو۔

مسٹر خان مجھے اس کنڈیشن پر اعتراض ہے جو آپ کی کمپنی کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ حور اپنی چھیڑ سے اٹھتے ارحام کے قریب آئی تھی۔۔ ارحام کے بہت قریب کھڑے ہو کر اس نے جھکتے ہوئے اس کے سامنے پڑے فائل پر انگلی رکھی۔ ارحام خانزادہ کو جیسے کچھ پلوں کے لیے نظر آنا بند ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بے

حد قریب جھکتے کھڑی تھی۔ حور کا کندھا ارحام کے  
کندھے سے مس ہو رہا تھا۔ وہ کرنٹ کھا کر کرسی سے  
کھڑا ہوا۔ وہ مزید خود پر کنٹرول نہیں کر سکتا تھا۔ اپنی  
بیوی کو اتنے قریب پا کر اس کا خود پر ضبط کرنا اب  
ناممکن ہوا تھا۔ کیا ہوا مسٹر خان؟؟۔۔ حور  
نے ارحام کے چہرے کو دیکھتے لب پھیلائے کہا۔



جہاں شدید قسم کی بوکھلاہٹ تھی۔۔ حور ارحام کے  
مزید قریب ہوئی تھی۔ ارحام کی آنکھیں یکدم سرخ  
ہوئی تھیں۔ اس کے بدن سے اٹھتی خوشبو نے اس  
کے بھاری ہوتے اعصاب جیسے مزید بھاری ہوئے  
تھے۔۔

کیا ہوا مسٹر خان؟؟ آپ کی آنکھیں آچانک سرخ  
کیوں ہو رہی ہیں۔؟؟ حور نے ارحام کی آنکھوں کی  
بدلتی رنگت کو بغور دیکھتے ہوئے محظوظ ہوتے پوچھا

--

کچھ نہیں مجھے لگتا ہے میری آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔  
ارحام نے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلتے نظریں

--

جھکائیں نہیں۔

دکھائیں مسٹر خان۔۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے اس  
کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔۔۔ ارحام مزید  
بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔ وہ اپنی ہیل اس کے شوز پر  
رکھے اس کی شرٹ جکڑے اس کے اتنے قریب تھی  
کہ اس کے گلابی لب ارحام کے لبوں سے ٹکرا رہے

تھے۔ اور اس کے نشیب و فراز اس کے پہاڑی چٹانی  
سینے سے ٹکرا رہے تھے۔ ارحام کی آنکھوں میں وہ  
نشہ بن کر اتری تھی۔

ارحام کی آنکھوں کی بدلتی رنگت دیکھتے حور کی  
سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ وہ اس کی شرٹ مزید

مضبوطی سے جکڑ گئی تھی۔۔ ارحام کے شوز پر اس کے  
دونوں پاؤں کی ہیل کا دباؤ بڑھاتا تھا۔  
مقابل کی کبھی دیوانگی رہی تھی ان لبوں پر وہ رات  
رات بھر حکومت کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ اس شدت  
سے پشتا تھا اس کی سانسیں اکھیر دیتا تھا پھر بھی وہ رحم  
نہیں کھاتا تھا۔ سات ماہ اس انسان کی دیوانگی اور تڑپ

کو اور طریقے سے دیکھا تھا۔ کوئی بھی مرد وہ ایک شوہر  
ہو وہ اپنی بیوی کو ایسے پروٹیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ جس  
طرح وہ دن رات اس کا سایہ بنا رہتا تھا۔ اسے تو مقابل  
کی محرم بنتے ہی اس کی دیوانگی سے محبت ہوئی تھی۔  
مگر حور سلطان شاہ کے لیے اس محبت کی کوئی وقعت نہ  
تھی۔ جو اپنے محرم کے لیے تھی۔ وہ اپنی سیلف

ریسپیکٹ کے لیے مقابل کو چھوڑ بھی سکتی تھی۔ جب  
اس نے اس کے سامنے دوسری عورت کے لیے لفظ  
بولے تھے۔ وہ اس کی محبت اس کی ہر معافی اس کے  
منہ پر مار آئی تھی۔

مگر ان سات ماہ میں مقابل نے اپنے ہر عمل سے خود  
سے پیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسے مقابل کے



عشق سے عشق ہو گیا تھا۔ مقابل کی آنکھوں کی سرخی  
سے محبت ہو گئی تھی۔

اسے کسی دوسری عورت کے قریب نہیں دیکھ سکتی  
تھی۔ مقابل کی بے اعتنائی تو وہ برداشت کر ہی نہیں  
سکتی تھی۔ یہ اسے ان دو ہفتوں میں بخوبی اندازہ ہو گیا  
تھا۔

وہ چاہتی تھی وہ آج اس پر اپنا حق جتائے اور وہ اس کے  
حق جتانے پر اس کا گریبان جکڑتے ان دو ہفتوں کے  
پل پل کا حساب چینختے ہوئے مانگے۔ اس کے پاس واپس  
تو نہیں جانا تھا مگر اس نے اپنے دو ہفتے کہاں اور کیسے  
گزارے اسے جاننا ہی تھا۔ اسے اس کا حساب چاہیے  
ہی تھا۔

ارحام نے اپنے شوز پر اس کی ہیل کا دباؤ محسوس کرتے  
اس کی کمر کو **منظبوطی** سے جکڑا۔ جس طرح وہ اپنی  
دونوں ہیل اس کے شوز پر جمائے اس کے قریب  
ہوئی تھی۔ وہ پیچھے کو گر سکتی تھی۔ اب دونوں ایک  
دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ ہوا کا گزر بھی  
ناممکن تھا۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اسے خود کے بے

حد قریب کر گیا تھا۔۔۔ ارحام کو اس کی لگتی ضرورت  
محسوس ہو رہی ہے اس کے بے حد قریب ہوتے اسے  
اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔۔۔ کوئی دوری رہی نہ  
تھی۔ وہ اس کی ضرورت بن کر اس وقت اس کی  
رگوں میں دوڑتے اسے پاگل کر رہی ہے۔۔۔ وہ اس  
کے ساتھ لپٹنے پر اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

حور کی نگاہیں اس کی خون چھلکاتی آنکھوں پر تھیں۔  
ارحام نے اس کی کمر پر دباؤ ڈالتے س کے سلکی بالوں کو  
مٹھی میں جکڑا۔ حور اب کی بار اس کی کمر میں ہاتھ  
ڈالے اس کے چوڑی پشت پر اپنے ہاتھ جما گئی تھی۔  
ارحام کی تیز ہوتی دھڑکنیں حور کی دھڑکنوں میں  
دھڑک رہی

نہیں۔ ارحام کی گرم سالیں حور کی سانسوں میں  
گھل رہی تھیں۔ حور اب ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے  
مبہم سا مسکرائی تھی۔ اس کا ڈمپل شو ہوا تھا۔ ارحام کا  
پورا وجود پسینے سے تر ہوا تھا۔ ارحام کی گردن سے ٹپکتا  
پسینہ دیکھ کر حور کی جان اب لبوں پر سجی تھی۔ وہ اتنی  
سردی میں تندور کی مانند دہک رہا تھا۔ ارحام کے گرم

ہاتھ اس کی کمر کو جیسے جھلسا گئے تھے۔ ارحام کے بدن  
سے نکلتی ہیٹ حور کے بدن میں جیسے سونیاں چھو گئی  
تھی۔

ارحام نے ایک جھٹکے سے حور کی گردن کو جھٹکا دیا تھا۔  
حور کے لبوں سے سسکی سی بلند ہوئی تھی۔



یکدم وہ اپنے دہکتے لب اس کے لبوں پر رکھ گیا تھا۔ وہ اتنی شدت سے اس کے لبوں سے لپٹا تھا کہ حور پیچھے کو لڑکھرائی تھی۔ حور نے ارحام کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ ایک پل میں وہ اپنی شدت سے اس کی سانسیں اکھیر چکا تھا۔ حور اس کی شدت پر گھل کر فنا ہوئی تھی۔ اسے لگا جیسے کوئی اس

کے لبوں پر دکھتا انگارہ رکھ گیا ہو۔ وہ ارحام کے حصار  
میں بن آبِ مچھلی کی طرح پھڑپھڑائی تھی۔ حور نے  
تڑپتے ہوئے اس سے دور ہونا چاہا۔ ارحام اسے کمر  
سے جکڑے ٹیبل پر لٹا گیا تھا۔ اس کے اوپر جھکتے وہ  
اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں میں اپنے لبوں کو  
اور بھی شدت سے پیوست کر گیا تھا۔ حور اب اس کی

گرفت میں ہل بھی نہیں پار ہی تھی۔ وہ اپنا پہاڑ جیسا  
وجود اس پر منتقل کیے ہوئے تھا۔ ارحام کی جنونیت  
اپنے ہونٹوں پر بری طرح محسوس کرتے وہ تڑپ اٹھی  
تھی۔ اس کی جھلساتی سانسیں اس کی سانسوں تک کو  
جھلسا چکی تھی۔ وہ اس کے حصار میں وہ بری طرح لرز  
اٹھی تھی۔ ٹانگیں بری طرح پینک ہوئی تھیں۔

وہ اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں لاک کر  
گیا تھا۔۔۔ ارحام سات ماہ کی اپنی ہر تنگی ہر پیاس اس  
کی گلابی لبوں سے مٹا رہا تھا۔ کس کا دورانیہ بڑھتا جا رہا  
تھا۔ حور کی سانسیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ وہ اسے  
چھوڑنے کو تیار ہی نہ تھا۔ یکدم اس نے اس کی بالکل  
مدھم پڑتی سانسیں محسوس کرتے اس کے لبوں کو

آزادی دی۔ حور نے اپنی بے ترتیب سانسوں کو  
درست کرتے اس کی آنکھوں میں نم زدہ آنکھوں  
سے دیکھا۔ اپنے لیے جنون سا اس کی آنکھوں میں دیکھ  
کر اسے اپنی سانسیں سینے میں دبتے محسوس ہوئی  
تھیں۔ لبوں پر شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔

ارحام حور نے کانپتے لبوں سے بمشکل اسے پکارتے اس  
کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑیں۔ وہ اس کی کلاسیاں چھوڑ  
چکا تھا۔

حور نے گھبراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ ارحام کا ہاتھ  
بہت بے باکی سے اس کی دھڑکنوں کو سختی سے چھو رہا  
تھا۔

ارحام اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی شرٹ کی سائیڈ  
زپ کھولتے اس کی شرٹ کندھوں سے نیچے کھسکا گیا  
تھا۔ وہ اس کی گردن پر جھکتے جگہ جگہ دانت گاڑھنے  
لگا۔ حور کی بے ترتیب سانسیں مزید بے ترتیب ہوئی  
تھیں۔ وہ پل امیں اس کی گردن جامنی کر چکا تھا۔



ارحام۔۔۔۔۔ وہ تیز ہوتی سانسوں سے اسے مسلسل  
آہستگی سے پکار رہی تھی۔

اب وہ اس کے کندھے اور اس کے دودھیا بازو پر اپنی  
شدتوں کی سوغاتیں چھوڑ رہا تھا۔

حور میں اتنی سکت نہیں تھی وہ اسے۔ ضرورتی۔ وہ اپنی  
شدتوں سے اس کی سانسیں دھونکنی کی مانند پھلا چکا۔

تھا۔۔

سانسوں کی بڑھتی روانگی سے وہ ارحام کا نام بھی نہیں  
لے پار ہی تھی۔۔ ارحام کا گرم ہاتھ اس کی بیلی بٹن  
کے پاس گھومتا سے آگ کی بھٹی کی طرح گرم کر چکا  
تھا۔ ارحام کے بدن سے نکلتے سپارکس سے وہ خود کو  
جھلستا محسوس کر رہی تھی۔۔ ارحام کے لب اب اس

کی دھڑکنوں پر تھے اور ہاتھ ہر طرح سے اس پر ملل  
حق جتاتے اس کی گہرائیوں میں اتر رہے تھے۔

ارحام۔۔۔۔۔ حور نے گہری ہوتی سانسوں سے اسے  
پکارا۔ وہ مزید اس کے ہاتھوں کی بے باکیاں برداشت  
نہیں کر سکتی تھی۔ ارحام کی سانسیں خود دھونکنی کی

مانند چل رہی تھیں۔ حور اس کی شرٹ سختی سے مٹھی  
میں جکڑ گئی۔ اس کی ذرا سی شدتوں سے وہ بے حال ہو  
چکی تھی۔ آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر برسے تھے۔ یہ  
طے تھا وہ اس ستمگر کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس  
سے پہلے ارحام اس کے اور اپنے کرد تمام پردے ہٹاتا

اس میں پوری طرح سماتا۔ مقابل کے لفظ سماعتوں  
میں اسے سنائی دیے۔

!! مجھے آپ کی محبت حوس لگتی ہے۔ آپ جسم کی  
محبت کو روح کی محبت سے مشروط کر رہے ہیں !!  
وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوا تھا۔ وہ آج پھر یہ لفظ  
کہہ دیتی وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے دیکھ کر

ایک یہی جذبہ اس کے اندر پنپتا تھا۔ مگر وہ یہ جھتی  
نہیں تھی کہ صرف اسے ہی تو دیکھ کر یہی جذبہ پنپتا  
تھا۔ جسم کی بھوک اسے سوچ کر اسے دیکھ کر ہی تو  
جاگتی تھی۔

انی ایم سوری۔ میں بہک گیا تھا۔ ارحام نے حور کی  
گلابی نشیلی آنکھوں میں دیکھتے اس کی شرٹ کی سائیڈ

زپ بند کی۔ وہ اس کے اوپر سے جلدی سے اٹھا۔

??What do you mean

آپ بہک کئے تھے۔

حور نے ٹیبل سے اٹھتے ارحام کی طرف دیکھتے گہرے  
سانس لیتے چٹختے ہوئے پوچھا۔ وہ اس کی حالت دیکھتے  
نظریں چرا گیا تھا۔ اس کی گردن کندھے اس کے بازو



اس کی دھڑکنوں پر ہر جگہ اس کی شدتوں کے نشان  
تھے۔ یہاں تک کہ اس کے ڈمپل والی جگہ پر اس کے  
دانتوں کا نشان تھا۔ اس کے لبوں پر اس کی دیوانگی کی  
جنون خیزی ہلکی سی خون کی بوند کی صورت میں رقم  
تھی۔

اس کے لباس کی حالت بہت بری تھی۔ اس کے بدن  
پر موجود ہوتے ہوئے بھی جیسے نہیں تھا۔ اس کی گلابی  
آنکھیں نشیلی تھیں۔۔۔

ارحام نے اپنے جبرے بھینچتے اپنے بالوں میں انگلیاں  
چلائیں۔۔ وہ جیسے مرنے کے مترادف ہوا تھا۔ اتنے  
پاس آکر وہ کیسے اس سے دور ہو سکتا تھا۔ وہ یہاں اس

کے سامنے مزید رکتا تو وہ پاگل ہو جاتا۔ حور گہرے  
سانس لیتے اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی

—

وہ بہک گیا تھا یہ لفظ اسے دہکا چکے تھے۔  
ارحام جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا۔  
?? What do you mean

آپ بہک گئے تھے۔ آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے  
چھونے کی۔۔۔ حورِ حلق کے بل چیمنی تھی۔۔  
ارحام اس کی چیخ سنتے ایک پل کے ٹھہرا تھا۔ دوسرے  
پل وہ واش روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

---y nons---udd--You blo  
ense

حور نے ٹیبل پر پڑا کر سٹل شو بیس اٹھا کر واش روم  
کے دروازے پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔  
سمجھتے کیا ہیں آپ خود کو؟؟ کیسے مجھے چھو سکتے ہیں  
آپ؟؟ آپ کو صرف میرے جسم سے محبت ہے۔  
آپ جیسا انسان کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ حور

نیمبل پر پڑی چیزیں اٹھاتے دیوار پر زمین پر مارتے  
ہوے بری طرح چلا رہی تھی۔

وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔۔ وہ بہک گیا تھا یہ لفظ اسے  
کوڑے کی مانند لگے تھے۔۔۔ وہ کیوں پاگل ہو رہی  
تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس کی شدتوں سے ڈر  
رہی تھی مگر وہ اس سے ایسے دور ہوا تھا اس سے

برداشت نہیں ہوا تھا۔ نہیں برداشت ہو رہا تھا وہ اس  
کے اتنے قریب آکر کیسے خود پر قابو پاسکتا ہے۔ وہ اپنی  
طلب کیسے ادھوری چھوڑ سکتا ہے۔ وہ اس کی شدتوں  
میں اس کا ساتھ آخر کیوں دے رہی تھی۔

اگر وہ بہک گیا تھا تو وہ پھر اس کے ساتھ آخر کیا کر رہی  
تھی۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چلائی تھی۔



وہ اب پاگلوں کی طرح ٹیبل سے چیزیں اٹھا اٹھا کر واش  
روم کے بند دروازے پر مار رہی تھی۔

zubinovelzone.com

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

رمز عشق

تحریر نور آصف

part1 قسط 112

ارحام نے واش روم کے اندر داخل ہوتے ہی  
جھنجھلاتے ہوئے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر دے مارا  
تھا۔ اب وینٹی کا ٹیب کھولے اس کے آگے کھڑا مرر  
میں دیکھتے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کی سانسیں  
ابھی بھی دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔ ارحام نے  
جبرے بھینچتے پوری قوت سے سلیب پر مکہ دے مارا  
تھا۔ اسے اب خود کی کمزوری پر غصہ آ رہا تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

وہ آخر خود پر کیوں قابو نہ رکھ سکا تھا؟۔ وہ اتنا بھی کمزور  
مرد نہیں تھا خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ وہ ایک ایکسپیرینسڈ  
شادی شدہ مرد رہ چکا تھا۔۔ اپنے جذلوں پر کیسے  
کنٹرول کرنا ہے اسے پتہ تھا۔ عورت کو اپنی کمزوری  
بنانے کے وہ سخت خلاف تھا۔ حور سے پہلے  
کوئی عورت اس کی کمزوری رہی بھی نہیں تھی۔ لیکن  
وہ اپنے ہر رشتے کو لے کر با وفا ضرور تھا۔ ہر رشتے کو  
اس کا مقام دیتا تھا۔

مگر حور کے لیے اس کی فیلنگز احساسات سب کچھ الگ  
تھا۔ بہت الگ تھا۔ عجیب سی دیوانگی تھی حور کو لے

کر۔۔ وہ اکثر خود سمجھ نہیں پاتا تھا۔۔ وہ آج تک یہ  
بھی سمجھ نہیں پایا تھا آج سے پانچ سال پہلے اسے  
محبت ہوئی بھی تھی یا نہیں۔۔۔

کیونکہ ان تڑپتے سلگتے جذبوں سے پہلے کہاں  
آگاہی ہوئی تھی۔ کسی کو رات بھر سگریٹ پیتے ہوئے  
سوچتے بری طرح تڑپنا۔ کوئی جنون بن کر آنکھوں میں آتر  
آئے۔۔ کسی کی عزت کی پرواہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر  
ہو۔۔ کسی کو وہاں ہوا بھی چھوے تو وہ یہاں پاگل ہو  
جائے۔ کہاں کسی کو چاہا تھا پہلے اس سے بڑھ  
کر؟؟۔۔۔۔ کہاں کوئی دوڑا تھا رگوں میں خون بڑھ

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

کر؟؟؟۔ وہ آخر کیوں نہیں بھول پاتا تھا اپنی بانہوں میں  
اس کم سن حسینہ کی فرمانبرداری۔ اس کا ٹوٹ کر روتے  
ہوے تڑپتے ہوئے اس کی ہی بانہوں میں سمانا۔  
ارحام نے گہرے سانس لیتے پانی کے چھینٹے اپنی  
آنکھوں پر مارے تھے۔ وہ گہرے سانس لیتا اپنے  
اندر بھڑکتے شعلوں پر مبنی شورش جذبات پر قابو پانے  
کی ناکام سعی کر رہا تھا۔ پورا بدن تپتے کندن کی مانند تپ  
رہا تھا۔ وہ اپنی خوبصورت بیوی کو پانے کے لیے مچل رہا  
تھا۔ اس کا دماغ اب جیسے آتش فشان مادے کی طرح  
پھٹ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ اسے نہ ملی تو وہ پاگل

ہو جائے گا۔ نظروں کے سامنے اس کا بہکتا روپ آ رہا تھا۔ وہ مزید پاگل ہو رہا تھا۔

اپنی دی سوغائیں اس کے بھڑکتے شعلہ جواں بدن پر اس کی نظروں کے سامنے لہرائی تو اسے اپنا سانس سینے میں گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ وہ یہی سوچ کر آیا تھا وہ اسے دیکھ کر صرف اپنی آنکھوں کو سکون پہنچائے گا۔ جو سات ماہ سے ہر روز اسے دیکھنے کو تڑپتی تھیں۔ جلتی تھیں۔ اسے اندازہ نہ تھا جو اس طرح کی ڈرینگ میں اس طرح خود اس کے قریب آئے گی۔ اسے لگا وہ دونوں مہذب طریقے سے ایک ٹیبل

کے گرد بیٹھ کر کچھ باتیں کریں گے۔ وہ جانتا تھا وہ جاننا چاہتی تھی وہ آج کل کہاں ہوتا ہے؟؟۔ وہ اسے صرف

اپنی باتوں سے بھرکانا چاہتا تھا تاکہ وہ جلن میں آکر اپنے اندر کی فیلنگز بیان کر دے۔۔۔ وہ اتنا تو جان گیا

تھا حور سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی تھی جسے اپنی خوبصورتی اور سٹیس پر گھمنڈ تھا۔ جتنی وہ خوبصورت تھی اس سے زیادہ غرور اس پر چھتا تھا۔ حویلی میں رہنے والی اور اس حور میں فرق تھا۔ حویلی میں رہنے والی حور ایک بے بس لاچار حور تھی۔ جو سلطان شاہ کے پاس واپس جانا نہیں چاہتی تھی جو اس کی ماں کا قاتل تھا۔ وہ آج



سے چھ ماہ پہلے اپنا غرور اپنا سٹیس اپنا کانفیڈنس اپنا  
سب کچھ کھو چکی تھی۔ اور اتنی کم عمری اور معصومیت  
میں اس نے اس کے ساتھ پہلی رات جو سلوک کیا  
تھا۔ اس کے معصوم دل میں اس کے خوف کی شدید  
قسم کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ تو توبلی میں گزرے  
پہلے دو تین ماہ میں اسے دیکھتے ہی خوف سے کانپنا  
شروع کر دیتی تھی۔ اسی خوف کے اثر میں وہ اس کی  
شدتیں لبوں پر کوئی بھی شکوہ لائے بغیر سہتی تھی۔  
ارحام گہرے سانس لیتے سلیب سے ٹیک لگائے اپنے  
بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

اپنے نکاح کی پہلی رات وہ بھی آج تک بھول نہیں پایا  
تھا۔ وہ اسے اپنی بانہوں میں بھر کر اپنے سینے سے  
لپٹائے اس ایک رات کا مداوہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ تھی کہ  
اب اس کے پاس واپس آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔  
مگر وہ اس کے بغیر اب نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے  
بغیر مزید رہتا تو وہ شاید اپنی جان سے جاتا۔ یہ اسے آج  
نکونی اندازہ ہوا تھا۔ وہ تو جیسے اب مر رہا تھا۔  
ارحام نے بے چینی اضطراب سے اپنی بلکی گھنی بیڑ پر  
ہاتھ پھیرا۔ وہ گہرے سانس لیتے اپنی محرم کے

لیے اپنے اندر اٹھتے پنپتے جذبوں پر قابو پانے لگا۔ اپنی بیوی سے اکیلے میڈنگ کرنا اسے مہنگا پڑ گیا تھا آج --  
ارحام نے جبرے بھیختے اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے  
اسے اتارتے ہوئے غصے سے واش روم کی چمچاتی ٹائلز  
پر دے ماری تھی ---

عشق کرنے کی اسے ایسی سزا ملے گی اسے معلوم نہ  
تھا۔ اس سے اچھا تھا اس کی بیوی اس کے سینے میں  
کوئی زہریلا چاقو اتار دیتی۔ خود سے دور رکھ کر وہ اسے ایسی

Dramatic novels by Noor Asif

Written by Noor Asif

سزا دے رہی تھی وہ تڑپ کر مرنے والا ہو جاتا تھا مگر  
مر نہیں پاتا تھا۔۔

ارحام اپنے پینٹ کی پاکٹ سے سگریٹ کیس اور لائٹر  
نکال کر سگریٹ جلانے لبوں میں دبا گیا تھا۔

باہر سے حور کی مسلسل چیخوں کی آوازیں آرہی تھیں

۔ واش روم کے بند دروازے پر وہ ہر تھوڑی دیر بعد

کچھ نہ کچھ بختا محسوس کر رہا تھا۔ اسے کیوں غصہ آ رہا تھا

وہ چاہ کر بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اگر وہ ہر حد سے گزر

جاتا تو وہ کیا آج اسے معاف کرتی۔۔ تب بھی تو یہی

کہتی کہ اس نے اپنی حوس پوری کی ہے۔ اب وہ اسے

ایسے چھوڑ آیا تھا تب بھی وہ یہی کہہ رہی تھی کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ ارحام نے سگریٹ کے گہرے کش لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اپنے جبرے بھینچے تھے۔ وہ تیس سال کا امپور مرد ہو کر اٹھارہ سال کی امپور لڑکی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے غصے سے واش روم کی خوبصورت ٹائلز لگی دیوار پر پوری قوت سے مکہ دے مارا تھا۔

کیسے سمجھتا وہ اسے وہ تھی ایک امپور اٹھارہ سال کی ٹین ایج گرل۔۔۔ مگر تھی تو ایک عورت جسے سمجھنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔۔

واش روم کے بند دروازے پر ایک بار پھر سے کچھ ٹکرایا  
تھا۔ اس نے باہر سے شاید پھر کوئی واز یا شوپیس دے  
مارا تھا۔ شدید قسم کی آواز سے مضبوط دروازہ لرزا تھا۔  
ارحام نے اپنی سرخ آنکھیں واش روم کے بند دروازے  
پر گاڑھیں۔

باہر اسے اس کے چلانے کی آواز آئی تھی۔۔

What do you mean

آپ ہمک گئے تھے۔۔ اندر کیا کر رہے ہیں؟؟ باہر آکر  
مجھے اس بات کا مطلب سمجھائیں۔ وہ دروازہ کھٹکھٹاتے  
ہوئے اب چیخنی تھی۔۔ ارحام نے غصے سے سگریٹ کا



گہرا کش لیتے سگریٹ فرش پر پھینکتے جوتے کے نیچے  
غصے سے مسلا تھا۔

اپنی بیلٹ اتارتے زمین پر پھینکتے وہ ہاتھ کیبن کی  
طرف بڑھا تھا۔۔۔ روف شاور آن کرتے وہ ٹھنڈے پانی  
کے نیچے کھڑے ہو کر اپنے بدن کے اندر دہکتی آگ  
ٹھنڈی کرنے لگا۔۔

کافی دیر تک گلاس وال سے سر ٹکائے شاور کے نیچے  
کھڑا خود کو پرسکون کرتا رہا۔ بدن تھوڑا پرسکون ہوا تو دماغ  
کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کے قابل ہوا تھا۔



اپنی بیوی کی نشیلی آنکھیں یاد آئی تھیں۔ اس کا اپنی شرٹ جکڑنا یاد آیا تھا۔ اس کے دور ہونے پر اس کا تڑپنا یاد آیا تھا۔ پہلی بار اس کی بیوی کی آنکھیں اس کی بانہوں میں نشیلی ہوئی تھیں۔

اس کے لبوں پر اب مبہم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس کی بیوی نے آج پہلی مرتبہ اسے محسوس کیا تھا۔ نکاح کی پہلی رات کا خوف اس کے اندر اتنی شدت سے سرائٹ کر گیا تھا۔ وہ اسی ڈر کی وجہ سے اس کی گرم نرم شدتوں کو کبھی محسوس ہی نہ کر پاتی تھی۔ اس کے قریب آنے سے پہلے ہی خوف سے اس کی آنکھوں

سے موتی ٹوٹنے لگتے تھے۔ مگر اب اس کی بیوی اس سے  
ڈرتی نہیں تھی۔ یعنی اسے اب یقین تھا وہ اسے کبھی  
تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔۔۔ آج وہ اسے محسوس کر رہی  
تھی۔ اس کی کم عمر بیوی کو بھی اپنے شوہر کی طلب  
تھی۔ وہ اس کی گرم نرم شدتوں میں ڈوب گئی تھی۔ اسی  
لیے اس کے دور جانے پر تڑپ اٹھی۔۔۔

اپنی کم عمری کے باعث وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی  
کہ اسے بھی آج ارحام خانزادہ یعنی اپنے شوہر کی  
ضرورت تھی۔

ارحام نے ٹیب گھماتے اب گرم پانی آن کیا۔۔۔ جو اسے پہلے سے زیادہ سکون دے گیا تھا۔ سینے میں اٹھتی کھولن کم ہوئی تھی۔ وہ پرسکون ہوتا اب باتھ کیبن سے سرٹکا گیا تھا۔ اپنی بیوی کی آنکھوں میں خود کی طلب دیکھ کر ارحام خانزادہ کے روگ و پے میں ٹھنڈک سی اتری تھی۔

اس کے لفظوں کی بازگشت اسے اپنی سماعتوں میں سناتی آج بھی بے چین کر دیتی تھی

آپ نے جو میرے ساتھ پہلی رات کیا۔۔ میں کبھی!!  
نہیں بھول سکتی۔۔ مجھے اس ریلیشن شپ سے نفرت  
ہے۔۔ مجھے آج تک آپ کی قربت میں سکون نہیں  
!! ملا۔۔ آپ نے کبھی میرے بارے میں نہیں سوچا  
تو رکے لیے جب سے اپنے اندر پہناں جڑوں سے وہ  
اگاہ ہوا تھا۔ اس کی شدتیں اس کا ہر انداز بدل گیا تھا وہ  
اسے لے کر جنونی تھا۔ مگر اس کی شدتوں میں اس کی  
دیوانگی کا ایک نیا انداز ہوتا تھا۔ اس کے لب سر  
کے بالوں سے لے کر اس کے پاؤں تک اسے نرمی  
سے چھوتے تھے۔ مگر تب وہ اسے محسوس کرنا ہی

نہیں چاہتی تھی۔۔ اس کی محبت پر یقین نہیں کرتی  
تھی۔۔۔ اسی لیے اس نے کبھی اسے محسوس نہیں  
کیا۔ مگر آج وہ اس کے دور جانے پر تڑپ گئی تھی یعنی  
وہ بھی اسے اپنی بانہوں میں چاہتی تھی

ارحام ایک بار پھر سے گہرا مسکرایا تھا۔

باتھ کیبن سے باہر آتے اس نے اپنی کمر کے گرد ٹاول  
لپیٹتے اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں چلاتے اپنے سر کو  
ہلکا سا جھٹکا دیا تھا۔

باہر سے آتی توڑ پھوڑ کی آوازوں پر وہ بے ساختہ ہنس دیا  
تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

بہت مزا دے رہی ہے تمھاری تڑپ میری  
جان۔۔۔ تمھاری اتنی سی تڑپ جیسے میرے سات ماہ  
کی پل پل کی تڑپ کا آزالہ کر چکی ہے۔ وہ مرر میں  
دیکھتے زیر لب بولتا ایک بار پھر سے ہنس پڑا تھا۔  
سات ماہ بعد وہ آج کھل کہ ہنس رہا تھا۔ بہت جلد تم  
میری بانہوں میں ہوگی میری حور میری زندگی۔ اپنی  
محبت سے تمھارے ساتھ ہوئے ہر سلوک کا مداوہ کروں  
گا۔ موقع دوگی تو دن رات تمھارے آگے تمھارا ارحام  
خان باتھ جوڑے سر جھکائے رہے گا۔ جو چاہو میرے  
ساتھ سلوک کرنا میری جان اف ف نہیں کروں گا۔ مگر



تمہیں جو بھی سلوک کرنا پڑے گا میری بانہوں میں رہ کر  
کرنا ہو گا۔ اپنی بانہوں سے تمہیں کہیں نہیں جانے دوں  
گا۔ میری حور میری جان۔۔۔ ارحام مرر میں دیکھتا گہرا  
مسکرایا تھا۔

میری جان بہت جلد تم میرے پاس میری تویلی  
میرے کمرے میں ہو گی۔ پھر تمہیں ایک پل کے لیے  
خود سے جدا نہیں کروں گا۔ اپنے ارحام کا وہ روپ دیکھو  
گی جو تم کبھی خواب میں بھی سوچ نہیں سکتی۔ ارحام  
کے لب گہرا مسکرا رہے تھے۔



وہ اچھی طرح جانتا تھا اپنی مغرور نازک کم عمر قاتلانہ

حصینہ کو کیسے اپنے پاس لانا ہے۔

تور سلطان شاہ بے انتہا مغرور تھی۔۔ وقت نے اسے

بے بس بنا دیا تھا۔ مگر وہ تھی ایک مغرور

عورت۔۔۔ جسے خود پر بہت غرور تھا۔

تور سلطان شاہ جو نخریلی اپنے باپ کی محبت پر غرور

تھی۔۔ وہ اسے کبھی خود سے معاف نہ کرتی چاہے وہ

دن رات شاہ مینشن گیٹ پر ہاتھ جوڑے کھڑا رہتا۔۔ وہ

سلطان شاہ کی بیٹی تھی سفاک اور ضدی۔۔۔۔۔ کبھی

اسے معاف نہ کرتی۔۔

**Dramatic novels by Noor Asif**  
**Written by Noor Asif**

اسے اپنی حور کے دل میں چھپی محبت کو لبوں پر لانا ہی تھا۔۔ وہ سفاک ضدی تھی مگر محبت کے معاملے میں بھی سلطان شاہ پر گئی تھی۔ شدت پسند اور جذباتی اس کی ساری غلطیاں معاف کر گئی تھی مگر اس کے لبوں سے گل کے لیے جھوٹی محبت کے لیے نکلے گئے لفظ معاف نہیں کر سکی تھی۔ مگر اب تو اپنی کم سن بیوی کے جذلوں سے وہ آگاہ ہو چکا تھا۔ وہ بھی اس سے اب شدید محبت کرتی ہے۔۔ یہ اس کی نشیلی آنکھوں اور اس

کے قریب آنے سے پتہ چل گیا تھا۔ وہ اس کی شدتوں سے ڈر رہی تھی مگر اس کے قریب بھی خود ہو رہی تھی۔۔۔ ارحام کو اس سے دور ہونے پر اس کا تڑپنا یاد آیا تھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوئے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

باہر اب خاموشی چھانی تھی۔۔۔ خاموشی میں چھپا طوفان۔۔۔ وہ کھل کر ہنسا تھا پہلی بار اپنی کم سن بیوی کے غصے سے ڈر لگا تھا۔۔۔ وہ بپھری شیرینی بنی ہوئی تھی۔ اس کے باہر نکلنے پر کچھ بھی اس کے سر

پر دے مار سکتی تھی۔ یا جنگلی بلی کی طرح اس کا منہ  
اور گردن نوچ ڈالتی۔۔ ارحام خان مرر میں دیکھتے اب گیلے  
بالوں میں انگلیاں پھیرتے مسلسل ہنس رہا تھا۔

اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے اس نے اپنی بلیٹ  
پہنتے مرر میں دیکھا اس کی آنکھوں کی سرخی بہت تک کم  
ہو چکی تھی۔ ارحام اپنا کوٹ پہنتے اپنے بال برش سے  
اچھی طرح سیٹ کرتے اپنے بالکی گھنی بنیرڈ پر ہاتھ  
پھیرتے باہر آیا تھا۔

کمرے کا حال دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے سچ میں  
پریشان ہوا تھا۔ ٹیبل پر پڑی ہر چیز زمین ٹوٹی پڑی  
تھی۔ لیپ ٹاپ تمام فائلز موبائل وائر لیس سیٹ  
۔۔ ٹوٹے کانچ کی کڑھیاں بھی بکھری تھیں۔ آفس میں  
رکھے قیمتی شوپیس واز وہ سب توڑ چکی تھی۔ کمرے میں  
پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ کمرے کی حالت دیکھتے اسے  
اپنا فیوچر نظر آیا تھا۔

ارحام نے جبرے بھینچتے اس کی زمین پر پڑی چادر  
دیکھی۔ جو اسے ایک پل کے لیے مشتعل کر چکی تھی۔

وہ چادر نہیں اس کی عزت تھی جسے وہ قدموں میں  
نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ارحام نے وہ چادر اٹھائے اسے  
ٹیبل پر رکھا۔۔ اپنی بیوی کو گرمی نگاہوں سے دیکھا جو  
چنیر سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔۔ اس  
کے باہر آنے پر اسے دیکھتے اس نے اپنی آنکھیں  
کھولی تھیں۔ دوسرے پل وہ اسے شرر بار نگاہوں سے  
گھورتے اپنی چنیر کا رخ موڑ چکی تھی  
اس کی ادا پر ارحام کا دل پہلو میں ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ  
اس کے ایسے دیکھنے پر بری طرح بے چین ہوا

Dramatic novels by Noor Asif

Written by Noor Asif

تھا۔ اس نازک وجود کو بانہوں میں لینے کے لیے وہ پھر  
سے مچل گیا تھا۔۔

ارحام خود پر قابو پاتے اس کی طرف بڑھا۔  
اس کے سامنے چنیر پر بیٹھتے اس نے اپنی چنیر سے  
.. ٹیک لگائی

حور ارحام کو دیکھتے چنیر پر سیدھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر  
پڑی فائل اور مجھے کچھے پیپرز کو وہ فائل میں لگانے  
لگی۔۔



ارحام مسکراہٹ دبائے اپنی بیوی کے خوبصورت چہرے  
کو دیکھ رہا تھا جہاں غمض و اشتعال کی سرخی چھائی  
تھی۔

میری کمپنی آپ کے ساتھ یہ ڈیل کینسل کرتی ہے۔ آپ  
کی کمپنی کی اتنی ور تھ اتنی حیثیت نہیں کہ آپ  
سلطان شاہ کے ساتھ کام کر سکیں اور نہ آپ میں اتنی  
ور تھ ہے کہ آپ حور سلطان شاہ کے ساتھ کام کر  
سکیں۔ حور نے سلگتے ہوئے وہ فائل ارحام کے سامنے  
پٹخی تھی۔

ارحام نے اس کے سلگتے ہوئے چہرے کو دیکھتے مشکل سے ہی اپنی مسکراہٹ دبائی۔۔۔

او کے میم جیسے آپ کہیں۔۔ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میری کمپنی کی اتنی ورتھ ہی نہیں جو سلطان شاہ کے عروں کے اس شاندار ایسپر اور عروں کا کانٹریک اویل کر سکے۔۔ مجھے تب ہی یہ بات سمجھ لینی چاہیے تھی کہ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی جو ٹین

ایج امپور ہے وہ کہاں ارحام خاندان کی ملینیر کمپنی کے ساتھ ڈیل کر سکتی ہے۔

حور سلطان شاہ میں نہ اتنے گٹس ہی نہیں ہیں۔ وہ  
ارحام خانزادہ کو ڈیل کر سکے۔ ارحام نے اپنے کوٹ کی  
پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالے اسے سلگا کر لبوں  
میں دبائے حور کے لہو چھلکاتے چہرے کو گہری نگاہوں  
سے دیکھا۔

جب حور سلطان شاہ میں اتنے گٹس نہیں ہیں تو کیا کر  
رہے ہیں آپ یہاں؟؟ اور کیا کرتے رہے آپ سات  
ماہ میرے باڈی گارڈ بن کر۔۔۔ حور شاہ میں بہت گٹس  
ہیں آپ جیسے مرد کو ڈیل کرنے میں۔۔۔ مگر مجھے آپ  
جیسے مرد کو ڈیل کرنا ہی نہیں جو عورت کو دیکھ کر پاگل

ہو جائے۔ جب تک اسے اپنی حوس کا نشانہ نہ بنا لے  
اسے چین نہ آئے اور نے غصے سے لفظ چبائے تھے

--

اور کے لفظوں سے ارحام خان کی آنکھوں میں سرخی کی  
جگہ خون چھلکا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں کرسی سے  
اٹھتا اس کی طرف بڑھا تھا۔ اسے بازو سے جکڑے کرسی  
سے کھینچتے ہوئے اٹھایا تھا۔ دوسرے لمحے پوری قوت  
سے دیوار میں پٹخا تھا۔

ارحام ----- اور گھبراتے ہوئے چلائی تھی۔

**Dramatic novels by Noor Asif**

**Written by Noor Asif**

وہ اس کی طرف بڑھتا اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے  
محصور کر گیا۔۔

اگر میں حوس پرست انسان ہوں۔ عورت کو دیکھ کر  
میرے اندر حوس جاگتی ہے۔ میں عورت کو دیکھ کر پاگل  
ہو جاتا ہوں۔ کیوں اس طرح کی ڈریسنگ کر کے میرے  
سامنے آئی ہو۔ کیوں اس بند کمرے میں میرے ساتھ  
میننگ ارینج کی؟؟

ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

ارحام دور ہنیں مجھ سے۔۔۔ تو اس کے سینے پر دونوں  
ہاتھ جھاتے اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے بمشکل  
بولی تھی۔

ان آنکھوں میں اب اس کے طلب کی سرخی  
نہیں غیض و اشتعال کی سرخی تھی۔۔۔ جس سے تو  
کی جان لبوں پر سچی تھی۔ دل ہتھیلی پر دھڑکنے لگا  
تھا۔ حویلی کے کمرے والا ارحام خان یاد آیا تھا وہ جی  
جان سے لرزی تھی۔

ارحام اس کی آنکھوں میں خوف دیکھتے خود پر قابو پاتے  
پہچھے ہوا۔۔۔

تورگرے سانس لیتے دیوار میں سمائے اسے اب بھگی  
آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ارحام اس کی بھگی آنکھیں  
دیکھ کر لب بھینچ گیا تھا۔

اگر تم عورت کی جگہ یہ کہہ دیتی۔ اپنی عورت کو دیکھ کر  
میں پاگل ہو جاتا ہوں۔۔۔ اسے دیکھ کر میرے اندر حس  
جاگتی ہے تو میں تمہاری بات ہنس کر سہ لیتا۔۔۔

مگر تم مجھے عورت کا طعنہ مارتی ہو یعنی مجھے اتنا گرا ہوا  
سمجھتی ہو کہ میرے لیے صرف عورت معنی رکھتی

ہے۔ پھر چاہے وہ اپنی عورت ہو یا پھر باہر کی عورت  
۔۔۔ مجھے ایک بات بتاؤ اگر عورت میرے لیے اتنی ہی



Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

معنی رکھتی تو یہ سات ماہ میں سلطان شاہ کے گیٹ  
کے باہر ساری ساری رات نہ گزرتا۔۔۔ ان سات ماہ  
کے میرے ہر گزرے ہوئے ہر پل سے تم واقف  
ہو۔ اپنے بزنس اپنی بیٹی کو چھوڑ کر جس عورت کا باڈی  
گارڈ بنا رہا۔ اس عورت نے تو ان سات ماہ میں ایک  
پل کے لیے مجھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اس عورت کے  
جسم تک رسائی تو دور کی بات میں تو اس کے بدن کی  
خوشبو تک رسائی حاصل نہیں کر سکا۔ پھر تم مجھ پر  
کیسے الزام لگا سکتی ہو؟ کہ عورت میرے لیے اتنی  
معنی رکھتی ہے کہ میں اسے دیکھتے پاگل ہو جاتا

*Dramatic novels by Noor Asif*

*Written by Noor Asif*

ہوں۔ تم عورت نہیں ہو میرے لیے میری عورت ہو

میری محرم میری بیوی۔

۔ ارحام نے اس کے دونوں طرف ہاتھ محصور کرتے غرایا

تھا۔

"What do you mean you got  
lost? How did you manage to  
come close to me?"

اس بات کا کیا مطلب ہے آپ بہک گئے تھے۔ آپ)

(کی بہمت کیسے ہوئی میرے قریب آنے کی

حور اس کے سوالوں کو نظر انداز کرتے ارحام کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔ اس کا ایسے

اسے چھوڑ کر جانا اسے بہمت برا لگ رہا تھا۔ وہ خود اپنے

جذبات نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ وہ بہک گیا تھا یہ لفظ

اسے بری طرح چبھے تھے۔ وہ اس کے بہکنے میں اس کا

ساتھ دے رہی تھی یہ بات اسے زیادہ **مشتعل** کر چکی

تھی۔

مجھے صرف اتنا بتا دو تمہیں میرا قریب آنا برا لگا ہے یا  
تمہیں ادھورا چھوڑنا۔۔ ارحام کہتے مزید اس کے قریب  
ہوا تھا۔

کک کیا مطلب اس بات کا؟؟ حور کی آنکھوں کی سرخی  
برہی تھی۔

مطلب تم مجھے اپنی بانہوں میں چاہتی ہو مگر اقرار نہیں  
کر رہی۔۔ تمہیں میرا خود کے قریب آنا برا نہیں لگا بلکہ  
میرا دور جانا برا لگا ہے۔ تم سے برداشت نہیں ہو رہا  
میں کیسے اپنی طلب اپنی دیوانگی پر قابو پا سکتا  
ہوں۔ تمہارے قریب آکر میں مر تو سکتا ہوں تمہارے

**Dramatic novels by Noor Asif**  
**Written by Noor Asif**

پاس آکر دور جاؤں یہ نہیں ہو سکتا۔ اور اپنی شوہر کی  
دیوانگی میں کمی تم برداشت نہیں کر پا رہی --  
ایک بیوی اپنے شوہر کی بے اعتنائی کی وجہ سے پاگل  
ہو رہی ہے۔ ارحام کی باتوں پر حور نے غصے سے اسے  
خود سے دور دھکیلا تھا --

مسٹر خان دور ہٹیں آپ مجھ سے -- آپ بے بنیاد باتیں  
کر رہے ہیں۔ میں کیوں آپ کے دور جانے پر تڑپوں  
گی۔ مجھے تو آپ کا قریب آنا نہیں اچھا لگا۔ آپ ایک  
بات یاد رکھیے گا -- میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں  
گی۔ -- حویلی میں گزرے وہ لمحات میں نہیں بھول سکتی

جب آپ نے مجھے اذیت دی تھی۔ کوئی لفظ کوئی بات  
میری اس رات کا مداوہ نہیں سکتی۔ جب بے بسی کی  
انتہا پر میں نے آپ سے معافیاں مانگی تھی۔ مگر آپ کو  
مجھ پر رحم نہیں آیا تھا۔ حور بھیگے لہجے میں بولتے کرب  
سے ارحام کی آنکھوں میں شکوہ کناں نگاہوں سے  
دیکھا۔ کیسے وہ اس رات درندہ بنا ہوا تھا۔

حور کی باتوں پر ارحام کی آنکھوں میں اذیت کی پرچھائی  
لہرائی تھی۔

کیوں بھول جاتی ہو اس رات میں میں نہیں تھا  
۔۔ اس ایک رات نے ارحام خانزادہ کو بدل کر رکھ دیا



تھا۔ مگر میں ساری عمر اپنی اس غلطی اس درنگی کا  
مداوہ کرنے کو تیار ہوں۔ ارحام نے اس کے گال پر اپنا  
ہاتھ جمایا تھا۔

وہ اسے کبھی نہیں کہہ سکتا تھا اس رات نے اسے ایسا  
بنایا تھا کیونکہ وہ اس کی زندگی میں اس کا عشق بن کر  
داخل ہوئی تھی۔ جب اس نے پہلے سے بڑھ کر پایا تھا  
وہ کیا شکوہ کرتا۔۔۔

ارحام کا ہاتھ حور نے غصے سے جھٹکا۔۔۔ آپ کا مداوہ  
یہی ہے آپ ساری عمر مجھ سے دور رہیں۔۔۔ آپ ساری  
عمر میرے باڈی گارڈ بن کر بھی رہیں گے میں پھر



بھی آپ کو معاف نہیں کروں گی۔۔۔ حور گہرے سانس  
لیتے ارحام کی شرٹ جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے  
مغروریت سے بولی تھی۔

حور کی بات پر ارحام کچھ پل اس کی آنکھوں میں  
دیکھتا رہا جہاں صرف اپنے باپ کی محبت کا غرور ہی  
نہیں اپنے شوہر کی محبت کا بھی غرور تھا۔ وہ اس کے  
سامنے جھک کر ایک بار پھر سے اس پر باور کروا چکا تھا  
وہ اس کے لیے سانسوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ارحام اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتا پیچھے ہوا  
-- نظریں جھکائے اپنے چمکتے سیاہ بولوں کو دیکھتے اپنی  
بلکی گھنی بیئرڈ پر ہاتھ پھیرا -

وہ ابھی تک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے اسے ہی  
دیکھ رہی تھی --

ارحام نے نظریں اٹھائے اس کی شفاف کرسٹل براؤن  
آنکھوں میں دیکھا جہاں اپنی ذات اپنی خوبصورتی اپنے محرم  
رشتوں کی بے تحاشا محبت کا غرور تھا جو کسی بھی حال  
میں اسے تنہا نہیں چھوڑتے تھے -

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

ارحام پھر سے اس کے قریب ہوتے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے سرخی مائل لب جو اس کی شدت سے ابھی تک سرخ تھے وہاں نرمی سے اپنے لب رکھے تھے۔ حور گہرا سانس بھرتے اپنی آنکھیں موند گئی تھیں۔  
ارحام نے مسکراتے ہوئے اپنی بیوی کی معصوم ادائیں دیکھیں۔

حور نے آنکھیں کھولتے ارحام کو دیکھا جو اس کے بہت قریب اس کے لبوں پر اپنی سلگتی گرم سانسیں چھوڑتے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

تمہیں کس نے کہا کہ میں ساری عمر تمہارا باڈی گارڈ بن  
کر رہوں گا۔ ارحام نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں  
گاڑھے سوال کیا۔

تور نے الجھن بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا  
میری جان میری پیاری بیوی ----- میری تور میری  
کم سن میری خوبصورت حسینہ میری میری  
عورت ----- تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں پچھلے  
دو ہفتوں سے تمہارا باڈی گارڈ بن کر شاہ مینشن میں  
اپنی راتیں کیوں نہیں گزار رہا۔  
کیوں؟ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

ارحام اس کی عجلت پر گہرا مسکرایا تھا۔  
کیونکہ میں جان چکا ہوں --- تمہیں میری ضرورت نہیں  
-- تمہارے پاس تمہارے باپ کے بائز کردہ بہت گارڈز  
ہیں۔ جنہیں تم ہر سانس کے ساتھ لاکھوں روپے دے  
سکتی ہو اور دیتی بھی ہو۔۔۔ تمہیں میری کیا  
ضرورت۔۔۔۔۔ ارحام نے اسی کے لفظ اسے لوٹاتے اس  
کے خوبصورت نقوش کے بگڑے زاویے کو دیکھا۔ -  
مجھے اب اپنی بیٹی کا سوچنا ہے۔۔۔ جو اپنی ماما کو دن رات  
یاد کرتی ہے -

**Dramatic novels by Noor Asif**

**Written by Noor Asif**

وہ مجھے اپنی ماما کہتی ہے۔ اور پچھلے دو ہفتوں سے میری  
اس سے کوئی بھی بات نہیں کروا رہا۔۔۔ وہ تڑختے ہوئے  
اس کی بات کاٹ چکی تھی۔

ارحام نے اس کی بات پر بمشکل اپنی مسکراہٹ  
روکی۔ اس کے ہی کہنے پر حور کی کال پریذے تک پہنچائی  
نہیں جا رہی تھی۔۔۔

اور اس بات پر اس کی بیوی بری طرح تڑپ رہی تھی  
- سات ماہ میں یہی دو ہفتے گزرے تھے پریدے کی اس  
سے بات نہیں ہوئی تھی --

وہ تم سے خود ہی بات کرنا نہیں چاہ رہی -- مگر کل فون  
پر روتے ہوئے وہ مجھ سے کہہ رہی تھی اسے اس کی  
مما حویلی میں چاہیے -- ارحام نے لب دانتوں تلے دبائے  
کہا -

مگر میں حویلی کبھی نہیں آؤں گی - بات کروائیں پریدے  
سے میری میں اسے سمجھا دوں گی - وہ میری بات فوراً  
مانتی ہے -- حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی



سے کہا۔ دو ہفتوں سے وہ مسلسل پریذے کو کال ملا رہی تھی۔ درخشاں نے اس کی ایک کال نہیں اٹھائی تھی۔

وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔۔۔  
لیکن کیوں؟؟ حور ارحام کی بات پر تڑپ اٹھی تھی۔۔۔  
پتہ نہیں۔۔۔ ارحام کندھے اچکاتا اس سے دور ہوا تھا۔  
یکدم ارحام کا فون رینگ ہوا۔  
ارحام نے حور کو ایک نظر دیکھتے فون پر فنکر ٹیپ کرتے  
فون کان سے لگایا

ہیلو۔۔۔۔۔ ہاں بولو۔۔۔ گل۔۔۔ ارحام فون کان سے لگائے  
کئی قدم حور سے دور ہوا۔۔

حور نے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا جو اس کے سامنے  
ہی گل سے بات کر رہا تھا۔۔

تمھاری پریذے سے بات ہو گئی۔۔ اوکے مجھے کوئی  
اعتراض نہیں۔ ٹھیک ہے دو دن بعد میں سوات پہنچ  
جاؤں گا۔ ہاں ہم دونوں اسے لے چلیں گے۔۔ ارحام  
نے کن اکھیوں سے حور کو دیکھا جو گہرے سانس بھرتے  
شعلہ بارنگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ارحام نے حور کی بے یقین نگاہیں دیکھتے فون بند کرتے اپنی پاکٹ میں ڈالا۔

انی ایم سوری ضروری تھا ورنہ کبھی نہ اٹھاتا۔۔۔ پریذے کو میرے اور گل کے ساتھ پلے لینڈ جانا ہے۔۔ میں انکار کر دیتا مگر پریذے نے خود گل کو فون کر کے یہ پلین بنایا۔ پریذے کی بات میں ٹال نہیں سکتا۔ ارحام نے حور کو دیکھتے کہا جس کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ صاف پتہ چل رہا تھا وہ بمشکل ہی یہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے۔

تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ ارحام نے حور کے سرخ  
چہرے کو بغور دیکھتے پوچھا۔

نہیں۔۔۔ مجھے کیوں اعتراض ہو گا۔ جب پریذے یہ  
چاہتی ہے۔ حور نے مشکل ہی یہ لفظ ادا کیے تھے۔  
ہاں پریذے یہ چاہتی ہے ورنہ میں انکار کر دیتا۔ ارحام  
نے مسکراہٹ دبائے کہا۔ حور کا چہرہ زلزلوں کی زد میں  
تھا۔۔

ضرورت نہیں انکار کرنے کی پریذے کی خوشی امپورٹنٹ  
ہونی چاہیے۔۔۔ اب کی بار حور کا لہجہ شدت سے بھیکا  
تھا۔ جسے محسوس کرتے ارحام نے گہرا سانس لیا۔



Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

آپ اب سے میرے لیے صرف میم ہیں۔ ارحام نے  
اس کے نقوش کو بغور دیکھتے لب دانتوں تلے  
دبائے کہا۔۔۔ اسے اس کی یہ بات بھی پسند نہیں  
تھی۔ چہرے کی رنگت مزید سرخ ہوئی تھی  
آپ۔۔۔ بھی۔۔۔ میرے۔۔۔ لیے۔۔۔۔۔ مسٹر خان  
ہیں۔ حور نے اٹکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے  
اپنے شببہنی لہجے پر قابو پاتے غصے سے کہا۔۔  
اب آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔۔ حور نے کہتے اسے  
اپنے دونوں ہاتھوں سے خود سے دور دھکیلا۔ ارحام

سرعت سے پیچھے ہو گیا تھا۔ وہ اسے گھورتے ہوئے  
ٹیبیل کی طرف بڑھی۔

تور ٹیبیل کی طرف بڑھتے اس پر پڑے کچھے کچھے پیپرز  
سمیٹنے لگی۔ ارحام اس کے سر دسپاٹ تاثر غور سے  
دیکھ رہا تھا۔ وہ لب بھینچے کچھ پیپرز فائل میں رکھ رہی  
تھی۔ کچھ پیپرز پھاڑتے ہوئے اس کے ٹکڑے ٹکڑے  
کرتے انھیں بری طرح مسلتے اپنا غصہ نکال رہی تھی۔  
ارحام لبوں پر انگلیاں جمائے اپنی بیوی کو دیکھ رہا  
تھا۔ جس نے ٹیبیل پر پڑا آخری شوپیس بھی فرش پر



مارتے ہوئے توڑ دیا تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے بمشکل اپنا  
غصہ کنٹرول کر رہی تھی۔۔

ہو گیا ہو تمہارا تو اب چلیں یہاں سے۔۔ ارحام نے اسے  
بغور دیکھتے کہا وہ اسے یہاں اس حلیے میں وہ بھی اتنے  
غصے چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟؟۔ تور نے  
مڑتے ہوئے ارحام کو دیکھتے شعلہ بار لہجے میں پوچھا۔  
مطلب یہ کہ چادر اوڑھو میں تمہیں شاہ مینشن ڈراپ کر  
دوں گا۔ ارحام نے سنجیگی سے اپنے لفظوں پر زور دیا  
۔ مجھے آپ کی سروس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کمپنی

کے باہر میرے درجن سے بھی زائد تعداد میں گارڈز  
کھڑے ہیں۔

اور آپ اب میرے باڈی گارڈ کی ڈیوٹی چھوڑ کر میرے  
ڈرائیور کی ڈیوٹی سنبھالنا چاہ رہے ہیں کیا۔۔۔ حور نے ارحام  
کو گھورتے تیکھے چتون اٹھائے طنزیہ لہجے میں سوال  
کیا۔

میں ایسی کوئی ڈیوٹی نہیں نبھانا چاہ رہا۔۔۔ مگر اس ٹائم  
میں تمہیں ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔۔۔ رات گہری ہو رہی  
ہے۔ میں تمہیں یہاں کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتا۔

اگر رات گہری نہ بھی ہوتی پھر بھی میں تمہیں کسی  
قیمت پر نہ چھوڑتا۔ چادر سے خود کو اچھی طرح کور  
کرو۔۔۔ ارحام نے سنجیدگی سے حکم دیا۔

مجھے آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔ میں آج یہیں پر  
اسی چپ حلے میں رات گزاروں گی اور آپ ہوتے  
کون ہیں مجھ پر حکم چلانے والے؟؟۔ تو تڑختے ہوئے  
دلے انداز میں چیخی تھی۔۔۔

بس۔۔۔۔۔ ارحام ٹیبل پر ہاتھ مارتے ہوئے حلق کے  
بل دھاڑا تھا۔

تور ----- اس کی دھاڑ پر بری طرح لرزتے ہوئے  
ٹیبل سے کئی قدم پیچھے ہوئے تھی --  
ارحام تھوڑا سا جھکتے اسے سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا  
تھا۔

فیصلہ یہ ہوا ہے تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گی۔  
میرے پاس کبھی واپس نہیں آؤ گی۔ مگر تم اگر یہ  
سمجھتی ہو کہ میں تم پر اپنا حق ختم کر دوں گا۔ یہ  
تمہاری بھول ہے۔ تم میری تھی اور میری ہی رہو  
گی۔ اب چاہے تم تور سلطان شاہ خود کو کہلو آؤ۔۔۔ یا پھر  
تور خانزادہ۔۔۔ رہو گی صرف میری۔۔۔ تمہیں یہاں میں

کسی قیمت پر چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ یہ بات تم بھی  
اچھی طرح جانتی ہو۔ اس لیے بنا بحث کیے چادر سے خود  
کو اچھی طرح کور کرو کہ تمہارا چہرہ بھی نظر نہ آئے۔۔ وہ  
ٹیبل پر ہاتھ جمائے حور کی لرزتے وجود کو دیکھتے لفظ  
چباتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

حور گہرے سانس بھرتے خاموشی سے اسے دیکھ رہی  
تھی۔ اس کی دہشت بھری دھاڑ سے آج بھی اس کی  
جان جاتی تھی۔ وہ اسے جن نگاہوں سے گھور رہا تھا اس  
کے ریڑھ کی ہڈی سنسناتا ٹھہری تھی۔

"Did you not hear what was  
I said? Wrap yourself up  
properly."

اسے یونہی کھڑا دیکھ کر ارحام ٹیبل پر پوری قوت سے مکہ  
مارتے سرد سپاٹ لہجے میں اپنے الفاظ دہراتے غرایا  
تھا۔

حور نے بھیگی آنکھوں سے ارحام کو دیکھتے اثبات میں سر  
بلاا۔۔۔ ٹیبل پر پڑی اپنی چادر سے خود کو اچھی طرح کور  
کرتے اپنا چہرہ بھی ڈھکا۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اپنی مضبوط ہاتھ میں اس کی  
کلائی جکڑتے وہ آفس سے باہر نکل آیا۔

--

ریشم پر موجود حور کی سیکرٹری نے تعجب سے یہ منظر  
دیکھا تھا۔ ارحام کے مضبوط ہاتھ میں حور کی نازک کلائی  
تھی۔ جسے وہ جکڑے تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔  
حور اس کی گرفت میں خاموشی سے اس کے ساتھ چل  
رہی تھی۔



آفس کے کمرے سے باہر موجود حور کے پرسنل گارڈز  
کھڑے تھے۔ وہ تیزی سے حور اور ارحام کے پیچھے پیچھے  
ان کی طرف بڑھے تھے۔

وہ جہاں جہاں سے گزر رہا تھا۔ جگہ جگہ حور کے گارڈز  
کھڑے تھے۔ وہ بھی اپنی پوزیشن چھوڑتے ان کی طرف  
بڑھ رہے تھے۔

ارحام لب بھینچنے تیز تیز قدموں سے اس کی کلائی جکڑے  
آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ اپنے مضبوط ہاتھ میں اس کی کلائی جکڑے آفس سے  
باہر آیا۔ جہاں حور کے باقی گارڈز کھڑے جلدی سے

اس کی طرف بڑھے تھے۔ ارحام نے ان تمام گارڈز کو دیکھتے اپنے جبرے بھیجتے مشکل خود پر قابو پایا تھا۔ اپنی بیوی کے قریب گارڈز اسے بالکل برداشت نہیں ہوتے تھے۔ آج جتنی تیز اس نے پرفیوم لگایا ہوا تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی پرفیوم کی مہک کوئی غیر مرد تک جائے اس کی پوزیسیو نیچر کو کہاں گوارا تھا۔۔۔ تپش سے اسے اپنا دماغ ترختا محسوس ہوا تھا۔

اب وہ دونوں بہت سارے گارڈز کے حصار میں تھے۔ جن کی تعداد کافی زیادہ تھی۔

حور نے ارحام کو بھیگی سرد نگاہوں سے دیکھتے اپنی کلائی  
جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھڑوائی۔ اس کے اس  
طرح کلائی چھڑوانے پر ارحام کے گلے میں گلی سی ابھر  
کر معدوم ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھتے بے رخی سے  
نظریں پھیرتے اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔۔ اس کے  
سارے گاڑز یونیفارم میں موجود اس کی طرف تیز تیز  
قدموں سے بڑھ رہے تھے۔

ارحام گہرے سانس لیتا اپنی بیوی اپنی زندگی کو گاڑز کے  
بمراہ بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ ارحام کی سرخ آنکھوں میں اب  
ہلکی سی نمی چھائی تھی۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے

گاڑی میں بیٹھتے جا چکی تھی۔ درجنوں گاڑیاں اس کے  
اگے پیچھے بڑھی تھیں۔

-----

عابیر نے مشکل آنکھیں کھولتے ہاسپٹل کے کمرے کو  
دیکھا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اپنے سر کو جکڑتے  
اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھ  
ہوا کیا ہے۔

اس کا دماغ کچھ بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے  
جیسے مفلوج ہوا تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

عابیر نے گہرے سانس لیتے اپنے سنہری کھلے بالوں کو  
دبوچتے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں یکدم  
اسے سب کچھ یاد آیا تھا۔

کس طرح اسفندیار خان نے اسے بے دردی سے دھکا  
دیا تھا۔

اور ڈریسنگ روم میں بند کر کے وہ اس کے وجود سے  
لاپرواہ ہو گیا تھا۔

وہ پوری رات سردی سے ٹھٹھرتی ڈریسنگ روم کا دروازہ  
کھٹکھٹاتی رہی تھی۔ مگر اس نے نہیں کھولا تھا۔ سردی کی  
شدت اور ذہنی دباؤ کی وجہ سے کب وہ ہوش و خرد سے

بیگانہ ہوئی اسے پتہ نہیں چلا۔ عابیر کی بند آنکھوں سے  
انسوؤں کا جھرنا بہا تھا۔

اس ستمگر سے اسے اسی سفاکی کی امید تھی جو اس  
کے رونے گرگڑانے پر اسے ہمیشہ کی جدائی کی وعید  
سنا کر جا سکتا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اپنا رونا گرگڑانا  
یاد آیا تھا۔ صرف اسفندیار خان کے پیروں میں گرنا باقی رہ  
گیا تھا۔ کس طرح اسے روتے سسکتے ہوئے روکا  
تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا وہ اس سے دیوانوں کی طرح  
عشق کرتی ہے۔ وہ پھر بھی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا اور

Dramatic novels by Noor Asif

Written by Noor Asif

اب سات ماہ بعد بھی وہ اپنا بدلہ اس کے لالا سے لینے

آیا تھا۔

عابیر نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑتے صاف

کی۔۔

مجھے یہاں کون لایا ہے؟؟۔ زاران لالا یا پھر شہرام لالا

لائے ہیں

عابیر نے اپنی کلائی پر لگی ڈرپ کو بغور دیکھتے سوچا تھا۔



مگر اپنے گرد لپٹی آف وائٹ مرادہ شال سے اٹھتی مسحور  
کن خوشبو جو اس کے وجود میں سماتے اسے باور کروا  
رہی تھی اسے یہاں آخر کون لایا ہے؟

اسی لمحے روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اسفندیار خان کو دیکھتے  
عابیر کی رنگت اشتعال کے مارے سرخ ہوئی تھی۔ عابیر  
نے دہکتی نگاہوں سے اس ستم گر کو دیکھا جو اس وقت  
وائٹ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ کسرتی ورزشی چوڑا  
چٹناتی جسم ---

طلسماتی نقوش جس پر متضاد نیلی آنکھیں جو اس کی  
سرخ و سفید رنگت کو مزید خوبو بناتی تھیں۔

عابیر نے اسفندیر خان کو دیکھتے بے رخی سے نظروں کا  
زاویہ بدلتے اپنے وجود سے شال اتار کر زمین پر پھینکی۔  
عابیر کی حرکت پر اسفند کے بھاری قدم اس کی طرف  
بڑھتے رکے تھے۔

وہ بیڈ پر بیٹھی اسے دہکتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔  
اسفند نے بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ ان  
ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی پرچھائی کے علاوہ کوئی اور  
جذبہ کہاں گوارا تھا۔ وہ اسے سرد سپاٹ شعلہ بار نگاہوں

سے دیکھ رہی تھی۔ اسفند کی نظریں اس کی ہیزل گرے آنکھوں سے ہوتی زمین پڑی اپنی شال پر جا ٹھہریں تھیں۔ جسے وہ اجنبیت سے اتارتے زمین پر پھینک چکی تھی۔

اسفند نے آگے بڑھتے جھکتے ہوئے اپنی شال اٹھائی اس کی طرف بڑھتے اس کے گرد اپنی شال اچھی طرح اسے اوڑھائی ---

عابیر نے حیرانگی سے اسفند یار کو دیکھا جو اس کے گرد اپنی شال لپیٹے اس شال کو سینے سے جکڑے ہوئے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

عابیر نے گہری سانسیں لیتے اسفندیار خان کی نیلی  
آنکھوں میں اپنی ہیزل گرے آنکھیں گاڑھیں۔  
دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے  
ہوئے تھے۔ اسفند کی گرم گہری نگاہوں کا وہ مطلب سمجھ  
نہیں پا رہی تھی۔۔۔ ان آنکھوں میں وہی گرمی تھی جو  
اس نے گیسٹ ہاؤس کی اس رات میں محسوس کی  
تھی۔ جب اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے کتنی  
بار اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

میری والدہ پٹھانی اسفندیار خان صرف تمہارا ہے۔ تم!!  
سے پہلے کسی عورت کو اسفندیار خان نے چھوا  
تک نہیں۔ تم ہی ہو جسے اسفندیار خان کے لبوں نے  
چھوا۔ تمہاری دھڑکنوں کو ہی تمہارے اسفندیار خان نے  
سنا ہے۔ تمہارا اسفندیار خان تم سے اپنی جان سے بڑھ  
کر محبت کرتا ہے۔ تم مجھے اپنے ہر رشتے سے پیاری  
ہو!!

اسفندیار خان کا اظہار آج بھی اس کی سماعتوں میں  
گوں بجتا تھا۔۔

وہ اس کے گرد شال کو جکڑے اس کی ہیزل گرے  
انکھوں میں ٹمھرے موتیوں کو دیکھ رہا تھا۔  
عابر سٹل اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی۔۔  
اب اس کی سماعتوں میں پھر سے اس کے لفظ گونجنے  
تھے۔

جھوٹ بولا تھا میں نے۔ تمہارے جذبات کے ساتھ!!  
کھیلا تھا میں نے۔۔۔ میں گیسٹ ہاؤس میں بھی وہی  
اسفندیار خان تھا جو ہمارے نکاح کی پہلی رات کو

تھا۔۔ صرف لفظوں کا بہیر پھیر کیا تھا۔۔ تم ہی نہیں  
سمجھ پائی۔۔۔ ورنہ میری پہلی رات کی شدتوں میں اور  
اس دن گیسٹ ہاؤس کی شدتوں میں خاص فرق نہیں  
تھا۔۔ بے رحمی ہی بے رحمی تھی۔ تم ہی سمجھ نہیں  
!! پائی

عابیر اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلاتے  
نم زخمی آنکھوں سے مسکرا گئی۔۔



اسفندیار خان مسکراتے ہوئے اس کی شببمی آنکھوں پر  
باری باری اپنے لب رکھ گیا تھا۔ وہ اپنی شال کو اس  
کے سینے سے سختی سے جکڑے ہوئے تھا۔ اس کی  
گرفت سے اندازہ ہوا رہا تھا عابیر کا خود کے وجود سے  
شال اتارنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔

عابیر نے حیرانگی اس کے لبوں کی گرمی کے ساتھ نرمی  
محسوس کی تھی۔۔ وہ اس کے قریب ہوتے اس کا چہرہ  
دونوں ہاتھوں میں بھرتے اس کی پیشانی پر اب اپنے  
لب رکھ گیا تھا۔

عابیر کی حیرانگی مزید بڑھی تھی۔ وہ سٹل سی اس کے  
لبوں کی نرمی اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ  
دیوانوں کی طرح اس کے ایک ایک نقوش پر اپنے لب  
رکھ رہا تھا۔ اسفندیار خان کے گرم نرم لب رک ہی نہیں  
رہے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح اسے چومے جا رہا تھا۔

عابیر نے ڈپ لگے کانپتے ہاتھ سے اسے خود سے دور  
کرنا چاہا اس کی شدت میں مزید تیزی آئی تھی۔ وہ اپنے  
لمس سے اس کا چہرہ لمحوں میں جھلسا چکا تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif

Written by Noor Asif

عابیر نے اب کی بار اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے  
اسے بوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا۔ وہ بے خود  
سا اس کے نقوش کو چھو رہا تھا۔ پیچھے کو ہوتے بری  
طرح لڑکھڑایا

عابیر گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بارنگاہوں سے دیکھ  
رہی تھی۔۔

اسفندیار خان کی نیلی آنکھوں میں سرخ دُورے لہرائے  
تھے۔ اس کے خود سے دور جھٹکنے پر اس کی آنکھوں  
میں جنونیت سی لہرائی تھی۔ ایک یہی چیز تھی وہ مقابل

کی برداشت نہیں کر سکتا تھا وہ اسے خود سے دور جھٹکے  
یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اس کے قریب ہوتا اس کے بال مٹھی میں جکڑے  
اس کی گردن کو جھٹکا دیے اس کے لبوں پر اپنے دہکتے  
لب رکھ کر انھیں شدت سے دبائے اس کی سانسیں  
گھوٹ گیا تھا۔

وہ بہت شدت سے اس کے لبوں کو جکڑے اس کی  
سانسیں کھینچ رہا تھا۔

عابیر بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔ عابیر نے  
اپنے ناخنوں سے اس کی گردن پر بے دردی سے  
خروچیں ڈالیں۔

اسفندیار مسکراتے ہوئے پیچھے ہوا تھا۔ اپنی گردن سے  
اس کے دیے ہوئے کھروچوں پر خون کی بوندوں کو  
انگلیوں سے چنتے اس نے عابیر کو دیکھا جو گہرے  
سانس لیتے اسے شعلہ بار نم نگاہوں سے دیکھ رہی  
تھی۔

مجھے عادت ہے تمہارے زخموں کی۔ جب تک تم زخم نہ  
دے لو مجھے چین نہیں آتا میری سفاک بے رحم

پٹھانی۔۔ اسفند نے ایک بار پھر سے اس کی پیشانی پر  
اپنے دہکتے لب رکھے تھے ۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں اسفند یار خان؟؟۔۔ ان نیلی آنکھوں  
میں سرد پن اور بے رخی کی جگہ نرمی اور گرمی کیسے  
شامل ہو گئی۔۔ راتوں رات کیا ہو گیا جو اسفند یار خان  
مجھے دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ عابیر نے اسفند کی آنکھوں  
میں دیکھتے الجھن بھرے استہزائیہ لہجے میں استفسار  
کیا۔

اس ایک رات میں میں میرے لبوں نے تم سے محبت  
کا اقرار کیا ہے۔ جو پچھلے سات ماہ میں نہ کر سکے۔۔ اور

آج اسفندیار خان اپنی سفاک پہٹھانی سے اس محبت کا  
اقرار کرنے آیا ہے جو میری بیوی میری آنکھوں میں اپنے  
لیے دیکھتی تھی۔ مگر لفظوں کی صورت میں سننے  
کی خواہشمند تھی۔ اب دن رات تمہارا اسفندیار تمہیں  
بتائے گا تم اسفندیار خان کو اس کی عابیر اپنی جان سے  
زیادہ عزیز ہے۔ اسفند نے جھکتے ہوئے اس کی سفید  
دودھیا گردن پر اپنے دہکتے لب رکھے تھے۔ وہ دیوانوں کی  
طرح اس کی گردن پر اپنے لب رکھتے نرمی سے وہاں  
اپنے دانت گاڑتے لو بانٹ بنا رہا تھا۔



Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

عابیر نے اسے ایک بار پھر سے پوری قوت سے خود سے  
دور دھکیلا تھا۔

اسفندیار خان کی آنکھوں میں پھر سے غصے کی آگ دہکی  
تھی۔ اس سے پہلے وہ اس کے قریب ہوتا۔ عابیر بے  
دردی سے اپنی ڈرپ کھینچ کر اتارتے دوسری طرف سے  
بیڈ سے اترتے دروازے کی جانب بڑھی۔

اسفندیار خان اسے بنا شال بنا جوتے کے دروازے کی  
طرف بڑھتے دیکھ کر مشتعل ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھتا  
اس کی طرف بڑھتے اسے کلانی سے کھینچتا اپنے سینے  
کے ساتھ لپٹا چکا تھا۔

میں جانتا ہوں میری سفاک پہٹانی کو مجھ پر بہت غصہ  
ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بے پردہ اس  
کمرے سے باہر نکلو۔۔ اسفند اس کے بال گدی سے  
نرمی سے جکڑے اس کا چہرہ اپنے قریب کر گیا تھا۔  
اسفند یار خان خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ کیا ثابت  
کرنا چاہتے ہیں؟؟ میں خئی ہوں آپ کے لیے۔۔ یعنی  
آپ کا انتقام۔۔  
آپ کا انتقام ساری عمر مجھے تڑپنا دیکھنا تھا۔ تاکہ میرے  
لالا کو میری صورت اذیت دے سکیں۔۔ سات ماہ ساری  
عمر تو نہیں ہوتی۔۔ پھر یہ نرم گرم بانہیں

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

آخر کیوں؟؟ اسفندیار خان کے لبوں کی تپش میں  
محبت کی گرمی آخر کیسے؟؟

عابیر اسفندیار خان کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے غصے  
سے چیخنی تھی۔ اس کا نرم گرم رویہ برداشت نہیں ہو  
رہا تھا۔

اسفندیار خان نے اس کے چیخنے پر نرمی سے اس کی  
مٹھیوں کو اپنے مضبوط ہاتھ جکڑا جو اس کی شرٹ سختی  
سے جکڑے ہوئے تھیں۔ وہ اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں  
سے چھڑواتے نرمی سے اپنے دہکتے لب اس کی بند  
مٹھیوں پر رکھ گیا تھا۔ اسفندیار خان کے لب رکے نہیں

تھے۔ وہ بہت نرمی سے عابیر کی آستین سے نظر آتی  
اس کی سفید کلائی کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔  
یہ کیا کر رہے ہیں اسفندیار خان؟؟۔۔۔ عابیر روتے  
ہوتے ہوئے بولی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی کلائی  
کو اپنے لبوں سے چھوتا اس کی گردن پر اپنے دہکتے لب  
رکھتے اس کی دھڑکنوں کو نرمی سے چھوتے وہ گھٹنوں کے  
بل بیٹھتے اس کے پیٹ کو اب نرمی سے چھو رہا تھا۔  
اسفندیار خان۔۔۔۔۔۔ اس کے لبوں کی تپش کو اپنے  
پورے وجود پر محسوس کرتے وہ شدت سے رو دی تھی۔

وہ دیوانوں کی طرح اسے چھوٹا جا رہا تھا اتنی دیوانگی سے  
اس نے کبھی اسے نہ چھوا تھا۔

عابیر کی ہیزل گرے آنکھیں یکدم خوف سے پھیلی  
تھیں۔ رنگت میں زردیاں سی گھلی تھیں۔۔ سانسیں سینے  
میں اٹکی تھیں۔

جو سزا تمہارے ذریعے تمہارے لالا کو دینی تھی۔ اب!!  
وہ تمہارے لالا کو دوں گا۔۔ اس بار میرا عہد کوئی بھی  
نہیں توڑ سکتا۔۔ نہ میری دوستی اور نہ تمہارے آنکھ کے

Dramatic novels by Noor Asif

Written by Noor Asif

آنسو۔۔ مروں گا یا مار دوں گا۔ لیکن یاد رکھنا میرے  
!! مرنے کے بعد بھی تم میری ہی رہو گی

عابیر کی سانسیں اٹکی تھیں۔ اسفند کے گدزم نرم لبوں کی  
تپش کی وجہ اب اسے سمجھ آئی تھی۔ وہ اپنا انتقام لے  
چکا تھا۔ وہ خنی کی رسم نبھا چکا تھا۔ اور اب اسے ساری  
عمر اس انسان کی بن کر رہنا تھا۔ کیونکہ وہ اس کے لالا  
کو مار چکا تھا۔

لالا۔۔۔۔۔ عابیر کے لب خوف سے پھر پھڑپھڑائے  
تھے۔ اسفندیار کا لمس زہریلے ناگ کی طرح دُستا محسوس  
ہو رہا تھا۔ وہ ہاسپٹل کی ٹھنڈے فرش پر گھٹنے جمائے  
اس کی کمر کو جکڑے اس کے پورے بدن کو اپنے لبوں  
سے جھلسا رہا تھا۔

لالا۔۔۔۔۔ عابیر کی سانسیں اٹک رہی تھیں۔ وہ اپنے گلے کو  
دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی۔

اگر اس کے لالا نہیں تو وہ کیسے زندہ ہو سکتی تھی  
لالا۔۔۔۔۔ عابیر کے لبوں سے دلخراش چیخ برآمد ہوئی۔  
اسفند کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوتے کھڑا ہوا۔



وہ گلے پر ہاتھ رکھے بری طرح چیخ رہی تھی۔

لا لا میرے لا لا ----- عابیر حلق کے بل بہتے آنسوؤں  
سے چیخنی --

عابیر کیا ہوا؟؟ اسفند نے اس کے ہاتھ گلے سے بٹائے تھے۔

وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

اسفندیار خان تم نے میرے لالا کو مار دیا۔ لے لیا تم نے اپنا انتقام۔۔ کیسے کر سکتے ہو تم ایسا؟ میرے لالا کو مار کر تم کیسے مجھے چھو سکتے ہو۔ اسفندیار خان۔۔۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے میرے لالا کو چھو کر تم

مجھے پاسکتے ہو۔۔ میں خود کی جان لے لوں گی۔ اگر تم  
نے مجھے چھوا بھی۔ اسفندیار خان میرے لالا کو مار دیا تم  
نے۔۔۔ تم نے مجھے بھی مار دیا ہے۔ وہ اس کی شرٹ  
منھیوں میں جکڑے ہڈیاں چینی۔

اسفندیار کے لبوں سے اپنے لیے تم سن کر اذیت کی  
انتہا پر جلا تھا۔ مقابل ایسی تو نہ تھی وہ اسے کبھی تم  
کہہ کر پکارے۔۔۔

عابیر۔۔۔۔ اسفندیار نے اسے نرمی سے پکارا۔  
نہیں سننا تمہارے لبوں سے اپنا نام۔۔۔ نہیں دیکھنا  
تمہارا چہرہ۔۔۔۔ اپنے لالا کے قاتل کو میں نہیں دیکھ

سکتی۔ عابیر اپنی آنکھیں بند کیے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ  
چکی تھی۔

عابیر۔۔۔۔ اسفند نے آگے بڑھتے نرمی سے اس کے بازو  
کو جکڑا اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔  
دور رہو مجھ سے اسفند یار خان۔۔ عابیر آنکھیں کھولتے  
بدحواس ہوتے چیخنی تھی۔

کیا سمجھتے تھے تم اسفند یار خان۔۔ تم میرے لالا کو مارو  
گے میں خاموش رہوں گی کہ تم نے اپنا انتقام لیا۔ خون  
کے بدلے خون۔۔۔ اور میں ساری عمر تمہاری عورت  
بن کر رہوں گی۔۔۔ میں اس حویلی میں رہنے والی عورت

ضرور ہوں۔ مگر ان حویلی میں رہنے والی عورتوں جیسی  
نہیں ہوں۔ تمہارے ذاتی حوس پرست شطان بھائی جو  
مجھ سے کئی گنا طاقتور تھا و کبھی اسے خود کو چھونے  
نہیں دیا۔۔۔ اس کے تھپڑ کھالیے تھے۔ مگر اس کے  
لبوں اور ناپاک باتھ کبھی مجھے چھو نہیں سکے۔ تم نے  
مجھے چھوا کیونکہ عابیر خان تمہیں دل سے اپنا شوہر مان  
چکی تھی۔ مگر تم آج اور ابھی سے ہر حق مجھ پر کھو چکے  
ہو۔ عابیر ہزیانی چیخنی تھی۔۔

Dramatic novels by Noor Asif

Written by Noor Asif

عابیر تمہارے لالا کو کچھ نہیں ہوا۔ وہ بالکل ٹھیک ہے  
-- میں نے اسے نہیں مارا۔ اسفندیار خان اسے دونوں  
بازوؤں کو جھنجھوڑتے ہوئے چیخا۔

عابیر جیسے یکدم ہوش میں آئی تھی۔۔۔ تم۔۔۔ تم  
آپ۔۔۔۔ سچ بول رہے ہیں میرے لالا کو کچھ  
نہیں ہوا۔ آپ نے مم میرے لالا کو کچھ نہیں  
کہا۔ عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے اسفندیار کی شرٹ مٹھیوں  
میں جکڑتے ہچکی لیتے پوچھا۔

نہیں کہا اور نہ کبھی کچھ کہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں تمہارے  
لالا کی طرف بڑھتی گولی بھی اپنے سینے پر کھالوں  
گا۔ اسفند عابیر کی بہتی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے اٹل  
لہجے میں بولا۔

سچ سچ کہہ رہے ہیں آپ --- عابیر اس کی آنکھوں میں  
دیکھتے روتے ہوئے بولی۔

بلکل سچ کہہ رہا ہوں اسفند یار کی جان زاران خانزادہ کے  
لیے وقف ہو چکی ہے۔ اسے کبھی ایک آنچ نہیں آئے  
گی۔ اسفند عابیر کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر جھکتے  
ہوئے اپنے رکھے تھے۔۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

عابیر اس کی سینے سے لگے اس کی شرٹ مٹھیوں میں  
جکڑے شدت سے رو دی تھی۔۔

اسفند اسے اپنے سینے میں شدت سے بھینچ چکا تھا۔۔  
لالا۔۔ عابیر زاران کو پکارتے روتے ہوئے اس کے  
سینے میں سما رہی تھی۔ اسفند نے گہرا سانس لیتے اسے  
مزید سینے میں بھینچا تھا۔۔ وہ کافی دیر تک روتے رہی۔  
یکدم وہ اس کے حصار سے الگ ہوئی تھی۔

اسفند نے اسے اپنے حصار سے دور کرتے اس پر گہری  
گرم نگاہ ڈالی۔ وہ آف وائٹ ڈریس میں ملبوس اس کے  
سامنے کھڑی تھی۔ جس میں اس کا کندن جیسا بدن



غضب ڈھا رہا تھب۔ سنہری سلکی بال کھلے تھے۔ رونے

کی وجہ سے عارض اور ناک سرخ ہو رہے تھے۔

وہ اس وقت بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔۔

اسفند اس کی طرف بے تابی سے بڑھا تھا وہ اپنے قدم

پیچھے کو بڑھا گئی تھی

اس کے پیچھے قدم بڑھانے پر اسفند کے قدم رکے تھے۔

اس کا چہرہ ابھی ابھی سرد ساٹھا تھا جہاں اس کے لیے

ہر جذبہ جیسے مفقود تھا۔

اسفند اگے بڑھتے اس کے آگے ہاتھ جوڑ گیا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

عابیر نے حیرت سے اسفندیار کے جڑے ہاتھ دیکھے  
تھے۔

عابیر میں اپنی ہر غلطی کی معافی مانگتا ہوں تم  
سے۔۔ تم سے ایک ریکویسٹ کروں گا میرے مرے  
ہوے بھائی کا ذکر آئندہ میرے سامنے مت کرنا۔۔ ورنہ  
میں پاگل ہو جاؤں گا۔۔ اسفندیار نے بھاری آواز میں کہتے  
اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ الجھن بھری نگاہوں  
سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کیوں نہ کروں ذکر وہ ایک ریپیسٹ تھا جس نے  
میرے لالا کی زندگی برباد کر دی۔۔۔ آپ نے اس کی وجہ  
سے میری تذلیل کی۔۔۔ مجھے کتنی اذیت دی۔  
تو کروں گا ناں ہر چیز کا مداوہ۔۔۔ چاہو گی تو ساری عمر  
باتھ جوڑ کر کھڑا رہوں گا۔ اسفند یار خان تڑپتے ہوئے چیخا  
تھا۔

وہ جیسا بھی تھا اس کا بھائی تھا اس کے بارے میں یہ  
سب سن کر وہ اندر سے مر گیا تھا۔ خون کے رشتے جیسے  
بھی ہوں مگر خون کی کشش مار دیتی ہے۔ وہ بھی آج

جیسے مر گیا تھا۔ نہ سر اٹھانے کے قابل رہا تھا نہ

مرنے کے قابل ---

کیوں معافی مانگیں گے اسفند یار خان۔۔۔ کیا ہوا

ہے؟؟ میرے لالا بے گناہ ثابت ہو گئے ہیں

کیا؟؟؟۔ عابیر نے اپنے آنسو صاف کرتے تحیر سے پوچھا۔

ہاں تمہارا لالا بے گناہ ہے۔ میرا بھائی بدکردار ظالم بے

حس شیطان ثابت ہو چکا ہے۔ اسفند استغزائیہ کرب

سے کہتے اپنی انگلیوں سے اپنی سرخ آنکھیں مسل گیا

تھا۔

Dramatic novels by Noor Asif  
Written by Noor Asif

عابریہ سنتے گھرے سانس لیتے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں  
میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

وہ کافی دیر کھڑے اسے روتے لرزتے دیکھتا رہا۔۔۔ وہ  
چاہتا تھا وہ آخری بار رو لے پھر وہ اسے کبھی رونے  
نہیں دینا چاہتا تھا۔

اسفند اس کے بچکولے بھرتے وجود کو دیکھتے اس کے  
قریب ہوا۔۔

مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں مجھے اپنی  
بانہوں میں بھر لو۔۔ اسفند اس کے چہرے سے ہاتھ  
ہٹائے التجائیہ لہجے میں بولا۔۔۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 112

مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ ٹوٹ کر بکھر رہا ہوں مجھے  
اپنی بانہوں میں بھر لو۔ اسفند اس کے چہرے سے ہاتھ  
ہٹائے التجائیہ لہجے میں بولا۔

عابیر نے اپنی آنکھیں اپنی ہتھیلیوں سے رگڑتے ابھرن  
بھری نگاہوں سے اسفند کی طرف دیکھا تھا جیسے وہ سمجھی  
نہیں تھی یا پھر سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سر نفی میں  
ہلاتے کئی قدم پیچھے کی جانب بڑھا گئی تھی۔  
ٹوٹ کر بکھری تو میں بھی تھی اس رات جس دن آپ  
مجھے چھوڑ کر گئے تھے۔ عابیر زخمی سا ہنسی تھی۔



سب مداوہ کر دوں گا ہر رات ہر زخم ہر اس بات کا جس کی  
وجہ سے تم نے تکلیف سہی۔

کیسے کریں گے مداوہ میرے ہر زخم ہر تکلیف ہر اس بات  
کا جس نے مجھے گھنٹوں رلایا تڑپایا۔  
عابیر نے استہزائیہ مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اپنی محبت سے کمھارے زخم زخم پر اپنے تشنہ لب رکھوں  
گا۔ میری بانہوں میں تمہیں کچھ یاد نہیں رہے گا۔ میرا  
وعدہ ہے تم سے۔ اسفندیار خان نے اس کے گال پر اپنا  
ہاتھ نرمی سے رکھا تھا۔

عابیر زخمی ساہنتے ہوئے آنکھیں بند کرتے اس کے ہاتھ  
پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔ موتی ٹوٹ کر عارض پر شدت

سے بکھرے تھے۔

اسفند نے دوسرے ہاتھ سے اس کے عارض پر بہتے آنسو

نرمی سے صاف کیے۔۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسفند

کی گرم نگاہوں کی حدت بڑھتی جا رہی تھی۔

عابیر کی آنکھوں سے شبنم گرتی اس کے عارض کا حصہ  
مسلل بن رہی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے  
ہوئے تھے۔

آپ مردوں کو ایسا کیوں لگتا ہے؟؟ آپ مرد عورت کو  
جتنی مرضی تکلیف دے دیں۔ ہر تذلیل ہر تھپڑ کا مداوہ

اسی مرد کا پیار ہے۔ جس نے اس عورت کو زخم دیتے  
اسے اپنی عورت تو دور انسان تک نہیں سمجھا تھا۔  
عابیر نے اپنے گال پر رکھے اسفند کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا  
دباؤ بڑھاتے زخمی لہجے میں سوال کیا تھا۔  
اسفند نے اس کے سوال پر اسے کمر سے جکڑے خود کے  
قریب کرتے اس کے بہتے آنسوؤں پر اپنے لب رکھتے

انھیں اپنے حلق میں اتارا۔  
عابیر اس کی شرٹ اپنی دونوں مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی

—  
اسفند اسے اپنے مضبوط بانہوں میں تھامے اس کے  
عارض پر بہتے آنسو دیوانگی کے عالم میں اپنے لبوں سے  
چن رہا تھا۔

عابیر زخمی سا مسکراتی اس کی دیوانگی اپنے عارض اپنے ہر  
نقش پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے  
پر حدت لبوں کی تپش سے اس کے نقوش کو جھلسا رہا تھا۔  
عابیر کی سانسیں اس کی دیوانگی پر بری طرح الجھ رہی  
تھیں۔۔۔ کب سہی تھیں مقابل کی اتنی دیوانگی اور تڑپ  
۔۔۔ کب چھو ا تھا اس نے ایسے کبھی۔



اسفند اس کے لبوں پر جھکے ایک بار پھر سے اس کی  
سانسیں اپنی گرم سانسوں میں انہیل کر گیا تھا۔  
عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس کی جنون  
خنیزی اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔  
اسفند اس کی کمر کو ایک ہاتھ سے جکڑے اس کے بالوں کو  
گدی سے جکڑے اس کے لبوں کو اپنی شدت سے

قدھاری کر رہا تھا۔ وہ اتنی شدت سے اس کے لبوں  
سے لپٹا تھا کہ عابیر کو اپنی سانسیں بری طرح اکھڑتی  
محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ اس کی شرٹ جکڑے اس کی شدت برداشت کر رہی  
تھی۔ اس کے لبوں پر اپنی جنون خیزی ہلکی سی خون کی  
بوند کی صورت میں وہ دے کر پیچھے ہوا تھا۔

یہ ہے آپ کا مد اوہ؟؟ عابیر گہرے سانس لیتے اپنے لبوں  
سے اس کی دی ہوئی سوغات خون کی بوند کی صورت میں  
لبوں پر چنتے گہرا مسکرائی تھی۔  
اسفند اس کے سوال اور انداز پر الجھن بھری نگاہوں سے  
اسے دیکھے گیا۔

لفظوں کی مار مارتے آپ عورت کی روح زخمی کر دیں اور  
تھپڑوں سے اس کا گال لال کر دیں گے اور مداوہ کریں  
گے راتوں کو اپنا بستر گرم کر کے۔۔ اس عورت کے بنا  
کپڑوں کے وجود کے ساتھ لپٹ کر۔۔ جائیے اسفندیار  
خان کوئی اور طریقہ ڈھونڈیے تاکہ میں آپ کو معاف

کرنے کا خود میں حوصلہ پیدا کر سکوں۔ عابیر استھزائیہ  
مسکراتے ہوئے بیڈ پر رکھی اپنی چادر کی طرف بڑھی  
تھی۔

اسفند اس کی طرف بڑھتے اس کا رخ اپنی طرف پلٹ گیا  
تھا

کیا چاہتی ہو پھر کیسے مناؤں تمہیں؟؟ جس چیز پر سوال  
اٹھا رہی ہو وہی ایک محرم کی محبت کا ثبوت ہوتی ہے۔  
رات کو مرد ہی صرف اپنا بستر گرم نہیں کرتا۔ اس  
عورت کو اپنی بانہوں میں بھر کر اسے وہ عزت دیتا ہے جو  
محرم بن کر وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ مرد اگر رات کو اس  
عورت کا حق ادا نہ کرے تو یہ عورت کی تذلیل ہے۔ وہ

اس کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف موڑتے گہری ہوتی  
سانسوں سے بولا۔۔۔ سامنے کھڑی سفاک پٹھانی کی  
سانسیں چھینے پر اس کی سانسیں بھی اکھڑ رہی تھی۔ وہ  
اپنی بے ترتیب سانسوں کو گہرے سانس لیتا ترتیب دے  
رہا تھا۔



میرے ہر سوال کا جواب تو آپ نے خود ہی دے دیا عابیر  
اسفند کی باتوں پر شبیہی آنکھوں سے زخمی سا ہنس پڑی  
تھی۔

پہلی رات کو مجھ سے اپنا حق اس لیے لیا کیونکہ آپ حویلی  
کی اس بہادر لڑکی جس نے اپنے شوہر کی کلائی پر چاقو دے  
مارا تھا۔ اس کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی بہادری چیک

کرنا چاہتے تھے کہ وہ آپ جیسے پہاڑی چٹان جیسے مرد کو  
کیسے برداشت کر سکتی ہے۔

ان الفاظ میں کہاں میرے لیے عزت تھی؟؟۔ کیا ایک  
شوہر اپنی سہاگ رات کو ایسے الفاظ اپنی بیوی کے بولتا ہے  
جو آپ نے بولے۔ ایسے لفظ تو ایک طوائف کے لیے  
بولے جاسکتے ہیں مگر بیوی کے لیے نہیں۔

عابیر۔۔۔۔۔ اسفند نے چیختے ہوئے اپنا ہاتھ اسے  
مارنے کے لیے اٹھایا تھا۔ مگر وہ ضبط سے گہرے سانس  
لیتا عابیر کو لہو اتری آنکھوں سے دیکھتے اپنے ہاتھ کو  
دبوچے پہلو میں گرا گیا

عابیر سرفنی میں ہلاتے گہرے سانس لیتے اسفندیار خان  
کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے اپنے عارض پر بہتے آنسو  
صاف کر گئی تھی۔

ساری رات آپ کی سفاک شدتیں سہتے گزاریں جس  
میں آپ صرف میرا ضبط اور میری گہرائیاں ماپ رہے  
تھے۔ ایک شوہر کی عزت کہاں تھی اس سب میں؟؟۔

میری بند ہوئی سانسوں میری رنگت میں اتری زردیاں  
میری آنکھوں سے بہتے آنسو آپ کمرے میں جلتی مدھم  
روشنی میں دیکھ کر سکون حاصل کر رہے تھے۔ ایک بار  
بھی آپ نے اپنے پر حدت لمس سے مجھے سکون پہنچانے  
کی کوشش نہیں کی۔ میرے درد کی اس رات آپ کو  
پردہ اتھی ہی نہیں۔ اسفندیار توجیت کے نشے کے احساس

میں تھا اس وقت۔۔۔ جس لڑکی نے کچھ دیر پہلے اسے  
چاقو مارا۔ اب وہی اسفندیار خان کی بانہوں میں بری  
طرح سسک رہی تھی۔ اسفندیار خان پوری طرح اس پر  
حاوی ہوئے اس کے بدن کی ہر گہرائی اس کے نازک  
حصوں پر اپنا حق جماتے بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا۔  
میرے چاقو مارنے پر آپ نے اپنے درد کی تسکین پوری

طرح اپنی شدتیں میرے نازک وجود پر ڈھاتے لیں۔  
کہاں عزت تھی اس رات ایک شوہر کی قربت میں۔  
ایک لمحہ ایک پل ایسا نہیں تھا جس میں مجھے ایک شوہر کی  
طرف سے عزت محسوس ہوئی ہو۔

پھر بھی ایک بیوی ہونے کا حق میں نے نبھایا۔ آپ کی  
قربت آپ کی سانسوں آپ کے لبوں کی تپش سے محبت



کی میں نے۔ آپ کے بدن کی خوشبو میری سانسوں میں  
رچ بس کر مجھے آپ کا اسیر کر گئی تھی۔ میں نے کبھی  
آپ کے حق کی تذلیل نہیں کی۔ اس رشتے کی تو ہمیشہ  
میں نے عزت رکھی۔ آپ نے کہاں اس رشتے کو اور  
مجھے ویلیو دی۔ عابیر کے سوالوں پر وہ اپنے جڑے بھینچ  
گیا تھا۔

اس کی طوائف والی بات پر ابھی تک وہ سلگ رہا تھا۔  
اور اگلی صبح کے لفظ آپ بھول گئے ہوں تو آپ کو یاد  
کرواتا ہوں۔ عابیر اسفند کی طرف بڑھتے اس کے  
قریب ہوئی تھی۔ اب دونوں کے درمیان ہاف انچ کا  
فاصلہ بھی نہیں تھا۔

Your punishment is the"  
"closness of your husband

وہ اس کے قریب ہوتے اپنی ایرٹھیاں اوپر کو اٹھا گئی تھی۔  
اس کی طرف جھکتے اس کے کان میں بھیگے لہجے میں مدھم  
سرگوشی کی۔

اسفند اب اپنی ظبط سے مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔ اس کے وجود  
کی نیلی رگیں ظاہر ہوئی تھیں۔

یہی کہا تھا ناں آپ نے پہلی رات مجھے بستر پر دھکیلتے  
ہوے۔ عابیر اسفندیار خان کی آنکھوں میں اب دیکھتے  
بولی تھی۔ اسفندیار خان لب بھینچے اس کی بھیگی ہیزل  
گرے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اور اگلی صبح کیا کہا آپ نے یاد تو ہو گا آپ کو۔۔۔ وہ اب پھر  
سے ہنسی تھی۔

نہیں نہیں یاد ہو گا آپ کو اسفند یار خان۔۔۔۔۔ کہنے والا  
بھول جاتا ہے۔ سننے والا ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ اور جو لفظ دل  
کو لگ جائیں وہ کہاں بھولتے ہیں۔ عابیر دل پر ہاتھ رکھتے

اسفند کی نیلی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے استہزائیہ  
مسکرائی تھی۔

اسفند کی سانسیں گہری ہوئی تھیں۔ اس کی سفاک پٹھانی  
تو سچ میں سفاک تھی وہ تو سب کچھ یاد رکھے ہوئے تھی۔  
!! تمہیں اب میں کبھی نہیں چھوؤں گا۔ سورج مشرق  
کی بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے۔ مگر اسفند یار خان

کو تمھاری اب بھی طلب ہو۔۔۔ یہ بھی نہیں ہو  
سکتا۔۔۔ کیونکہ تم وہ لڑکی ہی نہیں ہو۔۔۔ جس پر اس کا  
شوہر ایک بار نگاہ ڈالنے کے بعد دوسری نگاہ ڈالنے پر مجبور  
ہو جائے۔ آج کی رات تمھارے ساتھ بتانے کے بعد یہ  
مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے۔۔۔



You have lost your charm and  
" beauty to me

I will never come you" never"  
!!" ever my beautiful women

مچھ میں اتنا دم خم ہی نہیں مجھ میں وہ بات ہی نہیں جو  
آپ میرے قریب دوبارہ آئیں۔ یہی لفظ بولے تھے ناں  
آپ نے۔۔۔ عابیر نے چٹختے ہوئے کہا۔۔۔ وہ پیچھے کو

ہوئی تھی یکدم لڑکھڑائی تھی۔ اسفند اسے کمر سے تھام  
گیا تھا۔

عابیر نے اب کی بار اسفند کو تھاما نہیں تھا۔ وہ تو بس اس  
کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے جا رہی تھیو

آپ کو شاید اندازہ نہ ہو ایک بیوی اپنے شوہر کے لبوں  
سے یہ لفظ سن کر کیسا محسوس کرتی ہے؟؟ اور وہ بیوی جو  
ایک ہی رات میں اپنے شوہر کی اسیر ہو چکی ہو۔

اس جائز حق کی اس رشتے کی عزت کی تذلیل آپ نے  
کی۔ میں نے کبھی نہیں کی۔ آپ جب جب میرے

رات بھر جاگتے ہوئے اسفند یار خان کو سوتا ہوا دیکھ کر  
سوچتی تھی کہ اس میں ہی کوئی خاص بات نہیں جو اس کا  
شوہر اسے ہاتھ نہیں لگاتا۔ آپ نے حویلی کی اس  
کانفیڈنٹ لڑکی کی عزت نفس کو بری طرح مجروح کیا  
تھا۔ بہت الگ طریقے سے سزا دی آپ نے مجھے۔ دن  
رات لفظوں سے میری تذلیل نہیں کی۔ بستر پر مجھے

قریب آئے۔ مجھے دھتکارا۔۔ مجھے تھپڑ مارے۔۔  
لفظوں سے میری **تذلیل** کی۔۔ رات رات بھر میرے  
قریب ہوتے مجھے چھوا نہیں۔۔ کیسا لگتا تھا مجھے آپ کے  
پہلو میں سوتے ہوئے؟؟۔ اپنی خوبصورتی سے مجھے گھن  
آتی تھی۔ جس کا شوہر اس کی طرف **نظر** بھر کر نہ دیکھے  
وہ عورت مر جاتی ہے۔۔ حویلی کی وہ بہادر لڑکی رات

دن رات روندانہیں۔۔۔ نہ ہی بہت سے تھپڑوں کا آپ  
کا نشانہ بنی۔۔۔ مگر پھر بھی آپ نے عابیر کو گہرے زخم  
دیے جو اس کی روح پر لگے۔ کیونکہ آپ کی ذرا ذرا سی  
بات عابیر خان کی روح ہی زخمی کر جاتی تھی۔ عابیر اب  
کی بار روتے ہوئے بولی۔  
اسفند اس کی باتوں پر تڑپ اٹھا تھا۔



ایسا نہیں ہے اس ایک رات کی قربت کے بعد تمہیں ہی  
نہیں مجھے بھی تم سے محبت ہو گئی تھی۔ صرف تم ہی نہیں  
میں بھی ساری ساری رات سلگتا تھا۔ تمہارے پاس رہ کر  
تم سے دور رہنا بہت مشکل تھا۔ ہر پل میں مرتا تھا۔ ہر  
پل تڑپتا تھا۔ تمہیں کیا لگتا ہے تم مجھے راتوں کو دیکھتی  
تھی؟؟ میں سویا ہوتا تھا۔ تمہاری نظروں کی تپش اپنی

پشت اپنے چہرے پر محسوس کرتا تھا۔ کیسے تم جیسی عورت  
کے قریب آکر اس کا شوہر سو سکتا ہے؟؟ اس سے غافل  
ہو سکتا ہے۔ ایک آگ کا دریا تھا جس پر میں سفر کرتا تھا  
ننگی تلوار پر چلتا تھا میں۔۔

تم کتنی خوبصورت ہو۔۔ بہت الگ ساری دنیا کی عورتوں  
سے الگ۔۔۔ تمہارا سفند پہلی رات ہی تمہارا دیوانہ ہو

چکا تھا۔

اسفند اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے عارض پر  
اپنے دہکتے لب رکھ گیا۔ تم بہت خوبصورت ہو۔  
تمہارے لب تمہاری آنکھیں تمہارے گال۔ تمہارا  
خوبصورت بدن تمہاری سنہرے بال۔۔۔ صرف تم  
نے نہیں تمہارے اسفند یا رخاں نے بھی تمہیں سوتے

ہوے گھنٹوں دیکھا ہے۔ تمہارے نقوش کو گھنٹوں نرمی  
سے چھوا ہے۔۔ دیوانہ ہوں تمہارا۔۔ تمہارے بدن کی  
گلاب خوشبو کا۔ اسفند نرمی سے اب اس کی گردن پر  
اپنے لب رکھ رہا تھا۔

یعنی آپ سوتے نہیں تھے۔۔ میرے تڑپنے کا مزہ لیتے  
تھے۔ عابیر اسفند کو خود سے دور دھکیلتی ہذیان کی چیخی تھی۔

اسفند اس کے قریب ہوتا اس کے بالوں کو بے دردی  
سے جکڑ گیا تھا۔

مت دھکیلا کرو خود سے دور مجھے۔ نہیں برداشت کر سکتا  
تمہارا جھٹکنا۔ تم نہیں سمجھ سکتی تم میرے لیے کیا ہو؟؟  
۔۔ دیوانہ ہوں تمہارا۔۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔  
اتنی شدت سے تم سے محبت کرتا ہوں کہ۔۔۔۔

کہ آپ کی شدت بھری محبت سے مجھے نفرت ہو گئی۔۔  
عابیر اسفند کی بات کاٹنے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولی  
تھی۔۔

اسفند کی گرفت اس کے بالوں پر خطرناک حد تک  
مضبوط ہوئی تھی۔۔ عابیر بری طرح سسک کر رہ گئی۔۔

اسفند کی نیلی آنکھیں لہورنگ ہو رہی تھیں۔ ضبط کرنا  
مشکل تھا اپنی بے رحم سفاک پٹھانی کے منہ سے نفرت کا  
اظہار۔۔۔ وہ تڑپ کر مر رہا تھا۔ وہ تو کبھی نفرت بھرے  
لفظ نہیں بولتی تھی۔۔

محبت تب آپ مجھ سے شدت سے کرتے۔ جب کسی بھی  
صورت میں آپ کا انتقام نہ بنتی۔۔ جس عورت کو اپنے



تمام گھر والوں کے سامنے اپنا انتقام کہا جائے وہ صرف  
بدلہ ہو سکتی ہے۔ نفرت ہو سکتی ہے محبت نہیں۔۔۔ عابیر  
نے سسکی لیتے کہا۔

اپنے بھائی کی تکلیف کا سن کر کیسے تڑپ اٹھتی ہو؟؟۔۔  
اسے کچھ ہونہ گیا ہو تھاری سانسیں بند ہو رہی تھیں۔۔  
کس طرح تم اپنے حواس کھو بیٹھی تھی ایک بار میری جگہ

خود کو رکھ کر سوچو۔۔ مجھے بھی ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی  
۔۔ تمہارے لالا کو سزا دینا چاہتا تھا تمہاری صورت۔  
کیا کرتا؟؟ میں اسے مار نہیں سکتا تھا کیونکہ جگری یار تھا  
میرا۔ یہاں بستا تھا۔ اسفند اپنے سینے پر مکے مارتے  
ہوے بولا تھا۔ جو یہاں بستا ہو کیسے اس کے سینے پر گولی  
چلا دیتا۔ وہاں اس کی سانسیں بند ہوتی تو اسفند کی

سائیں بھی بند ہو جائیں۔۔۔ تمہیں سزا دی مگر خود زیادہ  
سزا سہی۔۔ ایک پل کے لیے میری تکلیف بھی  
سوچو.. کیسے بدلہ لیتا اپنے جوان بھائی کی موت کا بتاؤ  
مجھے؟؟۔ کیا آپشن تھا میرے پاس۔۔ جواب دو مجھے۔۔  
اسفند اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔

تویہ آپش تھا آپ کے پاس کہ ایک عورت سے آپ اپنے  
جوان بھائی کی موت کا بدلہ لیتے۔ جس کا اس میں کوئی  
قصور نہیں تھا۔ جو دونوں بار نکاح کرنے پر مجبور ہوئی۔  
میں نے بتایا تھا آپ کو آپ کے بھائی کے بارے میں۔  
اس نے مجھے سیڑھیوں سے دھکا دیا۔ میں نے بتایا تھا آپ  
کو آپ کے بھائی کے غیر عورتوں کے ساتھ تعلقات

ہیں۔ میں نے بتایا تھا آپ کو آپ کا بھائی ایک ریپسٹ  
تھا۔۔۔ کیوں نہیں تحقیق کی آپ نے۔۔۔ جو دوست  
آپ کے سینے میں بستا تھا اس پر اعتماد کیوں نہیں کیا؟؟  
عابیر کی باتوں پر اسفند اس سے دور ہوتے گہرے سانس  
لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

بابرک کے لیے یہ لفظ سننا اسے پاگل کر رہا تھا۔ ساری  
دنیا اسے ریپسٹ ذاتی کہہ سکتی تھی مگر وہ نہیں سن سکتا  
تھا۔ وہ جیسا بھی تھا اس کا بھائی۔

میرے سچ بولنے پر تھپڑ مار کر چپ کر وادیا۔ اسفندیار  
خان تو اتنا کمزور نہیں تھا اور نہ ہی پوری طرح اپنے بھائی  
کے کرتوتوں سے لاعلم۔۔ ایک بار تو تحقیق کرواتے۔

مگر نہیں آپ نے نہیں کروائی کیونکہ آپ ہارنا نہیں  
چاہتے تھے۔ آپ کو اپنے بھائی کے جرموں پر پردہ ڈالنا  
تھا۔ اپنی بیوی اور دوست کا رشتہ نبھانے سے زیادہ آپ  
اپنے بھائی کے ساتھ رشتہ نبھا رہے تھے۔ آپ کو  
زیادہ آسان لگا اس عورت کو تکلیف دینا جو آپ کے عشق  
میں پاگل تھی۔ کیونکہ بدلے میں وہ عورت ہمیشہ



آپ کی رہتی۔۔ اس عورت کی آنکھوں میں جنون دیکھ  
چکے تھے آپ۔۔۔ اپنے بھائی کی سچائی سامنے آنے پر  
آپ کی نظریں جھک جاتی جو آپ نہیں چاہتے تھے۔۔  
اسفند اب بے ترتیب سانسوں کے ساتھ اسے بے بسی  
سے دیکھ رہا تھا۔

مجھ سے پوچھا۔۔ میں آپ کی جگہ ہوتی کیا کرتی؟؟۔۔  
اسفندیار میں کبھی آپ کی طرح نہ کرتی۔۔ جو غلطی آپ  
نے کی ہی نہیں میں کبھی آپ کو سزا نہ دیتی۔۔ کبھی اس  
پاک رشتے کی تذلیل نہ کرتی۔۔ عابیر اپنے آنسو صاف  
کرتے سپاٹ لہجے میں بولی۔

ابھی کیا کر رہی ہو؟؟ اس رشتے کی تذلیل نہیں کر رہی۔  
اپنے شوہر کو دھتکار نہیں رہی۔ اس کی محبت کو اپنے  
لفظوں سے اس کے منہ پر نہیں مار رہی۔ اسفند اسے  
بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر گیا۔

اسفندیار خان تذلیل پتہ ہے کیا ہوتی ہے بتاؤں آپ  
کو۔ تذلیل وہ ہوتی ہے جو آج سے سات ماہ پہلے آپ

نے سب گھروالوں کے سامنے میری کی۔۔۔  
کیا کہا تھا آپ نے مجھے۔۔۔

!! تم مجھے کبھی نہیں بھول سکتی مسسز اسفندیار خان۔۔۔  
جو لڑکی میرے ذرا سے نزدیک آنے پر ہر بار پگھل جاتی  
تھی۔ جو میرے نفرت کے اظہار کے باوجود ہر بار مجھے

خود کو سوہنتی رہی۔ جس لڑکی کے نزدیک اپنی آنا اپنی  
عزت نفس سے عزیز اس کی محبت ہو۔ جو لڑکی میری بے  
رحم شدتیں سہتے کبھی لبوں سے آہ نہ نکالے۔ بلکہ  
میرے سینے میں چھپے خود کو میرے حوالے ایسے کرے  
کہ جیسے وہ کھلونا ہو۔ وہ لڑکی مجھے کبھی نہیں بھول سکتی!!  
عابیر اس کے لفظ یاد کرتی زخمی لہجے میں بول رہی تھی۔

ٹھیک کہا تھا آپ نے۔۔ آپ جیسے انسان کو اپنے قریب  
آنے دینا میری غلطی تھی۔۔ آپ جب جب میرے  
قریب آئے میں خود کو آپ کو سوہتی رہی۔۔ اسی لیے  
میرا مقدر آپ کی دی ہوئی ذلت ٹھہری۔۔ میں خود کو  
نہ گراتی آپ کبھی مجھے نہ گراتے۔۔ اب اور نہیں میں  
اپنی تذلیل میں کبھی بھول نہیں سکتی۔۔

عابیر نے سپاٹ لہجے میں کہتے بیڈ پر پڑی اپنی چادر سے خود  
کو اچھی طرح لپیٹا تھا۔

عابیر میں جھک رہا ہوں اس لیے تم مجھے معاف نہیں کر  
رہی۔۔۔ میرا جھکنا تم میں اکڑ پیدا کر چکا ہے۔۔۔ غلطی  
میری ہے جو تم سے معافی مانگ رہا تھا۔ بیوی ہو میری  
۔۔۔ مجھے تم سے سیدھا سیدھا اپنا رشتہ نبھانا چاہیے۔۔۔



اب مجھے ممھاری معافی کی ضرورت نہیں۔۔ چادر سے  
اچھی طرح خود کو لپیٹو۔۔ حویلی چلتے ہیں۔۔ کمرے میں  
چل کر باقی باتیں کریں گے۔۔ مجھے آج رات اپنی بیوی  
اپنی بانہوں میں چاہیے تو امید کرتا ہوں۔ جس طرح ہر  
بار ایک اچھی بیوی ہونے کا ثبوت دیا۔۔ آج بھی دوگی۔

اسفند نے اس کے قریب ہوتے اس کی ٹھوڑی پکڑے  
سرد لہجے میں کہا۔

یہ ہیں آپ اصل میں اسفند یا رخاں۔۔۔ یہی ہے آپ  
کی اصلیت۔۔۔ عابیر نم آنکھوں سے مسکرائی تھی

---

لیکن عابیر خان اب وہ عابیر نہیں رہی۔ جتنے بھی زخم  
کھائے وہ محبت میں کھائے۔۔۔ اب نہیں۔۔۔ عابیر نے  
جواباً سر دلچے میں کہا۔

کیا ہوا ہے عابیر خان کو ہاں۔۔۔ کیسے بدل گئی عابیر  
خان۔۔۔ ان چند دنوں میں۔۔۔ ہاں بولو۔۔۔ سات ماہ  
عابیر خان نے ہر پل اسفندیار خان کی جدائی کا ماتم منایا

ہے۔ راتوں کو روتے ہوئے تکیے میں منہ چھپائے اسفند  
یار خان کو تڑپتے ہوئے پکارا ہے۔۔ اسفند اس کا بازو  
دبوچے غرایا تھا۔

میں کبھی آپ کے لیے نہیں روئی۔۔ عابیر خان اتنی  
آرزاں نہیں جو اپنی تذلیل کرنے والے انسان کے لیے  
روئے۔

عابیر جو اباسپاٹ لہجے میں غرائی تھی۔

جھوٹ مت بولو مسسز عابیر اسفندیار خان۔۔۔ اپنی  
آنکھوں سے تمہیں دن رات روتے تڑپتے ہوئے دیکھا  
ہے۔۔۔ اس دن بھی میرے چھوڑ کر جانے پر تم ڈائلاگ  
بول رہی تھی کہ عابیر خان کے دل نے اسفندیار خان کو  
طلاق دے دی ہے۔۔۔ تم صرف ڈائلاگ بولتی ہو ورنہ



کے دل نے اسی دن اسفندیار خان کو طلاق دے دی  
تھی۔ جس دن اس اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ عابیر ٹوٹے  
لفظوں سے بمشکل بولی تھی۔

میرے پاس ثبوت ہے تمہارے رونے تڑپنے سسکنے کا۔  
اس لیے یہ تماشہ بند کرو۔ اسفندیار غصے سے استہزائیہ  
لہجے میں بولا۔



ثبوت کیسا ثبوت؟؟۔۔ عابیر نے ابجھن بھرے لہجے میں  
استفسار کیا۔۔

تمہیں کیا لگتا ہے ان سات ماہ میں تم سے غافل رہا۔۔ تو  
سنو مسسر اسفندیار خان۔۔۔ اسفندیار خان نہ تم سے  
غافل رہ سکتا ہے نہ تمہیں کبھی چھوڑ سکتا ہے۔۔ میں  
سات سمندر پار ضرور تھا۔ مگر تم ہر پل میری نظروں

کے سامنے ہوتی تھی۔ کمھارے بین سنے ہیں میں نے  
رات رات بھر۔ میری تصویر کو رات رات بھر سینے  
لگائی تڑپی ہو روئی ہو۔ محبت نہیں عشق کرتی ہو تم مجھ  
سے۔۔ میری دیوانی ہو تم۔۔ عابیر خان اسفند یار خان کی  
دیوانی ہے۔۔ اسفند کے لفظ سنتے عابیر مسلسل سر نفی میں  
ہلا رہی تھی۔

کک کیسے؟؟ عابیر نے روتے ہوئے سر لفی میں ہلایا۔  
ہمارے کمرے میں میں نے کیمرے نصب کیے تھے۔  
ہر پل تمہیں دیکھا ہے میں نے ان کیمروں میں۔ اسفند  
یار خان نے گہرے سانس لیتے کہا۔  
اسفند کی بات سنتے عابیر کا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں آیا  
تھا۔۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ اس حد تک گر سکتے ہیں۔۔۔ آپ یہ  
لگ کیسے کر سکتے ہیں۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ نے  
مم۔۔۔۔۔ مجھ پر نظر رکھی تھی۔۔۔ مم۔۔۔ میری  
۔۔۔۔۔ تڑپ کا۔۔۔ مزا لے رہے تھے۔ عابیر کے  
لبوں سے لفظ بمشکل ہی ادا ہوئے تھے۔

بیوی ہو میری تم میری عورت۔۔۔۔۔ تم پر نظر رکھ  
سکتا ہوں۔۔ اس میں گرنے کی کیا بات ہے۔۔ تمہارے  
کمرے میں ہی نہیں تمہارے چینجنگ روم میں بھی  
کیمرے لگوا سکتا ہوں۔ حق رکھتا ہوں تم پر۔۔ اسفند  
غصے سے اسے قریب کر گیا تھا۔

نہیں اسفندیار خان آپ میرے چینجنگ روم میں بلا  
آجارت آسکتے ہیں۔ مجھے چینج کرتے ہوئے بھی دیکھ  
سکتے ہیں۔

مگر کیمرے لگانے کا آپ کو کوئی حق نہیں تھا۔ آپ نے  
میری انسلٹ کی ہے۔ آپ نے میرے جذبات کا مذاق  
اڑایا ہے۔ آپ کی مراد انہ آنا کو سکون ملتا تھا مجھے دن

رات تڑپتے دیکھ کر۔۔ آپ کے بدلے کی آگ ٹھنڈی  
ہوتی تھی۔ عابیر اسے خود سے دور دھکیلتی چیختی تھی۔۔  
عابیر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔ تمہیں دیکھے  
بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ تم میرے لیے تڑپتی تھی میری  
مردانہ آنا کو سکون نہیں ملتا تھا۔ میرے اندر تمہارے  
لیے دہکتے جذبوں کو سکون ملتا تھا کہ جتنا میں تمہارے



لیے تڑپتا ہوں اس سے کئی زیادہ تم تڑپتی ہو۔۔۔ وہ عابیر  
کے قریب ہوتا تڑپتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر  
گیبا۔۔

اسفندیار خان جھوٹ۔۔۔۔۔ سب کچھ جھوٹ اب پتہ چلا  
آپ واپس کیوں آئے ہیں؟؟۔۔۔ مجھے براک کے ساتھ  
ہنستا مسکراتا نہیں دیکھ سکے۔۔۔ آپ کے لیے میری تڑپ

کم ہوئی بلکہ ختم ہو گئی آپ برداشت نہ کر سکے اور واپس آ  
کئے اور وجہ بیان کی کہ آپ غیرت کی وجہ سے واپس  
آئے کہ آپ مجھے دارم خان کی حویلی میں برداشت نہ کر  
سکے۔۔۔ بلکہ وجہ یہ تھی کہ آپ مجھے ہسنتا مسکراتا خوش  
نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر میں خوش رہتی تو اسفندیار خان  
کا انتقام کیسا پورا ہوتا

اور اب جب آپ کو پتہ چلا بابر ک گناہ گار ہے اور میر الالا  
بے قصور تو آپ نے سوچا اپنا پرانا رشتہ میرے لالا اور  
اپنی بیوی سے کیوں نہ استوار کر لیا جائے۔ عابیر چیختے  
ہوے بولی تھی۔

ایسا نہیں ہے کہ صرف تم میری غیرت ہو۔ تم عشق ہو  
اسفندیار خان کا۔ تم پر ہوا کا گزر بھی برداشت نہیں کر

سکتا۔ اتنا پوزیسیو ہوں تمہیں لے کر۔۔۔ تم دارم کی  
حویلی می رکی یہ ایک شوہر برداشت نہیں کر سکا کیونکہ تم  
میرا جنون ہو۔۔۔ تم پر کسی کا سایہ برداشت نہیں۔ اسفند  
گھمبیر آواز میں بولا۔۔۔

اور بتاؤ مجھے میرے لیے تمہاری تڑپ کیسے ختم ہو گئی بتاؤ  
مجھے۔۔۔۔ کیسے ہو سکتی ہے۔۔۔ وہ دیوانگی کے عالم میں

اس کے بال مسھی میں جکڑتے تڑپتا ہوا غرایا تھا۔  
عورت محبت کرتی ہے۔ ٹوٹ کر کرتی ہے۔۔ عبادت  
سمجھ کر کرتی ہے۔ اس میں شرک کا سوال ہی نہیں  
ہوتا۔ لیکن اگر اس کی محبت میں شرک کیا جائے۔ تو وہ  
جواباً شرک نہیں کرتی بلکہ اپنا مہذب ہی بدل دیتی ہے۔

آپ کے لیے تڑپنا تو دور کی بات آپ کو سوچنا بھی اب  
عابیر خان اپنی توہین سمجھتی ہے۔۔ عابیر سفاکیت سے  
بولتے اسے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔  
اسفند اس کی باتیں سنتا پاگل ہوا تھا۔  
میں نے کبھی تمہاری محبت میں شرک نہیں کیا۔ میں  
نے تمہارے علاوہ کبھی کسی دوسری عورت کو نہیں

دیکھا۔ وہ سب میں سمجھیں تڑپانے کے لیے کہتا تھا۔  
میں صرف تمہارا ہون میرا یقین کرو۔ اسفندیار خان  
اس کی طرف دیکھتے تڑپتے ہوئے بولا۔  
کیسے یقین کروں میں؟؟ آپ کے منہ سے ہی دوسری  
عورت کے متعلق لفظ سنے ہیں۔ اپنی مورے کو بتا رہے  
تھے کہ آپ کی زندگی میں دوسری عورت ہے۔ اور



میرے سامنے آپ نے اقرار کیا تھا کہ آپ میرا حق اسے  
دے چکے ہیں۔ میں ایک پل کے مان لیتی ہوں کہ آپ  
نے مجھے تڑپانے کے لیے ایسا کہا۔ لیکن کیوں اسفندیار  
خان؟؟ کیوں آپ مرد عورت کو زیر کرنے کے لیے  
دوسری عورت کا نام لیتے ہیں۔ اگر عورت ایسا کرے تو  
اس کا سر دھڑ سے اسی ٹائٹم الگ کر دینے کی دھمکی دیتے

ہیں۔ اور اگر عورت کی باتوں میں ذرا سی بھی سچائی ہو تو  
اس کا سر دھڑ سے الگ بھی کر دیتے ہیں۔

بند کمرے میں دوسری عورت کا ذکر کر کے آپ میری  
توہین کرتے ہی تھے۔ اپنی مورے اور حویلی کی  
ملازماؤں کے سامنے دوسری عورت کے ساتھ تعلقات کا  
اقرار کرتے بھی آپ نے میری توہین کی۔ جس طرح

درخشاں اور دوسری ملازمائیں مجھے ترحم امیز نگاہوں سے  
دیکھ رہی تھیں۔

میرے دل سے آپ اسی دن اتر چکے تھے۔ ایسی  
غیرت آئی مجھے کہ آپ میرے دل سے اتر گئے۔ عابیر  
اسفندیار خان کا گریبان پکڑ کے چیخی تھی۔

اسفندیار خان نے بے بسی سے عابیر کو دیکھتے اسے کے  
اس ہچکولے بھرتے وجود کو اپنی بانہوں میں بھرنا چاہا۔  
عابیر بدک کر پیچھے ہوئی تھی

کہا تھا آپ سے جس دن میرا لا لے گناہ ثابت ہوے میں  
آپ کو سزا سناؤں گی۔ کل آپ نے مجھے سزا سنائی اور

میں نے وہ سزا سہی۔ آج میں آپ کو سزا سناؤں گی آپ  
کو سہنی پڑے گی۔

عابیر خبردار کوئی بکو اس کی کوئی ایسا ویسا لفظ منہ سے نکالا  
جان سے مار ڈالوں گا۔ تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔  
چاہے تمہارا لالا مجھے جان سے مار ڈالے۔ اسفند غرایا  
تھا۔

اسفندیار خان میں نے کہا تھا آپ کی سزا یہ ہوگی آپ کو  
میری قربت نہیں ملے گی۔ آپ میرے قریب نہیں  
آئیں گے۔ اب چاہیں تو یہ سزا براشت کریں چاہیں تو  
مجھے چھوڑ کر کسی دوسری عورت کو اپنالیں۔ اب عابیر کو  
کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عابیر اپنا فیصلہ سنا تی دروازے کی  
طرف بڑھی تھی۔

اسفند اس کی طرف بڑھتے اسے کلانی سے جکڑے بیڈ پر  
دھکیل چکا تھا۔

بکو اس بند کرو اپنی تم۔۔۔ میری زندگی میں نہ کوئی  
عورت ہے ناں کبھی آئے گی۔ اور تمہارے قریب میں  
آؤں گا۔۔۔ چاہے تم آجائز دو یا نہ۔ دو۔ اسفند اس کی  
طرف بڑھتا اس کے بال دبوچے اس کے لبوں پر جھک



چکا تھا۔ عابیر نے پوری قوت سے اسے خود سے دور  
دھکیلا تھا۔ وہ مزید اس پر حاوی ہوا۔۔۔ وہ بنا رحم کھائے  
پر اس اپنی شدت نچھاور کرتے اس کے لفظوں کا زہر اتار  
رہا تھا۔۔۔ جو اس کے جسم و جاں کو نیلا کر چکے تھے۔۔۔ اس  
عورت پر وہ اپنا تسلط کبھی ایک پل کے لیے ختم نہیں کر  
سکتا تھا۔ اس کی باتیں اسفندیار خان کو پاگل کر رہی

نہیں۔ وہ تو مر رہا تھا اگر یہ عورت اس کے پاس نہ رہی تو  
کیا رہے گا اس کے پاس وہ تو مر ہی جائے گا۔  
عابیر نے اسفندیار خان کی شرٹ کی پاکٹ میں ہاتھ  
مارتے ہوئے اس کا موبائل نکالا تھا۔ اسفندیار بے خود سا  
اس کی باتوں کا سارا جنون اس کے لبوں پر اتار رہا تھا۔

اسے محسوس ہی نہیں ہوا عابیر اس کا فون نکال چکی

ہے۔۔

عابیر نے فون نکالتے زارا ان کا نمبر ڈائل کیا جو دو چار بیل

پر اٹھا لیا گیا تھا۔

عابیر نے جلدی سے سپیکر آن کیا۔

ہیلو۔۔۔ زاران کی آواز پر اسفندیار خان ہوش کی دنیا میں  
واپس آیا تھا۔۔۔ وہ سرعت سے پیچھے ہوا۔ عابیر کے  
ہاتھوں میں موبائل فون دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔  
عابیر اسفندیار خان کو دیکھتے موبائل کان سے لگا چکی  
تھی۔

لالا۔۔۔ مجھے یہاں سے لے جائیں پلیز لالا۔۔۔ عابیر  
گہرے سانس لیتے فون پر روتے ہوئے بولی۔۔  
اسفند بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔  
کہاں ہو تم؟؟ زار ان کی پریشان آواز گونجی تھی۔۔  
عابیر کی سسکیاں بڑھی تھیں۔۔

کہاں ہو تم؟؟۔۔۔ اب زاران دھاڑ سپیکر پر سنائی دی  
تھی۔۔۔

اسفند عابیر سے موبائل لیتا کان سے لگا چکا تھا۔  
عابیر میرے ساتھ ہاسپٹل میں ہے۔۔۔ اسفند عابیر کی  
طرف زخمی نظروں سے دیکھتے آہستگی سے کہتا فون بند کر  
چکا تھا۔

عابیر اسفند کو دیکھتے رخ پھیر چکی تھی۔۔  
اسفند کافی دیر تک سرخ زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا  
پھر وہ اٹھتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

---



شہرام بہارے کے قریب بیٹھا آہستگی سے اس کے بالوں  
میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ ہاسپٹل سے ڈاکٹر ماہین آکر

اسے چیک کر گئی تھی اس کا بی پی ہائی ہو گیا تھا جس کی وجہ  
سے وہ بہوش ہو گئی تھی۔

شہرام لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے مائیگرین کا مسئلہ تھا  
مگر اس کا بی پی اب ہائے رہنے لگا تھا جو کنٹرول نہیں ہوتا  
تھا۔

شہرام نے گہرا سانس بھرتے اسے دیکھا۔ اسے ایسے دیکھ  
کر اس کی جان لبوں پر سچی ہوئی تھی۔  
اسے کھونے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔  
اس کا عشق تو دتھی اب تو اس کے بچے کی ماں تھی وہ اسے  
اپنی جان سے بھی بڑھ کر تھی۔

شہرام اس کے سلی بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیر رہا  
تھا جو الجھے سے تھے۔ جن میں اس نے شلد برش کرنا  
چھوڑ دیا تھا۔ جانتا تھا اس کی بیوفائی کی سزا وہ اپنے بدن  
کے ہر حصے سے لے رہی تھی۔ نہ کھانا کھا رہی تھی نہ  
میڈیسن نہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔

شہرام نے گہرا سانس لیا تھا۔ پتہ نہیں اس کی بہارے اس  
کا یہ جرم کب معاف کرے گی۔ وہ کرب زدہ نگاہوں  
سے دیکھ رہا تھا اس کے بے جان وجود میں ہلچل ہوئی۔  
بہارے نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے جکڑتے اپنی  
آنکھیں کھولی تھیں۔ شہرام کو اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر  
اس کی آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

میری بہارے۔۔۔۔۔ شہرام نے جھکتے ہوئے اس کی  
سرد پیشانی پر اپنے گرم لب رکھے تھے۔۔  
بہارے نے استہزائیہ مسکراتے ہوئے اس کے لبوں کی  
تپش اپنی پیشانی پر محسوس کی تھی۔  
شہرام نے نرمی سے اب اس کے عارض پر لب رکھے  
تھے۔۔

وہ بے یقینی سے شہرام کو دیکھ رہی تھی۔ جو اس پر گہری  
گھٹا بن کر چھایا تھا۔

اس کو مکمل طور پر اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ مگر  
اپنا وزن اس کے پیٹ پر نہیں ڈالے ہوئے تھا۔  
بہارے اس کی سیاہ شرٹ مٹھیوں میں جکڑ چکی تھی۔



پہلے بھی تو ایسے ہی کرتا تھا جب بہرام پیٹ میں تھا ایسے  
ہی اس پر رات رات بھر گھٹا بن کر چھٹاتا تھا مگر اس  
کے پیٹ پر اپنا ذرا وزن نہیں ڈالتا تھا۔

اس کی شدتوں میں آگ ہوتی تھی مگر وائلڈ پن نہیں ہوتا  
تھا۔ اتنی نرمی سے اسے چھوٹا تھا وہ خود حیران ہوتی  
تھی۔۔۔ شہرام اب نرمی سے اس کے عارض کو چھوتے

اس پر اپنی لہنی موچھیں رب کر رہا تھا۔ بہارے اب ہلکا  
ساہنس پڑی تھی۔ اس کی عادت تھی کبھی اس کے عارض  
کبھی اس کی گردن پر اپنی گھنی موچھیں رب کرتا رہتا۔  
اور وہ اس چھن پر مصنوعی سا اسے گھورتے اس کے سینے  
پر مکے مارتی تھی۔ یاد بی آواز میں چیختی تھی۔ وہ اسے خود  
کے قریب کرتے غصے سے مزید اس کے عارض پر اپنی

موچھیں رب کرتا۔ وہ تب ہنستے ہوئے اس کے ساتھ  
لیٹتے اس کی گردن پر اپنے دانت گاڑتے اس کا موچھیں  
رب کرنے کا بدلہ لیتی۔

بہارے نے نرمی سے اس کی موچھوں کو اپنی کپکپاتی  
انگلیوں سے چھوا تھا۔ وہ اس کی کلائیوں کو جکڑے اس  
کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔

بہارے کی آنکھوں سے شبنم بہتی عارض پر بھی تھی۔  
وہ اس کی سانسوں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے اس کے  
لبوں کی نرم ہٹیں محسوس کرتے آنکھیں موند چکا تھا۔  
بہارے نے پر سکون ہوتے اپنی آنکھیں موندیں۔ اس  
ستم گرفت کے حصار میں وہ بھول ہی چکی تھی ان کے بیچ  
کوئی دوری بھی کبھی آئی تھی۔ اسے تو یہ شہرام خان

وہی شہرام خان لگا جو آج سے کچھ دن پہلے اس کے لیے  
تھا۔ جو سات ماہ اس کا بن کر رہا۔۔۔ اسے خود سے بھی  
زیادہ سینت سینت کر رکھا۔

شہرام اس کے لبوں سے ہوتا اب اس کی گردن پر آیا تھا۔  
اب وہ اپنے دہکتے لب اس کی گردن پر رکھ رہا تھا۔ اس کا  
ایک ہاتھ اس کی کمر پر لپٹے ہوئے اس کی فرائ کی زپ پر

سر سرار ہاتھا۔ جسے وہ نرمی سے کھول چکا تھا۔ اس کی کمر  
پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے وہ اس کی فراک کندھوں سے  
نیچے کھسکا چکا تھا۔ اس کے لبوں کا رخ نرمی سے اس کے  
کندھوں سے ہوتے اس کی دھڑکنوں پر تھا۔ وہ بہت نرمی  
سے اس کی دھڑکنوں کو اپنے لبوں سے چھو رہا تھا۔

بہارے کو اپنے بدن میں سرد سی لہرا تھتی محسوس ہوئی  
تھی۔۔ شہرام کا لمس برف کی مانند ٹھنڈا محسوس ہوا۔  
اس کے لبوں کی گرمی محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔

!! میں نے بیوفائی کرنے کا سوچا ضرور تھا مگر بیوفائی کی  
نہیں۔!!



شہرام کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔ وہ سجا ہوا بیڈ  
وہ گھر نظروں کے سامنے آیا تھا۔ جو اس نے آیزل کے  
نام کیا تھا۔ وہ بیچ جس پر وہ اپنی سہاگ منانے کا سوچ رہا  
تھا۔ اس کا حق کسی دوسری عورت کو دینے کا سوچ رہا  
تھا۔

بہارے جیسے پیرالائز ہوئی تھی۔ وہ اب ہل بھی نہیں پا  
رہی تھی۔ آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے۔  
وہ اسے خود سے دور دھکیلنا چاہتی تھی۔ مگر دھکیل نہیں  
رہی تھی۔ عجیب سا خوف اس کے گرد گھیراؤ کیے ہوئے  
تھا۔ جیسے وہ اسے خود سے دور کرے گی وہ دوسری  
عورت کے پاس چلا جائے گا۔ وہ جانتی تھی شہرام خان

اس وقت اس سے سکون حاصل کر رہا ہے۔ اس کی عادت تھی وہ اس میں بنا سمائے بھی اپنے لبوں سے اس کے پورے بدن پر مہریں لگاتے سکون حاصل کرتا رہتا تھا۔ وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد بھی اس کے بدن کو اپنے لبوں سے نرمی سے چھوتتا رہتا تھا۔ ان گزرے سات ماہ میں بہرام کے پیٹ میں ہونے کی وجہ

سے وہ اسے بانہوں میں بھر کر اس کے بدن کو لبوں سے  
ساری ساری رات چھوتا مگر اپنا حق نہیں لیتا تھا۔  
بہارے کرب سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ اتنی محبت  
کرنے والے شوہر کی بیوفائی وہ بھلا کیسے بھلا سکتی تھی۔  
وہ ایسی ہی محبت کسی اور سے کرنے کا خواہشمند تھا اسے

اس کے علاوہ بھی کسی اور عورت کی ضرورت تھی۔  
بہارے افیت کی انتہا پر سوچتے مر رہی تھی۔

!! تو بھول جائیں پھر آپ کا مجھ سے کیا رشتہ ہے۔۔ آپ  
تو بھولنے کا آرادہ رکھتی ہیں میں بھول چکا ہوں میرا آپ  
سے کیا رشتہ ہے !!

بہارے نے اس ستمگر کے لفظ یاد کرتے گہرے سانس  
لیے تھے۔

!! اگر چاہتا تو بہت پہلے اسفندیار خان کو امریکہ سے  
پاکستان بلا لیتا۔ ایک دھمکی دینے کی دیر تھی۔ اپنی بہن  
کی خاطر اسفندیار خان سر کے بل چلتا ہوا یہاں آتا۔ اتنا تو

میں جانتا ہوں اسفندیار خان جیسا پتھر دل انسان بھی اپنی  
بہن کو طلاق یافتہ نہیں دیکھ سکتا تھا!!  
بہارے کو اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہوئیں۔ اب  
اسے گولی چلنے کی آواز سنائی دی تھی۔ اور اسفندیار خان  
کی بے بس نگاہیں۔



بہارے نے پوری قوت سے شہرام کو خود سے دور دھکیلا  
تھا۔

شہرام اس کے دور دھکیلنے پر سرعت سے پیچھے ہوئے تھا

بہارے جلدی سے بیڈ سے اٹھنے لگی۔

شہرام نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے احتیاط سے  
بٹھانے کی کوشش کی۔۔ بہارے غصے سے اس کے ہاتھ  
جھٹک چکی تھی۔۔

شہرام نے دور ہوتے اسے جبرے بھینچتے اسے دیکھا تھا۔  
جو شہرام خان باہر تھا وہ والا روپ دکھاؤ نہ مجھے۔۔۔  
کمرے سے باہر تو کوئی اور شہرام خان ہوتا ہے جو ایک مرد

بنا ہوتا ہے جسے اپنے گھر والوں کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں  
دیتا۔ بہارے شہرام کو دیکھتے سر دلچے میں بولی۔  
تمہارے نزدیک اپنے گھر والوں کو پروٹیکٹ کرنا غلط ہے  
اپنے بہن کے اوپر ہوئے ظلم کا حساب مانگنا غلط ہے۔۔  
شہرام نے لب بھینچے سوال کیا۔

بلکل غلط نہیں ہے اپنی بہن کے اوپر ہوئے ظلم کا حساب  
مانگنا۔ مگر جس دن میرے لالانے اپنی بہن کے اوپر  
ہوئے ظلم کا حساب مانگ لیا۔ اس دن کیا کرو گے تم؟؟۔  
بہارے نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔  
اس کی بہن کو میں نے ہمیشہ سر آنکھوں پر بٹھایا ہے۔۔  
جس طرح وہ رہتی ہے اس طرح حویلی کی کوئی عورت

نہیں رہی آج تک۔

تم اور تمھاری مورے تمھارے عظیم لالا کو تمھارے  
مجھ پر کیے احسانات بہت یاد ہیں۔ اور وہ بھولتے نہیں  
ہیں جو تم نے میرے لیے کیا۔ میں اور میرے گھر والے  
تمھارے احساناتوں کے نیچے دبے ہیں۔ میں تو حیران  
ہوں جس طرح تم میری مورے کو میرے مرے

ہوے بد کردار لالا کے طعنے مار رہے تھے۔ اسی طرح  
سب کو چیخ چیخ کر کیوں نہیں بتایا کہ میں یہ حویلی چھوڑ کر  
دبئی بھاگ رہی تھی۔

بتا دیتے تمہاری اور واہ واہ ہوتی اور میری مورے میرے  
بابا میرے لالا کی آنکھیں مزید جھک جاتیں کہ تم نے ان  
کی بد تمیز حویلی سے بھاگنے والی عورت کو سر پر بٹھا کر رکھا

ہے۔۔ شہرام پاس بیٹھا اس کی باتیں بمشکل برداشت کر  
رہا تھا۔ مگر اس کی بھاگنے والی بات برداشت نہ کر سکا  
کیا بکو اس کر رہی ہو بہارے؟؟ تمہاری عزت میری  
عزت ہے میں مر سکتا ہوں یہ لفظ کبھی منہ سے نہیں  
نکال سکتا۔



میں کیوں یہ سب کے سامنے کہوں گا۔ شہرام نے  
بہارے کو دیکھتے غصے مٹھیاں بھینچی تھی۔

شہرام خان اور کتنی منافقت دکھاؤ گے تم۔ جس عورت  
کی عزت تمھاری ہے۔ اسے ہی طلاق دینے کی بات کر  
رہے تھے۔

جس عورت سے عشق کے دعویدار تھے اسی عورت سے  
بیوفائی کر رہے تھے تم۔۔۔

بہارے میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔ شہرام نے گہرے  
سانس لیتے اس کی بات کاٹی۔  
کسی بات کسی ایکٹ پر پر تو قائم رہو تم۔

بیوفائی تم پوری طرح نہ کر سکے۔۔۔ میرے لیے طلاق  
کے بولے کئے لفظوں کا مطلب وہ نہیں تھا جو میں اور  
وہاں کھڑا ہر شخص سمجھا۔

اسی طرح تم تو آج بھی اپنی بات پر قائم ہو کہ تم نے  
بیوفائی نہیں کی۔ مگر تم نے وہ کمرہ آیزل کے لیے سجایا وہ  
بیڈ اس کے لیے سجایا۔ اسے اپنے سینے سے لگائے

کھڑے تھے۔۔ مگر تمہارے نزدیک وہ بیوفائی نہیں  
ہے۔ کاش بیوفائی ماننے کا کوئی آلہ ہوتا میں تمہیں بتاتی تم  
مجھ سے پوری طرح بیوفائی کر چکے ہو۔۔ بہارے تڑختے  
ہوے بولی۔۔

شہرام بیڈ سے اٹھتا اپنی گھنی بستر ڈپر ہاتھ پھیرتے کمرے  
کے وسط میں چکر لگانے لگا۔۔

بہارے بیڈ پر بیٹھی اسے آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔ اس  
کے بھاری بوٹوں کی دھمک کمرے کے فرش پر گونج رہی  
رہی تھی۔

وہ جبرے بھینچے اپنی مونچھوں اپنی ہلکی گھنی بیرڈ پر ہاتھ  
پھیر رہا تھا۔ رنگت میں شدید سرخیاں گھلی تھیں۔

بہارے اسے غصے سے کمرے میں چکر لگاتے دیکھ کر  
زخمی نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ اپنے ہاتھ پیچھے لے جا  
کر اپنی فراک کی زپ بند کی تھی۔  
کب بھولو گی تم یہ سب کچھ۔۔۔ شہرام نے رکتے ہوئے  
اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

جس دن مجھے یقین آ جائے گا تم بیوفا نہیں ہو۔ اور ایسا  
کبھی نہیں ہو گا۔ جس طرح بیوفائی ماپنے کا کوئی آلہ  
نہیں ہے۔ اس طرح یقین کرنے کی بھی کوئی میڈیسن  
نہیں ہوتی۔ جسے کھانے سے میں سب کچھ بھول کر تم  
پر یقین کر بیٹھوں۔ بہارے تلخی سے بولی۔



ایسے گزارو گی میرے ساتھ ساری زندگی۔۔ مجھے پل  
پل طعنوں کی مار مارو گی۔۔ مجھے ذلیل کرو گی۔ شہرام سرد  
لہجے میں غرایا تھا۔

بہارے بیڈ سے اٹھتی شہرام کے قریب آئی۔  
میں پہلے بھی تمہیں طعنے مارتی تھی۔ تمہیں ذلیل کرتی  
تھی مگر تم کبھی ذلیل نہیں ہوے۔ ثابت ہوا شہرام

خان پکا پکا بیوفا ہو چکا ہے۔۔ اسے اب بہارے خان کی ہر  
بات چبھتی ہے۔۔ بہارے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے  
بولی۔

شہرام خان کو بیوفا کہہ کر تم ایک دن بیوفا بنادو گی۔۔ یاد  
رکھنا تم۔۔۔

شہرام کی بات پر بہارے تڑپتے ہوئے اس کا گریبان جکڑ  
گئی۔

دھمکی دے رہے ہو تم مجھے۔۔۔ شہرام خان۔۔۔ مجھے  
میری کمزوری کا طعنہ مار رہے ہو جانتے ہو تم تھیں میں  
کسی عورت کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔ تم میری  
سانسیں روکنا چاہتے ہو۔۔۔ پہلے میری بے اعتنائی کی سزا

دی تم نے مجھے۔۔ اب پھر اپنی غلطی کا قصور میرے  
کھاتے میں ڈال کر تم بیوفائی کی بات کر رہے ہو۔۔  
ثابت ہوا تم حویلی کے مردوں سے بھی زیادہ سفاک بے  
رحم ہو۔ بہارے اس کا گریبان پکڑتے تڑپتے ہوے  
بولی۔۔

ممھاری کمزوری اگر دوسری عورت ہے تو میری کمزوری  
تم ہو۔۔ کیوں نہیں سمجھتی تم۔۔ تم سے بہت محبت کرتا  
ہوں۔ معاف کر دو میری غلطی۔۔ معاف کر دو مجھے۔  
شہرام خان اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں بھرتے بھاری  
آواز میں گڑ گڑاتے ہوئے بولا۔

بہارے اس کی شرٹ مزید مضبوطی سے جکڑے رو دی  
تھی۔

کیا کروں شہرام خان؟؟ تمہارے منہ سے اب یہ  
سارے لفظ کھوکھلے لگتے ہیں۔ یقین مانو تم پر یقین کرنا  
چاہتی ہوں مگر یقین نہیں آتا۔۔۔ جب تم سے نفرت  
کرتی تھی تمہاری ہر بات پر یقین تھا۔ آج تم سے عشق

کرتی ہوں مگر تمھاری کسی بات پر یقین نہیں۔ کیا  
کروں میں بتاؤ مجھے شہرام خان؟؟۔۔۔ میرا قصور بتاؤ  
مجھے میں کیا کروں۔ بہارے شدت غم سے روتے  
ہوئے بولی۔۔

کیسے یقین آئے گا کہو تو اپنی جان دے دوں۔۔ پھر تو یقین  
کرو گی مجھ پر۔۔ میں صرف جذبات کے دھاروں میں



بہہ گیا تھا۔ وہ جذبات محبت اور پسندیدگی پر نہیں  
ہمدردی پر مشتمل تھے۔ یقین کرو میرا۔ تمہارا شہرام  
خان صرف تمہارا ہے۔

شہرام نے اس کا چہرہ نرمی سے تھاما۔  
بہارے اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو دی تھی۔

ہمدردی میں بھی کیوں کسی عورت کے قریب کے شہرام  
خان۔۔۔ بہارے خان خود کا وہ حصہ کاٹ کر پھینک  
دے جو جس پر کسی کی نظر پڑے۔۔ تم کیسے کسی دوسری  
عورت کو سینے سے لگائے کھڑے تھے۔۔ تمہیں میرا  
درد کیوں نہیں نظر آتا۔۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

کیا کروں میں بہارے۔۔۔ بتاؤ مجھے کیسے کمہار اور دور  
کروں۔۔۔۔۔ تم ہی بتاؤ۔۔۔ جو تم کہو گی ویسے ہی  
کروں گا۔ شہرام نے اسے سینے میں بھینچتے کرب سے  
کہا۔۔

مجھے چھوڑ دو شہرام خان۔۔۔ بہارے شہرام کے سینے  
سے سراٹھاتے ہوئے بولی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام خان کی آنکھوں میں خون اتر  
تھا۔ رگوں میں دوڑتا خون منجمد ہوا تھا  
مر سکتا ہوں مگر تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں خاردار  
کانٹوں پر چلتے صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد پایا  
ہے۔۔۔ تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں میں؟  
شہرام خون اتری آنکھوں سے زخمی لہجے میں بولا۔

تم نے مجھے پا کر کھو دیا شہرام خان۔۔۔ تم بہت ان لکی  
ہو۔ تمہاری قسمت میں پھر سے خاردار کانٹے آن  
ٹھہرے۔ بہارے زخمی سا مسکرائی تھی۔  
شہرام نے جبرے بھینچتے اسے دیکھا تھا۔ پھر سے  
پالوں گا تمہیں۔۔۔ خاردار کانٹوں پر چلنے کی عادت  
ہے مجھے۔ سمجھوں گا تمہارا عشق ہی میرے لیے خاردار

کانٹے ہیں۔۔ شہرام اس کی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے  
میں بولا تھا۔

مگر میں تمہیں مزید ان خاردار کانٹوں پر چلنے نہیں دوں  
گی۔۔ بہارے سرد لہجے میں کہتے بہرام کے کاٹ کی  
طرف بڑھی تھی۔۔ سوئے ہوئے بہرام کو اپنی بانہوں  
میں بھرتے اپنے سینے سے لگائے بیڈ کی طرف بڑھی

تھی۔ اپنی شال کندھوں پر ڈالے وہ دروازے کی جانب  
بڑھی ت۔

شہرام جو الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔  
اسے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔  
وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔



اتنی رات کو کمرے سے باہر کہاں جا رہی ہو؟!۔۔۔  
شہرام نے سختی سے اس کی کلائی جکڑے غراتے ہوئے  
پوچھا۔

میں تمہارے ساتھ ایک کمرے میں اب مزید نہیں رہ  
سکتی۔ نہ تمہارا چہرہ آئینہ کبھی دیکھنا ہے۔۔ بہارے نے  
سرد لہجے میں کہتے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔

کیا تماشا لگا رہی ہو تم۔۔۔ اب تم ہمارے بیچ کی باتیں  
کمرے سے باہر لاؤ گی۔۔۔ میرا تماشا لگاؤ گی تم۔۔۔ شہرام  
دبی آواز میں غرایا۔

تمہیں میرا کمرے سے جانا نہیں چھو رہا۔۔۔ بلکہ اس بات  
کا ڈر لگ رہا ہے کہیں تمہارے کرتوت گھر والوں کے

سامنے نہ آجائیں۔۔ بہارے کی بات پر شہرام اس کے  
بال جکڑ گیا۔۔

کون سے میرے کرتوت جواب دو مجھے۔۔ میں شہرام  
خان ہوں۔ جو کسی سے ڈرتا نہیں ہے۔۔ اگر کسی سے آج  
تک ڈرا ہوں وہ صرف شہرام خان کی عورت بہارے  
خان ہے۔۔ جس کے آنسوؤں سے شہرام خان ڈرتا ہے۔

۔ تم چیخ چیخ کر گھر والوں کو سب کچھ بتادو۔ میں مزید بے  
خوف ہو جاؤں گا۔ اگر تم ایسا کر کے مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتی  
ہو تو تم غلط سوچ رہی ہو۔ اس لیے تماشہ مت کرو بہرام  
کو کاٹ میں لٹاؤ اور تم آرام سے بیڈ پر چلو۔۔۔ شہرام اس  
کے بال جکڑے اس کی نم آنکھوں میں دیکھتے دبی آواز  
میں غرایا تھا۔

تب تو ڈرو گے ناں جب میرا لا تم سے میرے ہاسپٹل  
میں زندگی اور موت سے لڑنے کی بابت پوچھے گا۔ تب  
تو ڈرو گے ناں جو میں اس نازک حالت میں دن رات رو  
رہی ہوں۔ میرے آنسوؤں کا حساب میرا لا بھی تمہارا  
گریبان پکڑ کر لے گا۔ تم بھی میرے لا کی طرح بے  
بس کھڑے ہو گے تب تمہیں شاید میری اور میرے لا

کی تکلیف کا اندازہ ہو۔ بہارے بہرام کو سینے سے لگائے  
روتے ہوئے بولی۔

تو تم یہ کمرہ اسفندیار خان کی وجہ سے چھوڑ کر جا رہی ہو  
۔۔ شہرام تلخی سے بولتے اس کے بال چھوڑ چکا تھا۔  
میرے لالا پر گولی چلائی تم نے شہرام خان۔۔ مجھے اتنا  
بھی حق نہیں میں روسکوں تم سے حساب مانگ

سکوں۔۔ اپنے لالا اپنی بہن کے ساتھ کھڑے تھے تم۔  
میرا شوہر میرا شہرام خان کہاں تھا اس وقت؟؟۔۔۔  
اگر میرے لالانے غلطی کی ہے وہ سزا بھگتے گا تو سزا تم  
بھی بھگتو گے اب میری اور بہرام کی جدائی کی صورت  
میں۔۔ میرے اور میرے بہرام کے قریب آئندہ مت



آنا۔۔ بہارے سرد و شپاٹ لہجے میں بولتے کمرے  
کا دروازہ کھولتے نکل گئی تھی۔

شہرام خان نے گہرے سانس لیٹے اپنے بال مٹھیوں میں  
جکڑے تھے۔ دوسرے ہی پل اس نے چیختے ہوئے

کمرے میں رکھا واز اٹھا کر زمین پر بیچ دیا تھا۔ ڈریسنگ  
ٹیبل پر رکھی تمام چیزیں ایک ہی جست میں نیچے الٹ  
دی تھیں۔ وہ چیختے ہوئے کمرے کی ایک ایک چیز نیچے  
پھینک رہا تھا۔

اپنا کمرہ بہارے اور بہرام کے بغیر برداشت نہیں ہو رہا  
تھا۔ وہ پاگل ہو رہا تھا جیسے۔۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں

جکڑے شدت سے چیخا تھا۔



zubinovelzone.com

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 113

اسفندیار ہاسپٹل کے کمرے کے باہر کھڑا ٹہلتے  
ہوئے سگریٹ پی رہا تھا۔ عابیر کے بی رخی بے  
اعتنائی جیسے اس کے حواس صلب کر رہی تھی۔ اس

کی باتیں اس کے لہجے کا سرد پن رگوں میں دوڑتا  
خون منجمد کر رہا تھا۔ سات ماہ اسے خود کے لیے  
تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب وہ کہہ رہی تھی وہ اس  
کے دل میں نہیں رہتا۔ اسفندیار خان تو جیسے مر رہا  
تھا۔ سب کچھ قبول تھا جدائی بھی قبول کر سکتا تھا۔  
مگر اس پر اپنا تسلط کبھی ختم نہیں کر سکتا تھا۔

اسے لے کر وہ بے انتہا پاگل تھا۔ اسے بہت پہلے  
معلوم ہو گیا تھا یہ عورت اس کے لیے بہت خاص  
ہے جب وہ رات رات بھر سو نہیں پاتا تھا۔ کروٹ  
کے بل مدھم روشنی میں اس کے خوبصورت  
چہرے کو تکتا رہتا تھا۔ اب تو وہ جیسے اس کے رگوں  
میں خون کی مانند دوڑتی تھی۔

نہیں برداشت کر سکتا تھا ہیزل گرے آنکھوں میں  
اپنے لیے ہر جذبہ ٹھنڈا پڑتا دیکھ کر۔۔۔  
مگر سچ میں اب ہیزل گرے آنکھوں میں وہ نہیں  
تھا۔ وہاں اسے دیکھ کر صرف سرد مہری تھی۔ وہ تو  
اس کے قریب آنے پر برف کی سل کی طرح  
ٹھنڈی تھی۔۔ گرم تو اس کا بدن ہوا تھا۔۔۔ اگ کی



بھٹی کی مانند وہ تپ رہا تھا۔ وہ تو گلشیر کی طرح سرد  
تھی۔ اسفندیار خان کو اس کی ٹھنڈی دھڑکنیں  
ٹھنڈے ہاتھ یاد آئے تھے آج اس کے بدن کی  
گرمی اس کے جذبوں کی تپش اسے گرم ہی نہ کر  
سکی تھی۔

اسفندیار خان نے طیش و الم میں چیختے ہوئے پوری  
قوت سے مکہ دیوار پر دے مارا تھا۔ وہ پھر مکے مارتا ہی  
چلا گیا تھا۔ تڑپنا کیا ہوتا ہے یہ اسے آج پتہ چلا تھا  
ان سات ماہ میں تو وہ تڑپا تھا ہی نہیں۔ اس سفاک  
پٹھانی کو خود کے لیے تڑپنا دیکھ کر اس کے اندر سلگتے

تڑپتے جذبوں کو راحت مل جاتی تھی۔ مگر آج تو وہ  
آتش گیر مادے کی طرح جیسے پھٹ رہا تھا۔  
وہ اتنی اجنبیت کیسے برت سکتی ہے؟؟ کیسے زار ان کو  
فون کر سکتی تھی؟؟۔ عابیر نے زار ان کو کال کی وہ  
ابھی تک جیسے صدمے کی کیفیت میں تھا۔ اس نے  
کئی بار اس پر ہاتھ اٹھایا۔ ایسے پہلے بھی اسے ڈریسنگ

روم میں بند کیا تھا۔ سر پر چوٹ لگنے کے باعث وہ  
بیہوش ہو گئی تھی۔ مگر اس نے کبھی بھی زار ان کو  
کسی بات کی خبر نہیں ہوئے دی۔۔۔ وہ سب کے  
سامنے اس کی کلائی پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے جاتا  
تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑتی تھی۔  
کبھی اپنی کلائی چھڑواتی نہیں تھی۔ آج اس نے کیا

کیا؟؟ قربت کے لمحات میں زار ان کو کال کر ڈالی۔۔  
اسفند اپنی گردن رب کرتے ٹہلتے ہوئے سگریٹ  
کے گہرے کش لینے لگا تھا۔۔ سینے میں بھڑکتی آگ  
بھڑکتی ہی جا رہی تھی۔۔

اگر زار ان اس کے لیے ابھی تک اس کا دشمن ہوتا تو  
وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے اس کی

اوقات یاد دلادیتا۔ عابیر پر اپنا حق جتاتے اس کی  
نظروں کے سامنے اپنے ساتھ لے جاتا۔ مرجاتا یا  
مار دیتا عابیر پر کسی کو حق نہ جتانے دیتا۔

بات شہرام خان کی بھی ہوتی وہ اس کا مقابلہ کر لیتا  
۔ مگر زار ان خان زادہ کا کیا کرتا؟؟۔ وہ اس کا جگری  
یار تھا اس سے کیسے لڑتا؟؟۔ اس سے نظریں کیسے

ملاتا؟؟۔۔ اسفند نے چیختے ہوئے پھر سے ایک بار  
پوری قوت سے مکہ دیوار پر دے مارا تھا۔ عورت کی  
بے اعتنائی مرد کا فولادی جگر اچیر کر رکھ دیتی ہے یہ  
اسے آج پتہ چلا تھا۔

اس وقت کوریڈور میں کوئی نہیں تھا۔۔۔ وہ  
ٹھنڈے سج کوریڈور میں سگریٹ کے گہرے کش



لیتا اشتعال سے چکر لگا رہا تھا کہ سامنے سے زار ان آتا  
دکھائی دیا جو بلیک شلوار قمیض پر بلیک مردانہ شال  
کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔  
چہرے پر سنجیدگی اور کرخنگی دور سے ہی صاف  
دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اپنے بھاری قدموں کی دھمک لیے اس کی طرف  
بڑھ رہا تھا۔

اسفند اسے دیکھ کر رکا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ آئے گا مگر  
اسے یہاں دیکھ کر اسفند یار خان کا خون رگوں میں  
شعلوں کی مانند بھڑکا تھا۔

سالار۔۔۔ کمینہ۔۔۔۔۔ اسفند نے اسے دیکھ کر  
دانت پیسے تھے۔

زاران کا عابیر پر حق جتنا اسے ہمیشہ اشتعال میں مبتلا  
کر دیتا تھا۔ آج اسے یہاں دیکھ کر اس کا بس نہیں  
چل رہا تھا زاران کے زخمی چہرے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ  
دے۔

زاران اسفند یار خان کے قریب آکر رکا۔ کندھوں  
پر شال جھٹکے اس پر خونخوار نگاہیں گاڑھیں۔  
کیوں چاہتا ہے جو گولی میں نے تجھ پر چلنے نہیں دی  
وہ عنقریب میں خود تیرے سینے میں اتاروں۔  
زاران نے اسفند کو خون اشام نگاہوں سے گھورا

تو کیوں چاہتا ہے تیرا زخمی چہرہ میں اس حد تک بگاڑ  
کر رکھ دوں تو اپنی جان سے پیاری بیوی کے پاس  
جانے کے قابل نہ رہے۔ اسفند جو اپنا بازار ان کے  
قریب ہوتے غرایا۔

اپنی گندی زبان سے میری بیوی کا ذکر ایک بار اور کیا  
تو ابھی اسی وقت تیرے سینے پر گولیاں چلا کر اپنی

بہن کو بیوہ کر دوں گا۔ زاران اسفندیار خان پر قہر نگاہ  
ڈالتے اس کا گریبان جکڑ گیا۔

جواباً اسفند نے زاران کے زخمی ہونٹ پر پوری  
قوت سے مکہ دے مارا تھا۔

میری زبان سے اپنی بیوی کا ذکر تجھے گوارا نہیں تو پھر  
کیوں میری بیوی پر اپنا حق جتاتے یہاں چلا آیا۔

جب تجھے پتہ چل چکا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہے تو  
پھر کیوں آیا۔ اسفند زاران کا گریبان جکڑے غرایا  
تھا۔

بہن ہے میری وہ تاقیامت تک اس پر اپنا حق جتاؤں  
گا۔ تیرے ساتھ ہے تو اس لیے یہاں آیا ہوں۔  
کیونکہ تیرے نزدیک میری بہن کے آنسوؤں کی



قیمت نہیں ہے۔ اسفندیار خان امریکہ میں بیٹھ کر  
کیمرہ میں میری بہن کو روتا ہوا دیکھ کر سکون  
محسوس کرتا تھا۔ اس اسفندیار خان پر میں کیسے  
بھروسہ کروں؟؟ جو بھروسے اور دوستی کے لائق  
نہیں۔

زاران کی بات پر اسفندیار خان کا چہرہ اشتعال کے  
مارے سرخ ہوا

اسے کیمرہ والی بات پتہ تھی یہ اسے امریکہ میں  
پتہ چل چکا تھا۔ مگر وہ یہ بات جتنا اس کے غصے  
اور اشتعال میں اضافہ کر گیا تھا۔

اپنے حد میں رہو تو بہتر ہو گا۔ ورنہ بھول جاؤں گا تم  
میرے جگری یار ہو جو مجھے اپنی جان سے بڑھ کر  
عزیز ہے۔۔ اسفند غصے سے اسے شعلہ بارنگا ہوں  
سے گھورتے کر جاتھا۔

زاران نے اس کی بات پر اپنا زخمی ہونٹ انگوٹھے  
سے مسلتا اسے گھور کر دیکھا تھا۔

اور جس دن میں بھول گیا کہ تو مجھے جان سے بڑھ کر  
عزیز ہے اس دن ایک دن اپنی بہن تیرے پاس  
نہیں رہنے دوں گا۔ زار ان نے جواباً اب اسفند کے  
جبرے پر مکہ مارتے اپنا بدلہ اتارا تھا۔  
اسفند نے اپنے ہونٹ سے نکلا خون صاف کرتے  
زار ان کو خون اشام نگاہوں سے گھورا تھا۔

شکر مناجھے تو اپنے خون کے رشتوں سے بھی بڑھ  
کر پیارا ہے ورنہ سچ میں آج اپنی بہن کو بیوہ کر  
ڈالتا۔ زارا ان سنجیدگی سے کہتے کمرے کی طرف  
بڑھا۔

زاران۔۔۔۔۔ اسفند نے گہرے سانس لیتے  
اسے پکارا.. سفاک پٹھانی تو اسے دھتکار چکی تھی۔ وہ  
اندر سے ٹوٹ رہا تھا اسے سفاک پٹھانی کے سفاک  
بھائی کی ضرورت تھی۔ جس کے گلے وہ لگنا چاہتا  
تھا۔

زاران اس کے لہجے میں تڑپ محسوس کرتے اپنی  
مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔ اس کا فولادی دل اپنے دوست  
کی پکار پر تڑپا تھا۔

کتنے ہی پل خاموشی کے بیت گئے تھے۔۔۔ کوریڈور  
کی سرد فضا میں خاموشی گہری ہوئی تھی۔  
مدھم سانسوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔



مرگیا تیرے لیے زار ان۔۔۔۔ نام مت لینا  
آئینہ سے میرا۔۔ زار ان نے رخ پلٹے بغیر کہا تھا۔  
وہ تیز قدموں سے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر  
داخل ہونے لگا تھا۔ عابیر کمرے سے چادر میں لپیٹی  
نکلی تھی۔

لالا۔۔۔ عابیر زار ان کو پکارتے اس کے سینے میں  
سمائی تھی۔۔ اسفند رخ پلٹے ہی کھڑا تھا۔۔  
کیا ہوا عابیر بیٹا۔۔ تم یہاں کیسے؟؟ زار ان نے پلٹتے  
ہوئے اسفند کی پشت کو گھورتے پوچھا تھا۔  
لالا اسفند یار خان نے مجھے غصے میں آکر ڈریسنگ  
روم میں بند کر دیا تھا۔ پورا ایک دن اور رات بند

کرنے کے بعد اسفندیار خان کو ہوش آیا کہ وہ ایک  
چلتے جاگتے وجود کو ڈریسنگ روم میں بند کیے ہوئے  
ہے۔

ایک رات اور اس ایک دن میں سردی کی شدت اور  
بھوک ت

پیاں سے ہوش کھو بیٹھی۔۔ آج آپ کی بے گناہی پر  
اسفندیار خان مجھ پر رحم کھا کر ہاسپٹل لے آیا۔  
عابیر کی بات پر اسفند کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا  
تھا۔۔ وہ سچ میں اس کی نہ رہی تھی۔۔ اس نے پلٹتے  
ہوئے بے یقینی سے عابیر کو دیکھا جو چادر میں لپیٹی  
اسے سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

زاران اسفندیار کی طرف غصے سے بڑھاتا تھا۔ رہنے  
دیں لالا۔۔۔ میں اسفندیار خان کو سزا سنا چکی ہوں۔  
اور وہ میری سزا قبول بھی کر چکا ہے۔۔۔ اب میرا اور  
آپ کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔۔۔ عابیر  
سردانداز میں کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔۔۔

زاران نے گہرا سانس لیتے اسفند یار خان کو دیکھا جو  
پتھرائی کیفیت میں کھڑا تھا۔ زاران نے لب بھینچے  
اسفند کو دیکھتے اپنی گردن رب کی تھی۔ پھر وہ گہرا  
سانس لیتے عابیر کی طرف بڑھ گیا جو تیز تیز قدموں  
سے کوریڈور عبور کر چکی تھی۔

ابرش بلیک فل گاؤں نائٹی میں ملبوس تھی۔ سلکی  
براؤن بال کمر پر بکھرے تھے۔ وہ مہمان خانہ کے  
کمرے میں موجود کب سے اظطرابی انداز میں چکر لگا  
رہی تھی۔



وہ پچھلے چار گھنٹوں سے مسلسل اظطرابی کیفیت میں  
چکر لگا رہی تھی۔ وہ پچھلے پانچ گھنٹوں سے حویلی  
واپس نہیں آیا تھا۔ ستارہ خان کی کال اسے کیوں  
آئی؟؟۔ اور ایسا کیا ضروری کام تھا اسے جانا پڑا۔  
چکر لگاتے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ مگر اسے  
ایک پل کے لیے چین نہیں آرہا تھا۔ ایک گھنٹہ پہلے

پہلے کمرے کی گلاس ونڈو سے اس کی گاڑی کو  
کارپورٹیکو میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ دس منٹ  
بعد اس کی گاڑی کو پھر سے حویلی کے گیٹ سے باہر  
جاتے دیکھا تھا۔ وہ تب سے مزید بے چین ہو چکی  
تھی۔ اسے دوبارہ باہر جانے کی ضرورت کیوں  
پڑی؟؟۔ سوچ سوچ کر اس کی ٹانگوں کے ساتھ

دماغ بھی شل ہو چکا تھا۔ اسے پورا یقین تھا زار ان  
خانزادہ اسے کسی دن سچ میں پاگل کر دے گا۔  
کیوں کیا وہ دوبارہ حویلی سے باہر؟؟ کیا مجھے کمرے  
میں نہ پا کر وہ غصے سے گیا ہے۔ ابرش نے بے چین  
ہوتے بیڈ پر بیٹھے سوچا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلنے پر وہ ہڑبڑا کر بیڈ سے اٹھی  
تھی۔

زاران کو اپنے سامنے دیکھ کر ابرش کی رنگت میں  
سرخیاں سی گھلی تھیں۔

وہ سیاہ شلوار قییمض میں ملبوس تھا جس پر سیاہ ہی  
مردانہ شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔

ہو نٹوں پر گہرا زحم تھا۔ اسے دیکھتے ہی دل کی  
دھڑکنیں منتشر ہوئی تھیں۔ دل میں مبہم س امید  
تھی وہ اسے ڈھونڈتے ادھر ضرور آئے گا۔ کچن  
میں اپنے شوہر کی دیوانگی دیکھ چکی تھی۔ مگر پھر دل  
میں وسوسے بھی اٹھتے تھے وہ بے حس بھی بہت ہے  
اس کے بغیر رہنے پر آئے وہ رہ لیتا ہے۔

ابرش اسے بلیک کلر میں دیکھتے بے رخی سے منہ موڑ  
گئی تھی۔ اس کلر کے علاوہ دنیا میں رنگ ختم ہو چکے  
تھے۔ جو وہ ہر لباس سیاہ کلر کا پہنتا تھا۔ اور یہ لباس  
اس پر کتنا عجیب رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کا دل اس کی  
طرف ہمکنے لگا تھا۔ وہ کتنا ڈیڑھنگ ہو چکا تھا ان

سات مہینوں میں۔۔ یا پتہ نہیں اسے لگتا تھا۔۔ مگر  
فی الوقت وہ اسے سیاہ لباس میں زہر ہی لگا تھا۔  
یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ زارا ان نے ابرش کو اوپر سے  
نیچے گھورتے ہوئے پوچھا۔  
میں نے کہا تھا میں تمہارے ساتھ کمرے میں نہیں  
آؤں گی۔



میں جب تک یہاں موجود ہوں گیسٹ روم میں  
رہوں گی۔۔ ابرش نے پلٹتے ہوئے سنجیدگی سے  
جواب دیا تھا۔ اس کی گہری نگاہیں اپنے وجود کے آر  
پار ہوتے محسوس کرتے وہ تپ کر آنا رہوئی تھی  
دوسرے لمحے وہ بیڈ کی طرف بڑھتے کمبل میں  
غروب ہو چکی تھی۔ زارا ان کی بے باک گہری

نگاہیں اپنے وجود پر برداشت نہیں ہو رہی تھیں۔  
زاران دروازے کو لاک لگاتے اپنی شال صوفے پر  
اچھالتے بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھا  
ت۔ اس پر سے کمبل ایک ہی جست میں اتارتے وہ  
اس پر مکمل طور حاوی ہوا۔

مسٹر۔۔۔۔۔خانزادہ۔۔۔۔۔یہ یہ۔۔۔۔۔

لک۔۔۔۔۔کیا حرکت ہے؟؟

دور۔۔۔۔۔دور۔۔۔۔۔رہو م۔۔۔۔۔مجھ سے۔

ابرش نے زارا ان کے کھلے بٹنوں سے نظر آتے اس

کے سکس پیک، سیر لیس چٹانی سینے کو دیکھتے اٹکتے

ہوے بمشکل ہی کہا۔

اس کا سکس پیک چٹانی ہیر لیس سینہ دیکھتے وہ لب  
دانتوں تلے دبا گئی تھی۔ اپنے شوہر کا سکس پیک  
چٹانی سینہ اسے اپنی طرف بری طرح راغب کر رہا  
تھا۔ اس کے بدن سے اٹھتی مردانہ خوشبو سے اسے  
اپنے حواس معطل محسوس ہوئے تھے۔

اس نے اسے جس طرح اپنی ٹیمپلی کے سامنے اسے  
پروٹیکٹ کیا۔ پلوشہ کے سامنے اسے عزت محبت  
دی۔۔ وہ اس کے لیے اب مچل رہی تھی۔۔ اپنے  
شوہر کی قربت اسے پاگل کر رہی تھی۔ مگر اسے سزا  
بھی تو دینی تھی جو لفظوں سے اس کا دل دکھاتا رہا۔  
مگر جانتی تھی اسے سزا نہ دے سکے گی۔۔

بچن میں کیا بات ہوئی تھی ہماری؟؟۔۔۔ زار ان  
نے اس کے گداز لبوں پر انگوٹھا پھیرتے گھمبیر لہجے  
میں پوچھا۔

یہی کہ تمہارے لیے چیپ سی نائٹی پہن کر تمہارا  
انتظار کروں۔ تم ایک مہینہ کمرے سے باہر نہیں

نکلو گے۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے اٹکتے  
ہوے کہا۔

نہیں پہنی تم نے وہ چپ سی نائٹی۔۔ زارا ان گہرا  
مسکرایا تھا۔

نہیں اور نہ کبھی پہنوں گی۔ ابرش نے اسے خود سے  
دور دھکیلا۔ مزید اس کا چٹانی وجود برداشت نہیں کر



سکتی تھی۔ اس کا سانس گھٹ رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر  
پورا وزن اس پر ڈالے ہوئے تھا  
لیٹس سی۔۔۔ اس گاؤن کے نیچے تم نے کیا پہنا  
ہے؟؟ مجھے ذرا چیک کرنے دو۔۔۔ زارا ان نے اس  
کی نائٹی کا گاؤن کی ڈوری کھینچتے ایک ہی جھٹکے سے  
کھولی تھی۔

زاران کی حرکت پر ابرش کی رنگت قندھار کی طرح  
سرخ ہوئی تھی۔ وہ فل گاؤن کے نیچے نیٹ کی بے  
حد شارٹ نائٹی پہنے ہوئے تھے۔ جو اس نے اس  
ستمگر کے لیے ہی پہنی تھی۔

آئی لائک دس بیوی۔ زاران نے مسکراتے ہوئے  
اس کی سٹریپ کندھوں سے نیچے کھسکائی۔

بٹ آئی ڈونٹ لائک یوان بلیک۔۔۔ ابرش غصے  
سے اس کا کالر جکڑ گئی۔۔۔

لیکن مجھے لگتا ہے میں بلیک میں بہت اچھا لگتا ہوں۔  
زاران نے مسکراہٹ دبائے کہا۔

میری بہت سی فینز نے مجھے یہ بتایا ہے۔ صرف ایک  
ڈائی ہارٹ فین تھی اسے مجھ پر بلیک کلر نہیں پسند تھا

ممھاری طرح۔۔۔ زاران کی بات پر ابرش کی  
رنگت فق ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے نظریں جھکا گئی  
تھی۔ زاران کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔۔  
اپنی ساری فینز سے بات کرتے ہو تم؟؟ ابرش نے  
زاران کی آنکھوں میں دیکھتے لب کاٹتے پوچھا۔

مکھاری قسم کسی سے بھی نہیں کرتا۔ زاران نے  
ابرش کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھے۔

اب چلیں کمرے میں میری جان۔۔۔ باقی کی  
تشویش کمرے میں چل کر۔۔۔ زاران نے اس کے

گال پر شدت سے دانت گاڑھے تھے۔ ابرش اس  
کی شدت پر سسک کر رہ گئی تھی۔

زاران مم۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔ تمہارے  
ساتھ۔۔۔۔ نہیں رہنا۔ اس سے پہلے وہ اپنا جملہ

ممل کرتی زاران اس کے لبوں پر جھکتے اس کی  
سانسیں گھونٹ چکا تھا۔ اس کی سانسوں کے ساتھ  
بری طرح کھلواڑ کرتے زاران پیچھے ہوا تو ابرش نے  
گہری ہوتی سانسوں سے اسے دیکھا تھا۔  
باقی کے گلے شکوے اپنے کمرے میں چل کر۔  
مجھے تبدیلی بالکل پسند نہیں۔ بہت سیدھا بندہ ہوں



ون وومن مین ہوں۔

نہ اپنی زندگی میں دوسری عورت پسند ہے نہ اپنے  
کمرے کے علاوہ کوئی جگہ۔۔۔

ورنہ میں یہ کمرہ اور بیڈ آج کی رات ضرور انجوائے  
کرتا۔ زارا نے ابرش کی اکھڑی سانسیں دیکھتے  
اسے آنکھ ماری۔۔۔

ون وو مین مین ہو تم۔۔۔ سچ میں۔ ابرش نے اس  
کے چٹائی سینے پر انگلی پھیرتے پوچھا۔  
سچ میں میری جان بکھاری قسم۔۔۔۔۔ زار ان  
خانزادہ ون اینڈ اونلی وو مین امس امیریکہ کا ہے۔۔  
زار ان نے اس کی دھڑکنوں کو بے باکی سے ہاتھوں  
سے چھوا۔۔

زاران میں تمھارے ساتھ کمرے میں نہیں جاؤں  
گی۔ ابرش نے بے ترتیب سانسیں درست کرتے  
بمشکل کہا۔ اس کے بدن سے اٹھتے سپارک اس کی  
سانسیں تیز کر رہے تھے۔

ابرش۔۔۔۔۔ میں نخرے اٹھانے والا انسان نہیں  
ہوں۔ تمہیں اب تک میرے ساتھ رہ کر اندازہ ہو  
جانا چاہیے ہوگا۔ سٹریٹ فارورڈ منتقم مزاج بندہ  
ہو۔ جو فیصلہ کر لیتا ہوں اس سے پیچھے نہیں ہلتا۔  
میں امریکہ سے تمہیں پاکستان لے کر آ سکتا ہوں تو  
کمرے میں لے جانا میرے لیے مشکل نہیں ہے۔

اسی لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلو۔۔ رات  
گہری ہو چکی ہے۔ اور میری سانسیں بھاری ہو رہی  
ہیں۔۔ انھیں اپنے خوبصورت بدن کی مہک سے  
راحت دے دو۔۔ زاران کا سر دلچہ گھمبیر ہوا تھا۔  
پچھلے پانچ گھنٹوں سے جہاں تم تھے۔ وہاں تمہیں  
راحت نہیں ملی۔۔ ابرش کا دلچہ شدت سے بھیگا تھا۔

اففف۔۔ زار ان گہر اسانس لیتا اس کی گردن میں  
منہ چھپا گیا تھا۔۔

جانتا تھا ساری عمر میری ایسی ہی گزرنی ہے۔۔ پھر  
بھی پتہ نہیں کیوں مجھے ان خوبصورت بانہوں میں  
قید ہونے کا شوق ہے۔۔ زار ان نے گھمبیر آواز میں  
بولتے اس کی گردن کو نرمی سے اپنے لبوں سے

چومتے اسے اپنی سانسوں کی تپش سے دہکایا۔ زاران  
کی بے باکیوں پر ابرش نے اس کا ہاتھ بری طرح  
جھٹکا جو اس کے بیلی بٹن کے گرد سرسرا رہا تھا۔  
زاران مدہوش ہوئے اس کی گردن کو چومتے اپنے  
ہاتھوں سے گہری بے باک گستاخیاں کر رہا تھا۔  
ابرش کے ہاتھ جھٹکنے پر زاران کا سارا خمار بھک سے



چکی تھی۔۔ زاران اس کا سرخ چہرہ دیکھتے اپنی  
مسکراہٹ ضبط کر گیا تھا۔ جانتا تھا اب وہ روبرو کی  
مانند کمرے میں اس کے ساتھ چل پڑے گی۔۔ وہ  
بیڈ سے اترتے غصے سے زاران کے مقابل آئی تھی۔  
تو اگر اسے تمہارے کمرے تک آسانی مل جائے گی  
تو پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو جاؤ اس کے لیے

اڑا تھا۔ زاران نے سرد سرخ نگاہیں ابرش پر  
گاڑھیں۔ جو زاران کی سرد نظر پر اپنی نگاہیں پھیر  
گئی تھی۔ زاران سرعت سے پیچھے ہوتے ابرش کے  
اوپر سے اٹھا۔۔۔ ابرش اپنا نچلا لب بری طرح  
کاٹے اٹھ کر بیٹھتے اپنے گاؤن کی ڈوری کس کے بند  
کی۔

زاران نے بیڈ سے اٹھتے ابرش پر نظر ڈالی جو لمبل  
خود پر لپیٹے اس میں غروب ہو چکی تھی۔۔  
زاران جھنجلاتے ہوئے کچھ پل اسے دیکھتا رہا جو  
کمبل میں دبکی اس کی طرف سے رخ موڑے ہوئے  
تھی..

ابرش رات بہت ہو گئی ہے نو مور ڈرامہ  
----- بہت تھکا ہوا ہوں۔۔ پچھلے چار دن  
سے مسلسل سفر میں رہا ہوں۔۔ مجھے مزید ٹینشن  
مت دو۔ تم حویلی میں رہتے ہوئے اپنے کمرے میں  
نہیں کہیں اور ٹھہرو گی۔۔ یہ میں برداشت نہیں  
کروں گا۔ اور مورے یاد اجی کو بھنک بھی پڑ گئی کہ

تم مہمان خانہ میں رکی ہو صبح ہوتے ایک ہنگامہ کھڑا  
ہوگا۔ جس پلوشہ کو تم میرے کپڑوں کو بھی ہاتھ  
لگاتے برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے آسانی سے  
میرے کمرے تک رسائی مل جائے گی۔۔ زاران  
کی بات پر ابرش کبیل خود سے اٹھاتے ایک جھٹکے  
سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ زاران کی بات اسے آگ لگا

آسانیاں پیدا کرو۔۔۔ باہر کھڑے ہو کر تم بڑے  
برے ڈائلاگ بول رہے تھے کہ اپنی بیوی کی  
عزت میں کمی برداشت نہیں کرو گے۔ بند کمرے  
میں تم ایک عام مرد کی طرح دوسری شادی کی  
دھمکی دے کر اسے اپنے سامنے جھکانا چاہتے

ہو۔۔۔ ابرش نے اس کے قریب ہوتے بھگے لہجے  
میں کہا۔

تم یہاں رات رک کر میری نظریں سب کے  
سامنے نہیں جھکانا چاہتی کیا؟؟۔۔۔ مورے کو تم سے  
یہی ایک مسئلہ ہے۔ انھیں لگتا ہے تم میرے حقوق  
پورا نہیں کرتی۔۔۔ جب میں کمرے سے باہر راتیں



گزارتا تھا۔ ہمارے بیچ پوشہ آئی ناں۔ اب تم رات  
یہاں رکو گی تو وہ ہمارے بیچ نہیں آئے گی کیا؟؟  
لیکن کیوں آئے گی وہ ہمارے بیچ؟؟۔۔۔ تم اسے  
حویلی سے کیوں نہیں نکالتے۔۔۔ آج سب  
تمہارے سامنے خاموش ہو کے تھے۔ اس حویلی

میں تمھاری چلتی ہے۔۔۔ تمھاری مورے بھی  
تمھارے سامنے نہیں بولتی۔۔۔  
تم اتنے مجبور نہیں ہو کہ اس پلوشہ کو حویلی سے  
واپس نہ بھیج سکو۔۔۔۔۔ ابرش نے غصے سے لفظ  
چباتے بھیگے لہجے میں کہا۔

ابرش۔۔۔ کیوں چاہتی ہو کہ میں سب کے مقابل  
آؤں۔؟؟۔ جس انداز سے میں نے آج ص  
مورے سے بات کی۔ میں نے کبھی نہیں کی۔۔ میں  
شوہر ہونے سے پہلے ایک بیٹا ہوں یہ بات یاد رکھنی  
چاہیے تمہیں۔ پلوشہ یہاں رہے گی یہ موردے کا  
فیصلہ ہے۔۔ میں ان کے فیصلے کے خلاف کیسے

جاؤں؟؟۔۔ بتاؤ مجھے۔ زار ان نے سنجیدگی سے  
استفسار کیا۔۔

انہوں نے تو تمہاری شادی بھی پلوشہ سے طے کی  
تھی تو وہ بھی کر لیتے۔۔ اگر تم اپنی مورے کے  
خلاف نہیں جاسکتے۔۔ ابرش اس کی باتوں پر  
روہانسی ہوئی۔۔

زاران اسے کلائی سے کھینچے اپنے قریب کر گیا تھا۔  
میراجینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میری جان۔۔  
میری خوبصورت بیوی۔۔۔ جس دن یہ سمجھ جاؤ  
گی کبھی کوئی تمہیں لیٹ ڈاؤن نہیں کرے گا۔  
میں تمہارا ہوں یہ تم اپنے انداز میں پلوشہ کو سمجھاؤ  
۔۔ وہ خود ہی یہ حویلی چھوڑ دے گی۔۔ مجھے نہیں لگتا

وہ یہاں پر اب مزید ر کے گی۔۔ کچن میں جو ڈیمو  
دیکھ چکی ہے۔ وہ اس کا چہرہ کیسے لال کر گیا تھا۔ تم  
نے ہاتھ اٹھا کر اس کا گال لال کیا۔ میں نے بنا ہاتھ  
اٹھائے۔۔ یہی فرق ہے تم میں اور مجھ میں میری  
جذباتی بیوقوفی۔۔

زاران نے ابرش کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کی  
نازک کمر اپنی مضبوط مٹھی میں بھری۔۔ ابرش اس  
کی حرکت پر بری طرح سسکی تھی۔۔ اس کی بے  
باک حرکتیں شروع ہو چکی تھیں۔

زاران جس دن ہمارا بچہ۔۔۔ جس دن ہم  
م۔۔۔۔۔ میں نے اپنا بچہ کھویا۔۔۔ پپ



پلوشہ نے مم۔۔۔ مجھے وہ ریکارڈنگ سنائی تھی۔۔  
جس میں آنٹی پلوشہ کے بابا سے تمھاری اور پلوشہ کی  
شادی کی بات کر رہی تھیں۔۔ مم مجھے اس وجہ سے  
بہت براشاک لگا تھا۔۔ مم۔۔۔ مجھے اس نے بولا  
تت۔۔۔ تم مجھے..... بیوقوف بنا رہے ہو۔ تم  
صرف بچے کی وجہ سے مم مجھے برداشت کر رہے

ہو۔۔ میرا بچہ تم دنیا میں آنے کے بعد اسے دے دو  
گے۔۔ ابرش اس کے سینے سے لگے سب بتاتے  
ہوے پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔۔

زاران اپنی مٹھیاں سختی سے بھینچ گیا تھا۔ آنکھوں  
کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ اس بات کی وہ اسے  
سخت سزا دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پلوشہ اس حد تک

جاسکتی ہے اسے یقین نہ تھا۔ مگر ابرش کے اس پر  
یقین کرنے پر اسے پلوشہ سے زیادہ اپنی بیوی پر غصہ  
آیا تھا۔ جب وہ کلیئر کر چکا تھا تو پھر اس نے کیوں کسی  
تیسرے پر یقین کیا۔ وہ گہرا سانس بھرتے اسے  
اپنے سینے سے لپٹا گیا۔ اسے اس کی ضرورت تھی

۔۔ ابھی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ مگر اسے  
احساس دلانا چاہتا تھا وہ کہاں غلط تھی۔۔

مت کروذ کر پرانی باتوں کا مجھے افیت ہوتی ہے۔۔  
پلو شہ نے تمہارے ساتھ اس لیے یہ سب کیا۔

کیونکہ تم نے بھی اپنی اہمیت میری زندگی میں سمجھی  
نہیں۔۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے اس کا چہرہ تھامے اس  
کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو اپنے انگوٹھے سے  
نرمی سے صاف کیے۔۔۔

تم نے بھی بتائی ہی نہیں۔۔ ابرش نے بھیکے لہجے  
شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

چلو کمرے میں چلو تمہیں اچھی طرح بتاتا ہوں تم  
میرے لیے کیا ہو۔۔ زارا نے اس کی کمر میں ہاتھ  
ڈالے اس کے ٹھوڑی پر جھکتے اپنے دانت وہاں پر  
گاڑھے۔

نمھارے مورے کو لگتا ہے میں نمھارے حقوق  
پورے نہیں کرتی۔ اپنی مورے کو بتاؤ تم کہ تم  
پوری پوری رات اپنا حق مجھ سے لیتے رہے ہو۔۔  
دن میں بھی تمھارا دل نہیں بھرتا تھا۔ ابرش اس کی  
شرٹ مٹھیوں میں جکڑے بھگے نروٹھے لہجے میں  
بولی۔۔



ایسا کرنا کل خود بتا دینا بلکہ میری شدتوں کے نشان  
دکھا بھی دینا۔ زار ان نے سنجیدگی سے کہا۔ ابرش  
کے بیوقوفانہ بات پر اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔  
میں بتاؤں کیا؟؟ ابرش نے حیرانگی سے کہا۔  
نہیں میں بتاؤں گا اپنی مورے کو۔۔۔ کل صبح اٹھتے  
بتاؤں گا آپ کی بہو ایک فرمانبردار بیوی ہے جو بستر

پر اپنے سفاک اجڈ گنوار جاہل شوہر کو بہت خوش  
رکھتی تھی۔۔۔ مجھے جتنا سکون آپ کی بہو کی قربت  
میں ملا آج تک کہیں نہیں ملا۔ زار ان گھمبیر لہجے  
میں کہتا مدہوش ہوتا اس کی گردن پر جھک گیا تھا۔  
وہ اس کے معاملے میں بیوقوف تھی۔ مگر اسے ان  
بیوقوفیوں سے ہی اسے ہینڈل کرنا تھا۔

بتاؤ گے تم یہ سب؟؟ ابرش نے اس کی شدتیں اپنی  
کردن پر سہتے گہری ہوتی سانسوں سے پوچھا۔  
ابرش کی بات پر زاران کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ ابرش  
نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔ اب مس امریکہ کو نئی فکر  
لگ گئی ہے اپنی ساس کو کیسے بتانا ہے وہ ایک اچھی  
بیوی ہے۔ زاران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نہیں بتانا چاہتی تم نے ہی کہا تمھاری مورے کو  
لگتا ہے۔ میں تمھارے حقوق پورا نہیں کرتی۔  
تمھاری مورے کو پتہ ہونا چاہیے۔ اپنے بیٹے کو جتنا  
شریف سمجھتی ہیں۔ وہ ہے نہیں ان کی بہو اسے حق  
نہ بھی لینے دے وہ لے لیتا ہے اور زبردستی لیتا ہے۔  
وہ بھی بہت بے دردی سے۔۔ ابرش شکوہ کناں لہجے

میں ہوٹل کے کمرے میں اس کی بے رحم شدتوں کا  
جتایا تھا۔

شریف میں تو نہیں ہوں۔۔۔ یہ تمہیں آج پتہ چل  
جائے گا۔ آج رات سات مہینے کی ہر تڑپتی تنہا  
رات کا تم سے حساب لوں گا۔ اور تمہیں دینا پڑے  
گا۔ زارا نے شال اٹھائے اس کے گرد اچھی

طرح لیپٹی تھی۔ اور اسے اپنی بانہوں میں بھرتے  
اپنی گود میں اٹھایا۔

زاران کیا کر رہے ہو؟؟۔۔ ابرش نے گھبراتے  
ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑی تھی۔  
تم نے یہاں ہی سب وقت برباد کر دینا ہے۔ مجھے  
صبح اسلام آباد کے لیے نکلنا ہے میری اپورٹنٹ

میٹنگ ہے۔۔ پیچھے رات لگتی رہ گئی ہے۔۔ اور مجھے  
تمہیں آج ساری رات پیار کرنا ہے۔۔ زار ان کی  
آواز گھمبیر ہوئی تھی۔

میٹنگ۔۔۔ کون سی میٹنگ؟؟ ابرش نے زار ان  
کے گلے میں بانہیں جمائیں کیں۔ اس کا صبح اسلام  
آباد جانا بہت چبھا تھا۔ ستارہ خان یاد آئی تھی۔۔۔



ہے جان بہت اچھوڑا ہوا میٹنگ ہے۔۔ منسٹر ہوں  
۔۔ آئے روز میٹنگ ہوتی ہے۔۔ کس کس میٹنگ  
کا حساب رکھو گی تم۔۔ فکر نہ کرو رات تمہارے  
پاس ہی ہوا کروں گا۔۔ پرائیویٹ جیٹ خرید لوں گا  
۔۔ تاکہ آدھے گھنٹے میں تمہارے پاس۔۔ وہ ابرش  
کو مزید اوپر کو اٹھائے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔

تم مجھے اپنے ساتھ اسلام آباد لے جایا کرو۔۔  
تمہارا اتنا بڑا بنگلہ ہے۔۔ ہم وہاں پر بھی رہ سکتے  
ہیں۔ جب حویلی آیا کرو تمہارے ساتھ واپس آ جایا  
کروں گی۔۔ زار ان صبح اسلام آباد جا رہا تھا۔ ابرش  
سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

’نم۔۔۔ میری جان یعنی پورا پورا اپنے قابو میں  
رکھنے کا ارادہ ہے۔۔۔ تاکہ ایک پل کے لیے نظر  
ادھر سے ادھر نہ کر سکوں۔ زار ان کہتے کمرے کا  
دروازہ کھولتے باہر آیا  
ابھی بھی چانسز ہیں نظر ادھر ادھر کرنے کے۔۔  
ابرش کی بات پر زار ان کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ مجھے اپنی خوبصورت  
بیوی کے ہاتھوں مرنا نہیں ہے۔۔۔ زار ان نے جھکتے  
ہوے اس کے لبوں پر نرمی سے لب رکھے تھے۔  
ابرش مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لیٹی تھی۔۔  
زار ان اسے لیے لاونج سے ہوتے سیڑھیوں پر  
چڑھا۔۔ امینہ خانم جو کچن سے اپنے کمرے کی طرف

جارہی تھیں۔۔ زارا ان ابرش کو گود میں اٹھائے  
سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر ان کی رنگت شرم سے  
سرخ ہوئی تھی۔۔ وہ اسے بے باکی سے گود میں  
اٹھائے باتیں کرتے ہنسنے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔  
ابرش اس کی گردن میں بائیں جمائل کرتے اس

کے سینے سے لپٹی ہوئی۔۔ مدھم آواز میں کچھ کہہ  
رہی تھی۔

اس کی کسی بات زار ان کا سیڑھیاں چڑھتے ہوئے  
قہقہہ بلند ہوا تو امینہ خانم گہرا سانس لے کر رہ گئی  
تھیں۔

زاران کو خوش دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔  
ابرش کو زار ان کے سینے سے لپٹے بھی دیکھ چکی  
تھیں۔ ان کے دل میں سکون کی لہر دوڑی تھی۔  
آج جس طرح وہ چادر میں لپیٹی نظریں جھکائے  
کھڑی بری طرح رو رہی تھی۔ انہیں احساس ہوا تھا  
۔۔ ابرش جب سے ان کے بیٹے کے نکاح میں آئی



تھی۔ ایسے ہی رورہی تھی۔ کوئی نہ کوئی اسے ہمیشہ  
سوالوں کے کٹہرے میں کھڑا کیے رکھتا تھا۔ آج  
زحلے کی وجہ سے مسیح اللہ نے اس پر سوال اٹھائے  
تھے۔ روزینہ خانم نے اسے کیا کچھ نہیں کہا۔ مگر  
وہ خاموش رہی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی ابرش کی  
جگہ ان کی بہو بہارے اور ان کی اپنی بیٹی عابیر ہوتی تو

اپنے حق کے لیے بولتے چھوٹے بڑے کی تمیز بھول  
جاتیں۔۔ عابیر بھی جب بات عزت نفس پر آتی  
تھی تو برداشت نہیں کرتی تھی۔

بہت دفعہ وہ لاونج میں اسفندیار خان کی آنکھوں میں  
آنکھیں ڈالے کھڑی ہوئی تھی۔۔ مگر نکاح کے بعد

ابرش نے کسی کے سامنے زاران کی آنکھوں میں  
آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی تھی۔

ابرش کی خاموشی ہمیشہ ان کی عزت کرنا وجہ  
صرف زاران کی ذات تھی جس سے وہ ٹوٹ کر پیار  
کرتی تھی۔ انھیں اور کیا چاہیے تھا۔ اپنے بیٹوں کا

سکون ہی تو انھیں پیارا تھا۔ ان کے دل میں کچھ  
وہم تھے ابرش کو لے کر۔ وہ دوبار حویلی چھوڑ کر نہ  
چلے جائے۔ مگر وہ اپنے بیٹے زار ان کو اچھی طرح  
جانتی تھی۔ ابرش کو اب وہ ڈیل کر لے گا۔ وہ  
شہرام اور ارحام کی طرح نہ تھا۔ اسے سب کو ڈیل

کرنا آتا ہے۔۔ وہ گہرا سانس بھرتے سب خدا پر  
چھوڑتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

---

زاران اسے لیے کمرے میں لیے داخل ہوا تو ابرش  
کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ وہ اس کمرے کو سات ماہ بعد

دیکھ رہی تھی۔ جس میں قدم رکھنے کی اس نے آس  
بھی چھوڑ دی تھی۔

ابرش زاران کے گلے میں بانہیں جھانک کر تے اس  
کے سینے کے ساتھ شدت سے لپٹی۔  
زاران اسے لیے واش روم کی طرف بڑھا۔





برداشت کرتے جذباتی ہو گئی تھی۔۔ قربت کے  
لمحات میں وہ اس کا ایک ایک ایکٹ یاد کرواتا تھا۔ وہ  
ہمیشہ سرخ ہوتے اس کے سینے سے لپٹ جاتی تھی  
ابرش اس وقت بھی اس کے سینے سے سے لپٹ کر  
اپنا چہرہ چھپا گئی۔۔

زاران مسکراتے ہوئے اسے لیے واش روم میں  
داخل ہوا۔ باتھ ٹب میں پانی اور بیلز دیکھ کر ابرش  
کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ کیا چاہتا تھا وہ سمجھ گئی  
تھی بہت بار وہ باتھ ٹب روم انس کر چکا تھا۔ زاران  
نے مسکراتے ہوئے اس کے وجود کو باتھ ٹب کے  
گرم پانی جس میں بیلز بنے ہوئے تھے۔ اس میں

بھینکا تھا۔ ابرش ہاتھ ٹب کے پانی میں کرتے  
ہوئے مکمل بھیگی تھی۔

زاران ابرش نے گھبراتے ہوئے اسے پکارا تھا۔  
زاران روف شاوہر آن کرتے اپنی شرٹ اتارتا ہوا  
ہاتھ ٹب میں داخل ہوا۔ اس کے گرد لپٹی اپنی شال  
نرمی سے اتاری۔ وہ ہاتھ ٹب میں داخل ہوتے

اسے اپنے چٹانی سینے پر منتقل کر چکا تھا۔ اب وہ راؤنڈ  
ہاتھ ٹب کے گرم ببلز واٹر میں لیٹے ہوئے ہاتھ ٹب  
کے کنارے کی سطح پر سر رکھے اسے اپنے سینے سے  
لپٹا گیا۔

ابرش اس کے سسکس پیک چٹانی سینے پر ہاتھ  
جمائے اس کی طرف دیکھتے نشیلی آنکھوں سے

مسکرائے تھی۔۔

زاران اس کی کر شل براؤن نشیلی آنکھوں میں اپنی  
طلب دیکھ کر گہرا مسکرایا تھا۔ اس کی بیوی کو اتنی دیر  
ہی لگتی تھی۔ اس کے چھونے کی دیر ہوتی تھی۔ وہ  
اس کی طلب بن کر اس کی آنکھوں میں دوڑنے لگتا

تھا۔ وہ اس کی محبت کی شدت بھی وہ اسے اتنی جلد  
محسوس کرنے لگتی تھی۔

زاران اس کے بال گدی سے جکڑے اس کے لبوں  
کو اپنے لبوں میں لے چکا تھا۔ ابرش اس کے سکس  
پیک چٹانی سینے پر ہاتھ جمائے اس کی شدت میں اس  
کا ساتھ دے رہی تھی۔

روف شاوہ سے پانی گرتا ان کی سانسیں بھاری کر چکا  
تھا۔ ابرش پوری طرح اس کی شدت میں اس کا  
ساتھ دے رہی تھی۔۔۔ پانی ان کے اوپر گرتا ان کی  
سانسیں بھاری کر چکا تھا۔

زاران نے اس کی سانسیں انہیل کر کے اسے چھوڑا  
تو ابرش گہرے سانس لیتے اس کے سینے پر اپنے لب



رکھ گئی تھی۔۔

زاران تمہارے ساتھ میں بھی کل صبح اسلام آباد  
جاؤں گی۔

ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا وہ بے خودی  
میں اس کی کان کی لو کو اپنے لبوں سے کاٹ رہا تھا۔

زاران نے اس کی بات پر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔  
وہ اس وقت بھی یہی بات سوچ رہی تھی۔ زاران  
کی ساری بے خودی جیسے اڑھنچھو ہوئی تھی۔ اتنے  
قریب قربت کے لمحات میں اس کے حواسوں پر  
اسلام آباد سوار تھا۔ اور کیوں سوار تھا؟؟ وہ وجہ اسے  
مزید مشتعل کر چکی تھی۔

ابرش۔۔۔ تم اس حویلی میں ہی رہو گی۔۔ تم کسی  
صورت اس حویلی سے نہیں نکلو گی۔ میں نے کہا  
ناں میں رات حویلی ہی رکوں گا۔ مگر ابھی میں  
تمہیں کسی قیمت اسلام آباد نہیں لے جاسکتا۔ اور  
اس بات پر مزید بحث نہیں ہو گی۔ تم کسی صورت  
حویلی سے باہر نہیں جاؤ گی۔ اور یہ بات میں آخری

مرتبہ کہہ رہا ہوں۔۔ تم میری اجازت کے بغیر  
کبھی بھی حویلی سے باہر قدم نہیں رکھو گی۔  
وہ اسے لے کر جذباتی تھی۔۔ وہ اسلام آباد میٹنگ  
کے لیے گیا ہو۔۔ وہ کسی وجہ سے اس کے پیچھے بھی آ  
سکتی تھی۔ جس طرح پلوشہ کی باتوں پر بنا بتائے  
گاڑی لے کر نکل گئی تھی۔ وہ کوئی اور حماقت نہ

کرے وہ پریشان ہوا تھا۔ اس حویلی سے باہر ابھی وہ  
اسے کہیں نہیں لے کر جاسکتا تھا۔ منسٹر بن کر وہ  
مزید خطروں میں گر چکا تھا۔

zubinovelshub.com

۔ زارا ان کا بے حد سنجیدہ چہرہ دیکھ کر ابرش روہا سی  
ہوئی تھی۔

اتنا بڑا بنگلہ ہے تمہارا تم اپنی بیوی کو وہاں نہیں رکھ  
سکتے۔۔ کیوں کیا وجہ ہے اس بات کی؟؟۔۔ پھر تم  
مجھے مینٹلی سک وو مین کہتے ہو جو کچھ بھی سوچ لیتی  
ہے۔ اس ستارہ کو لے کر تم اس بنگلے پر پارٹی تھرو کر

سکتے ہو۔ مگر مجھے نہیں لے کر جاسکتے۔۔ ابرش کی  
بات پر زار ان اسے خود کے اوپر سے بری طرح سے  
دور دھکیلتا ہاتھ ٹب سے باہر نکل آیا تھا۔۔ وہ ٹاول  
ریک سے ٹاول لیے غصے سے ہاتھ کیبن میں داخل  
ہوتے شاور ان کیے شاور کے نیچے کھڑا ہو چکا تھا۔



۔ ابرش نے روہان سے ہوتے بے یقینی سے زارا ان کو  
دیکھا جو شاوران کیے شاور لے رہا تھا۔

zubinovelzone.com

ابرش لنتی دیر بھیگی آنکھوں سے باتھ کیبن سے اس  
کے شرٹ لیس مدھم سے نظر آتے اس کے عکس  
کو دیکھتی رہی۔

وہ اسے یوں بیچ میں چھوڑ جائے گا۔ اسے یقین نہیں آ  
رہا تھا۔ جس طرح اس نے اسے خود سے دور  
دھکیلا وہ بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

جس رومانس کے لیے وہ پاگل ہو رہا تھا اب اسے  
چھوڑ کر شاہ رلے رہا تھا۔ ابرش نے بے دردی  
سے اپنے لب کاٹے۔۔ وہ ایسا ہی تھا وہ کیوں بھول  
جاتی تھی؟؟۔ اگر ایسا نہ ہوتا وہ اس کے بغیر کیسے اتنی  
راتیں گزار سکتا تھا۔ ابرش کو وہ وقت یاد آیا جب وہ  
دو دو تین دن کمرے میں نہیں آتا تھا۔ کیسے وہ ایک

بیوی کی اکڑ توڑ چکا تھا۔ چار ماہ حویلی میں گزرے  
ہوئے عرصے میں وہ راتوں کو دو ماہ وہ کمرے میں  
نہیں آیا تھا۔ یہ دو ماہ وہ راتیں اس نے کیسے تڑپتے  
تنہا سسکتے ہوئے تنہا گزاریں تھیں۔ اسی بے اعتنائی  
نے اس کے اندر اس کا کانفیڈنس سب ختم کر دیا تھا۔

وہ نیچے اس کے لیے سیٹینڈ لے سکتا تھا مگر بند  
کمرے میں چند سوالوں کے جواب دے کر اس کی  
انسکیورٹی دور نہیں کر سکتا تھا۔ ایئر پورٹ۔۔۔  
ہوٹل اور پارٹی میں ستارہ کو دیکھ کر وہ اپنے شوہر سے  
کچھ پوچھ بھی نہیں سکتی تھی۔۔۔

ابرش گہرے سانس لیتے ہاتھ ٹپ سے اٹھی تھی وہ  
غصے سے ہاتھ کیبن کا گلاس ڈور کھولتے اندر داخل  
ہوئی۔۔ گلاس ڈور اس نے اتنی زور سے بند کیا تھا  
۔۔ گلاس ڈور بری طرح جھنجھٹا اٹھا۔

زاران نے سر دنگا ہوں سے ابرش کو دیکھا جو اسے  
بھیگی شعلہ بارنگا ہوں سے گھور رہی تھی۔۔

وہ دونوں غصے سے ایک دوسرے کی آنکھوں میں  
انکھیں گاڑھے ہوئے تھے۔

یکدم زار ان اس کے بالوں کو پیچھے گدی سے پکڑے  
اس اپنے قریب کرتے اس کے بھگے گلابی لبوں پر  
جھکے اس کی سانسیں گھوٹ گیا۔ ابرش نے تڑپتے



ہوے اسے خود سے دور کرنا چاہا وہ اس کی نائٹی کی  
ڈوری کھینچتے اسے ریمو کرتے ابرش کو کلاس وال  
کے ساتھ لگ گیا۔

---

.....

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 113

وہ دونوں شاور کے نیچے بھیگ رہے تھے۔ زارا ان اسے  
گلاس وال سے لگائے اس کی گردن کو دبوچے اس کے  
لبوں پر شدت سے جھکا اپنے لبوں کی تشنگی پیاس مٹا رہا تھا۔

ابرش ذرا سی مزاحمت کرتی زاران کے ہاتھ کا دباؤ اس کی  
کردن پر بڑھنے لگتا تھا۔ ابرش اپنی مزاحمت روکتے زاران  
کا وحشی لمس اپنے لبوں پر برداشت کر رہی تھی۔  
شاور سے گرتی نیم گرم پانی کی بو چھاڑان کی سانسوں میں  
ہلچل مچا چکی تھی۔ زاران کی شدت پر ابرش کی سانسیں  
گھٹ رہی تھیں۔ مگر پورا وجود بے ترتیب ہوتا جیسے

ہچکولے بھر رہا تھا۔ باریک نائٹی سے نظر آتے دلکش  
خدو خال نظر آتے زار ان کا بدن ابرش کے نازک بدن کا  
طبکار ہوتا جا رہا تھا۔ زار ان ایک ہاتھ سے اپنے ہاتھوں کی  
بے باکی بڑھاتے اس کے لبوں کو اب دانتوں میں دبایا تھا  
۔ ابرش اس کے حصار میں تڑپ کر رہ گئی تھی۔

زاران کافی دیر تک اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں  
بری طرح اٹھیل کرنے کے بعد پیچھے ہوا تو اس کے نازک  
لب لہو چھلکا رہے تھے۔ خون کی ہلکی سی بوند اس کے لبوں  
پر چمک رہی تھی۔

ابرش گلاس وال سے ٹیک لگائے اپنی سانسیں بحال  
کرتے آنکھیں موند گئی تھی۔ زاران اپنی شدت سے اس

کی جان جیسے نکال چکا تھا وہ اس کے معاملے میں ایسا ہی  
جنونی تھا۔ اسے اپنی قربت میں سانس نہیں لینے دیتا تھا۔  
زاران اس کی بے ترتیب نائٹی میں اس کے خوبصورت  
بدن کو گہری نگاہوں سے دیکھتے اس کے لبوں سے خون کی  
بوند چھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا۔ ابرش اسے اپنا منہ پھیر  
گئی تھی۔

ضرورت نہیں مجھے تمھاری۔ رہنے دو اس زخم کو تاکہ  
صبح تمھاری مورے کو پتہ چلے تم نے اپنا حق بہت بے  
دردی سے لیا ہے۔ تاکہ ان کی نظروں میں میری عزت  
بڑھ جائے۔ کیونکہ رات بھر میں نے ان کے بیٹے کو خوش  
رکھا ہے۔ اس کے بعد مجھے ایک اچھی بیوی ہونے کا



خطاب ملے گا۔ برش نے سببھی لہجے میں کہتے اپنا زخمی  
ہونٹ بے دردی سے انگوٹھے سے رگڑا۔

اب مورے کو بیچ میں کیوں لا رہی ہو؟؟ زار ان نے لب  
بھینچے اس کے نچلے لب کو گہری نگاہوں سے دیکھا جہاں  
زخم کافی گہرا تھا۔ وہ اپنے جنون میں اس کے لبوں کی ناز کی  
بھول گیا تھا۔

کیوں نہ لاؤں زاراں بیچ میں؟؟۔ اٹھیں لگتا تھا میں  
تمہارے حقوق پورے نہیں کرتی۔ اس لیے وہ بیچ میں  
پلوشہ کو لے آئیں۔ جس عورت کو ان کا پیٹا گن پوائینٹ پر  
اپنے گارڈ کے ہمراہ اٹھا کر زبردستی اپنی حویلی لے آئے۔  
جس عورت کو وہ بھرے جرگے میں تھپڑ لگائے اور اس  
کے بعد اسی عورت سے نکاح کر لے۔ اس عورت کی کیا

وقت ہوگی آخر اس مرد کی نظر میں۔ وہ مرد اس سے  
زبراستی اپنا حق وصول کرے گا کہ نہیں۔۔  
حویلی بھی اسی مرد کی کمرہ بھی اسی مرد کا اور عورت بھی  
اسی مرد کی۔۔ وہاں وہ عورت کیا کر سکتی ہے؟؟۔ جو مرد  
اس پر حق رکھتا ہو جو اس سے طاقت میں کئی گنا زیادہ ہو  
اس مرد کے ایک تھپڑ پر عورت دور لڑکھڑاتی ہوئی جا

پڑے۔۔ وہ اس مرد کا کیا مقابلہ کرے گی آخر؟؟۔۔ مگر  
پھر بھی آپ کی مورے نے مجھے قصور وار سمجھ کر سزا  
دی۔۔ اتنی نا سمجھ اور معصوم تو نہیں آپ کی مورے۔ جو  
سمجھ نہ سکیں کہ حقوق پورے کرنے کی ذمہ داری آپ کی  
تھی میری نہیں۔ مجھے تو بے بسی سے صرف بیڈ پر سہنا تھا۔

پھر بھی آخر کیوں آپ نے انھیں اتنا حق دیا وہ میرے اور  
آپ کے بیچ آئیں؟؟ وہ آپ سے ہماری پرستل باتیں  
کریں۔ ابرش نے تلخی سے بولتے استفسار کیا۔ کچھ دیر پہلے  
جو اسے خود سے دور جس طرح دھکیل کر آیا زار ان کی یہ  
حرکت جیسے اس کا دل توڑ چکی تھی۔ عجب سی تذلیل  
محسوس ہو رہی تھی۔

ابرش مورے کے خلاف ایک لفظ نہیں سنوں گا۔ اور  
جہاں تک بات ہے تمہارے ساتھ زبردستی کرنے کی۔  
پہلی رات چاہتا تو تم سے زبردستی کرتا۔ مگر نہیں کی۔  
دو مہینے تمہارے قریب نہیں آیا۔ اور جب تمہارے  
قریب آیا تم نے مجھے seduce (بہکانا) کیا تھا۔ میں

مکھارے قریب مکھاری مرضی پر آیا۔ زارا ان نے اسے  
گھورتے لفظ چبائے تھے۔

۔ یہی تو کہہ رہی ہوں زارا ان کیوں مجھے ضرورت پڑی  
تمہیں seduce کرنے کی؟؟۔ اپنے ولیمہ نائٹ کو خود  
کو تمہیں سونپا تھا۔ کیوں تم نے مجھے ٹھکرا کر میری تذلیل  
کی؟؟۔ ان دو ماہ میں تم کیوں میری آنکھوں میں اپنی



چاہت اور طلب دیکھ نہ سکے؟؟۔ تم نے کیوں اپنی  
مورے کو نہیں بتایا کہ وہ عورت تو میرے حقوق پورا کرنا  
چاہتی تھی مگر میں نے اس کے حقوق ادا نہیں کیے۔  
بتاتے نا اپنے مورے کو تم اس عورت کو اپنے گھٹنوں پر  
لا کر اس کی سیلف ریسپیٹ مار کر تمہیں سکون ملتا ہے۔

ابرش سببھی لہجے میں بولتے اپنے رخ پر گری شبنم ہے  
دردی سے ہتھیلی سے صاف کر گئی تھی۔

ابرش اس سب باتوں کا مطلب؟؟

??can you explain

ابھی تھوڑی دیر پہلے تم مجھے خود کو سونپ چکی تھی۔ میری  
شدت میں میرا ساتھ دے رہی تھی۔ اس نازک وقت  
میں تمہاری ان باتوں کا مطلب؟؟ کیوں چاہتی ہو میں آج  
رات بھی بیوی ہوتے ہوئے بھی تکیے کے ساتھ لیٹ کر  
سوؤں۔ زار ان اسے کمر سے تھامے خود کے قریب کر گیا  
تھا۔

ابرش کا گیلابدن اس کے ہوش اڑا رہا تھا وہ آج رات اس  
سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ اپنی بیوی کے جذباتی پن سے  
واقف تھا یہ بات نہ سہی وہ کوئی اور بات پکڑ لیتی۔  
سو سکتے ہو تمہارے نزدیک شاید مجھ سے زیادہ وہ تکیہ  
زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جو میری کمی ان سات ماہ میں پورا

کرتا رہا۔ ابرش اسے خود سے دور کرتے چلتے ہوئے  
بولی۔

لہجے میں شدید جلن تھی وہ تکیے سے لپٹ کر سو کر اس کی  
کمی پورا کر لیتا تھا۔ وہ کونلوں کی مانند جیسے سلگی تھی۔ وہ  
اس کے معاملے میں اتنی ہی پوزیسیو تھی۔ وہ کبھی اس کی  
محبت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کبھی لفظوں کی مار مار کر کبھی خود

سے دور دھکیل کر اس کا وجود کرچیوں سے بھر دیتا تھا۔  
نیچے جو ہوا امریکہ میں زحلے نے جو کہا وہ اس وقت شدید  
ذہنی دباؤ میں تھی۔ زاران کی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے  
جیسے کاٹ رہی تھیں۔

زاران اس کے لہجے میں جلن محسوس کرتے اسے خود سے  
لپٹائے اس کے عارض پر شصت سے اپنے دانت گاڑھ گیا

تھا۔

ابرش نے اس کی شدت پر سسکتے ہوئے اسے خود سے دور  
کرنے کی کوشش کی وہ مزید اسے اپنے سینے سے لپٹائے  
اسے خود میں بھینچے اس کی ناز کی محسوس کرنے لگا جو اس  
کے جواں جذبوں میں آگ لگا گئی تھی۔



چھوڑ مجھے تم ان نازک لمحات میں بھی مجھ سے دور ہو  
سکتے ہو خود پر کنٹرول کر سکتے ہو۔ میں تمہارے لیے کبھی  
تمہاری دیوانگی نہیں بن سکتی۔۔ کبھی تمہارا جنون نہیں  
بن سکتی۔ تم کبھی میرے ناراض ہونے پر پریشان نہیں ہو  
سکتے۔ تم کبھی میرے لیے رات بھر تڑپ نہیں سکتے۔  
کیونکہ تمہیں میرے دل میری روح سے محبت نہیں

طرح مکاری بانہوں میں ری ایکٹ نہیں کرتی۔ سمجھیں  
پوری طرح سیٹسفائیڈ کرتی ہے۔ اس لیے تم مجھے اپنی  
زندگی میں واپس لے آئے۔

ابرش کی بات پوری ہونے پر وہ اسے خود سے الگ کرتے  
گلاس وال پر بری طرح میخ چکا تھا۔

وہ بری طرح گلاس وال کے ساتھ لڑکھڑائی تھی۔ ابرش  
نے گلاس وال میں سماتے زار ان کو دیکھا جو اسے سرد  
نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

یہی سمجھی ہوا بھی تک میری زندگی میں اپنی اہمیت۔ خود کو  
ایک چیپ ماڈل سے ملارہی ہو۔ تمہیں سر سے پیر تک  
پردے میں چھپا کر ایسے ہی رکھتا ہوں۔ عورت ماڈل بھی

ہو تو مرد نکاح کے بعد اسے صرف اپنی عورت دیکھنا چاہتا ہے۔ کمرے میں امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی ہو یا اس حویلی کی عام لڑکی وہ اپنے شوہر کے لیے ہر وہ چیز کرتی ہے جو تم کرتی ہو۔ ایسا کیا نیا کرتی ہو تم اور ایسا کیا نیا کرتا ہوں میں جو تم مجھے طعنے مار رہی ہو۔

زاران اس کی باتوں پر بھڑکتا مشتعل ہو چکا تھا۔

تم نے مجھے میری اہمیت یہی سمجھائی ہے۔۔ یہی تلخ  
حقیقت ہے جسے قبول کرو یا نہ کرو۔ تمہیں میری محبت  
کبھی نظر نہیں آسکتی۔ تمہاری مورے نے حویلی میں  
تمہارے لیے آپشن رکھا ہے۔ اور خود کو ساری دنیا کے  
سامنے سنگل کہہ کر تم نے خود کو دوسروں کے لیے آپشن

کے طور اوپل کر دیا ہے۔ ابرش نے اس کی سر د آٹھوں  
میں دیکھتے کانچ سے لہجے میں کہا۔

زاران نے اپنے بال مٹھی میں دبوچتے گہرے سانس لیے  
تھے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے پھولتی رگوں کے ساتھ گلاس  
وال پر مکہ دے مارا تھا۔ فینسی گلاس وال بری طرح جھنجھنا

اٹھا تھا۔ ابرش سمھتے ہوئے گلاس وال میں سمائی تھی۔  
تمھیں لگتا ہے میں مینٹلی سک وو میں ہوں جس نے  
تمھاری زندگی برباد کر دی۔ میں خوا خواہ پلوشہ سے انسکیور  
ہو رہی ہوں زاران۔۔۔ روتے ہوئے چیختی تھی۔  
زاران نے خاموشی اسے دیکھتے لب بھینچے تھے۔



پلوشہ نے پچن میں مجھے کتنی باتیں سنائیں۔ میرے کردار پر بات کی۔۔ مجھے ستارہ خان کے حوالے سے طعنے مارے۔ جس نے ہمارے بچے کو مار دیا۔ پلوشہ کی ساری سچائی سننے کے بعد بھی تم نے مجھے ٹکاسا جواب دے دیا کہ تم اپنی مورے کے خلاف نہیں جاسکتے۔ جب تم نے ابھی بھی صرف پیٹا بننا تھا مجھے امریکہ سے کیوں لائے؟؟ کیوں اس

پلوشہ کو یہاں سے نہیں نکالتے؟؟ میں کمھاری جگہ ہوتی  
اس پلوشہ کو جان سے مار ڈالتی جس نے ہمارے بچے کو  
نقصان پہنچایا۔ ابرش بھیگے لہجے میں بولتے چیختی تھی۔  
میرے قصور ایک بار بتادو مجھے۔ ستارہ خان میری مورے  
وہ پلوشہ یا پھر تمھارے جسم کی چاہ۔۔۔۔۔ یا پھر تمھیں  
باتھ ٹب میں خود سے دور جھٹکنا۔ ایک بار بتاؤ کیا گناہ ہوا

ہے مجھ سے؟؟۔ زار ان نے اس کے قریب ہوتے کاٹ  
دار لہجے میں پوچھا۔

ابرش اس کی باتوں پر اسے خود سے دور دھکیلتے ہاتھ کیبن کا  
شیشہ کھولتے باہر جانے لگی۔ زار ان اسے بازو سے جکڑے  
گلاس وال سے لگا کیا تھا

کیا چاہتی ہو مجھے بتاؤ؟؟ تمہیں لگتا ہے مجھے صرف تمہارا  
جسم چاہیے میرے نزدیک تمہاری یہی ویلیو ہے۔ میں  
تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ زارا ان نے ابرش کو  
گھورتے سنجیدگی سے کہا۔

کمرے سے باہر رہ کر۔ اپنی راتیں نیچے لاونج اور اپنی  
مورے کے گھٹنوں سے لگ کر گزار دو گے۔ زارا ان کے

قریب نہ آنے والی بت پر وہ مزید سلکی تھی۔  
میں کمرے سے باہر نہیں جاؤں گا۔ مجھے احساس ہے کہ  
میں نے امریکہ میں تمہارے ساتھ غلط کیا۔ تم سے  
زبردستی کی۔ مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔ جب تک تم نہیں  
چاہو گی میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ لیکن اب کی  
بار میں تمہاری جذباتیت برداشت نہیں کروں گا۔ پلو شہ

کو تم کل کے بعد تم اس حویلی میں نہیں دیکھو گی۔ مگر اب  
تمہارے لبوں سے میں ستارہ خان اور پلوشہ کا نام نہ  
سنوں۔۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں رات تمہارے  
پاس اس حویلی کے کمرے میں گزاروں گا۔ مگر تم اب  
کی بار اس حویلی سے میری اجازت کے بغیر قدم نہیں  
نکالو گی۔ اب کی بار عنایتیہ آہل زرتاج پھوپھو کوئی بھی وجہ

ہوئی جس کی وجہ سے تم حویلی سے نکلنے پر مجبور ہوئی ایسا  
غلطی سے بھی کچھ ہوا میں برداشت نہیں کروں گا۔  
زاران سرد تسمیحی آواز میں کہتے گلاس وال کا دروازہ  
کھولتے باہر نکل گیا تھا۔

تسمیحیں مجھ پر یقین نہیں ہے کیا؟؟ میں کیوں اس حویلی  
سے تمہاری آجائز کے بغیر نکلوں گی۔ ابرش اس کے



پیچھے آتی ہوئی چنچ کر بولی تھی۔

وہ کیا چاہ رہی تھی وہ ابھی تک سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ سات ماہ بعد بھی اس سے دور رہ سکتا ہے وہ تڑپ اٹھی تھی جیسے۔۔

جو چیز انسان دوسرے کو نہ دے سکے وہ اسے کسی دوسرے سے بھی ایکسپیکٹ نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں تک

یقین کی بات ہے تم نے مجھ پر بھی کیا میں کروں؟؟  
زاران پلٹتے ہوئے آئی برواچکاتے سرد لہجے میں بولا۔  
میں تمہارے پیچھے امریکہ چلا آیا۔ تمہیں اپنی گود میں  
اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ پوری حویلی کو چیخ چیخ کر بتا  
دیا تم میرے لیے کیا ہو۔ اور کیا کروں میں؟؟۔ اگر  
تمہیں لگتا ہے میں اپنے بچے کے کھونے کا ذمہ دار پلوشہ کو

سمجھ کر تم پر اور خود پر ترس کھاؤں تو یہ میں نہیں کروں  
گا۔

حقیقت کو ایک سیپٹ کرتے سوچو اپنے بچے کی موت کا ذمہ  
دار کون ہے۔ جس بچے کو تم مارنے کے لیے گولیاں کھا  
رہی تھی۔ اس سے اگلے دن تم اسی بچے کے لیے رو رہی  
تھی۔ اس دن تم بنا کسی کو بتائے حویلی سے نکل گئی

ابرش۔ اس وقت میں عنائے کو بچانے بہزاد کے  
آدمیوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ اپنے رستے زخموں پر انگلیوں  
کے پوروں سے ابھی مرہم نہیں رکھ سکا تھا کہ مجھے فون  
آتا ہے۔ میری بیوی رات کے اندھیرے میں گاڑی لے  
کر میری حویلی عبور کر گئی ہے۔ اپنے زخموں پر مرہم لگانا  
بھول گیا بھاگتا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ اندھا دھند گاڑی

ابرش۔ اس وقت میں عنائے کو بچانے بہزاد کے  
آدمیوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ اپنے رستے زخموں پر انگلیوں  
کے پوروں سے ابھی مرہم نہیں رکھ سکا تھا کہ مجھے فون  
آتا ہے۔ میری بیوی رات کے اندھیرے میں گاڑی لے  
کر میری حویلی عبور کر گئی ہے۔ اپنے زخموں پر مرہم لگانا  
بھول گیا بھاگتا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھا۔ اندھا دھند گاڑی

چلاتے تھے سڑکوں پر ڈھونڈ رہا تھا۔ تھیں میرے  
بچے کو کچھ نہ ہو گیا ہو۔ ان چند گھنٹوں میں اپنے بچے سے  
پہلے میں کئی بار مر اور زندہ ہوا۔ وہ گاڑی کا تمھارا مانگنا  
تمھارا گولیاں کھانا ایسا لگا تھیں یہ بچہ نہیں چاہیے۔ تم  
نے مجھے افیت پہنچانے کے لیے یہ سب کیا۔  
تمھارے جذباتی پن نے کیا کچھ نہیں چھینا مجھ سے۔

سچ بتاؤں مجھے ڈر لگتا ہے کمھاری انسکیورٹی اور کمھاری  
شدید محبت سے۔۔۔ یقین تو بہت بعد میں آتا ہے۔

۔ اب میرے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ وہ بچہ  
میرے لیے کیا تھا تم کبھی سمجھ نہیں سکتی۔ تم میرے زخم  
ادھیڑتی ہو صرف۔۔



۔ زارا ان اپنی بات ممل کرتے ڈریسنگ روم میں چلا گیا  
تھا۔

ابرش گہرے سانس لیتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے  
بیڈ کی طرف بڑھی۔ وہ کرنے کے انداز میں بیڈ پر بیٹھی۔  
وہ بچہ میرے لیے بھی سب کچھ تھا کیونکہ وہ تمہارے  
لیے سب کچھ تھا۔ یہی زحم یہی غم تو تمہاری بانہوں میں

بانٹنا چاہتی ہوں۔ سمجھیں سمجھ کیوں نہیں آتا۔ یہ عم کسی  
نے مجھ سے آج تک نہیں بانٹا۔ یا پھر کوئی بانٹ ہی نہیں  
سکتا۔ مجھے تو صرف تمہاری ضرورت ہے اور تمہاری  
ضرورت تھی۔ تم بھی کیوں ہر بار مجھے تنہا چھوڑ دیتے ہو۔  
وہ زیر لب آہستگی سے بولتے بیڈ پر لیٹتی کمرے پر پوری  
طرح لپیٹ چکی تھی۔

---

ابرش ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی اپنے سلکی بالوں میں  
برش کر رہی تھی۔ وہ اس وقت بلو کلر کی ویلوٹ کی لانگ  
شرٹ اور سلک کے ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ وہ رات گیلی

نائٹی میں سوچکی تھی۔ جس کے باعث اس کا بدن حرارت  
سے تپ رہا تھا۔ چہرہ بھی بخار کی تمازت سے سرخ تھا۔  
گال اور ہونٹوں پر زار ان کا دی ہوئی شدت ابھی بھی  
پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔ ابرش میرون لپ  
سٹک ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائے اپنے زخمی لبوں پر لگا رہی  
تھی کہ زار ان ڈریسنگ روم سے بلیک پینٹ پر بلیک شرٹ

پہنے نکلاتھا۔ اپنے گیلے نم زدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے وہ  
اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے ڈریسنگ مرر کے سامنے آ  
کھڑا ہوا تھا۔ وہ رات صوفے پر سویا تھا۔ رات سے ان کے  
درمیان بات چیت بند تھی۔

زاران کو دیکھتے ابرش کے ہاتھ ایک پل کے لیے ر کے  
تھے اس کے سکس پیک چٹانی سینہ مرر میں بخوبی نظر آ رہا  
تھا۔ وہ مینٹنگ کے لیے سیاہ لباس پہن کر ہی جا رہا۔ ابرش  
سر جھٹکتی زخمی سا مسکراتے اپنے ہونٹوں پر لپ سٹک  
لگانے لگی۔ زاران نے یکدم ابرش کی کلائی پکڑتے اسے

اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ زار ان کے کشادہ سینے سے آن  
ٹکرائی تھی۔

یہ کیا کر رہی ہو بیوی؟؟ زار ان اس کا رویا متورم چہرہ بغور  
دیکھتے بولا۔ اس کا متورم چہرہ اور گلابی آنکھیں دیکھتے وہ  
پریشان ہوا تھا۔ وہ رات بھر روتی رہی وہ جانتا تھا۔ وہ خود



رات ایک پل سویا تھا۔ رت گلے کی وجہ سے اس کی  
آنکھیں سرخ تھیں۔

تمہارا دیا ہوا زخم اس لپ شک سے چھپانے لگی ہوں۔  
ابرش خود کو اس کے حصار سے چھڑواتے ہوئے بولی۔  
زاران اس کی کمر پر اپنا حصار مزید مضبوط کر گیا تھا۔

مگر میں کہوں مجھے تمہارے لبوں پر اپنی شدت کے علاوہ  
کوئی رنگ نہیں پسند تو؟؟ زار ان اپنے انگوٹھے سے اس  
کے نچلے لب پر لگی لب شک بے دردی سے صاف کر گیا  
تھا۔

تو کیا؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کیا۔

تو مت لگاؤ کوئی بھی رنگ ان پر۔۔۔۔ تم مجھے ایسے ہی  
پسند ہو۔۔ اور میں چاہتا ہوں ہمارے پیچ رات کو کچھ نہیں  
ہو۔ یہ بات کسی کو پتہ نہ چلے۔ نہ تمہارے بھیگی آنکھوں  
سے اور نہ تمہارے متورم چہرے سے۔۔ اس لیے کوئی  
ضرورت نہیں یہ زخم چھپانے کی۔ زار ان نے سنجیدگی  
سے حکم دیا۔۔

مجھے کوئی چاہت نہیں میں تمھاری مورے کو بتاؤں کہ  
میں تمھارے حقوق اچھی طرح بستر پر نبھاتی ہوں ابرش  
نے تلخی سے بولتے خود کو اس کے حصار سے چھڑوا یا۔  
زاران اسے کمر سے مضبوطی سے جکڑے اسے اپنے  
قریب کر گیا تھا۔ ابرش کے لب اس کی ٹھوڑی سے آن  
لکرائے تھے۔

ابرش کی گلابی آنکھیں زاران کی پرکشش سیاہ آنکھوں میں  
گڑھی تھیں۔ دونوں کی خوشبو ایک دوسرے کی سانسوں  
میں انہیل ہوئی تھی۔ رات کے مناظر دونوں کی نظروں  
کے سامنے لہرائے تھے۔ ایک دوسرے کی طلب دونوں  
کی آنکھوں میں دوڑتی ان کی آنکھیں اسی خمار آلود کر گئی  
تھی۔ ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔

زاران اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔ دونوں کی دل کی  
دھڑکنیں ایک دوسرے کے سینے میں بجنے لگی تھیں۔  
مجھے چھوڑو مجھے میک اپ کرنا ہے۔ ابرش نے اسے خود  
سے دور دھکیلا۔ زاران اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط  
کیے ہوئے تھا۔

میں چاہتا ہوں تم بالکل میک اپ نہ کرو اور سب کو بتاؤ  
تمہارے پور پور پر زار ان خانزادہ بستا ہے۔ وہ رات کو  
ٹوٹ کر تم پر برساتا تھا۔ تمہاری چہرے کی سرخیاں میری  
قربت پر محمول ہیں۔ زار ان نے کہتے اس کے دوسرے  
عارض پر شدت سے دانت گاڑھے۔ ابرش اس کی شدت



پر سسکی تھی۔ وہ ایک سیکنڈ میں اس کا گلابی گال نیلا کر گیا  
تھا۔

۔ اس سے کیا ہو گا؟؟۔ ابرش نے زاران کی دی ہوئی  
شدت اپنی ہتھیلی سے رگڑتے مٹانی چاہی زاران اس کی  
کلائی پکڑتے اسے روک چکا تھا۔

ابرش مورے داجی زحلے پھوپھو سب ایک مینٹلی ٹروما  
سے گزر رہے ہیں اس میں ہماری طرف سے ذرا بھی  
ٹینشن ان سب کو بہت زیادہ لگے گی۔ میں نہیں چاہتا کوئی  
ہماری وجہ سے پریشان ہو۔۔۔ زارا ان کی بات پر وہ نم  
آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔ وہ ایک اچھا بیٹا  
ہونے کے ساتھ اچھا داماد بھی تھا۔ صرف ایک اچھا شوہر

نہ تھا۔ ابرش اپنی کالج سی سببھی آنکھوں میں اب کاجل  
لگانے لگی تھی۔

دوپٹہ اوڑھو ایسے ہی نیچے چلتے ہیں۔ بہت خوبصورت لگ  
رہی ہو تم۔۔۔ زارا ان اس کی کلائی جکڑے اسے کاجل  
لگانے سے بھی روک چکا تھا۔

زاران نے نرمی سے اس کی ٹھوڑی چھوتے اسے قریب  
کرتے اس کے سلکی بالوں میں ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھائے  
پیچھے ہاتھ لے کر جائے کیچر لگایا۔ تمہارے کھلے بال بھی  
مجھے نہیں پسند۔۔۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ میرے لیے  
کمرے میں یہ سب کرو۔ زاران نے اس پر نیٹ کا دوپٹہ  
اڑھایا تھا۔

بیٹس لگے دوپٹے نیٹ کے بلو دوپٹے میں وہ چمکنے لگی تھی۔  
زاران اپنے اندر شورش جذبات سے لڑتے ہوئے جلدی  
سے پیچھے ہوا تھا۔

مگر میں تمہارے لیے کبھی اب تیار نہیں ہوں گی۔۔۔  
ابرش نے سپاٹ انداز میں کہتے اپنا دوپٹہ اچھی طرح سر پر  
جمایا تھا۔ زاران کچھ پل اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کو دیکھتے

رخ موڑ چکی تھی۔ زاران اس کی طرف بڑھتے اس کی  
کلائی جکڑے کمرے سے باہر نکل آیا تھا

---

زاران ابرش کی کلائی پکڑے ڈائینگ روم میں داخل ہوا۔  
ڈائینگ روم میں اس وقت عابیر امینہ خانم روزینہ خانم  
پلوشہ موجود تھیں۔ سمیع اللہ درید اور اربد خان زیادہ تر

ناشتہ مردانے میں ہی کرتے تھے۔ شہرام اسفند رات  
سے حویلی نہیں آئے تھے۔ بہارے اپنے سٹیجیز کی وجہ  
سے کمرے میں ہی ناشتہ کرتی تھی۔

اپنے گھر والوں کو ڈائینگ روم میں نہ دیکھ کر ابرش کی  
آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ یقیناً انھیں کسی نے پوچھا ہی نہ تھا  
۔ ان کی بے بسی یاد آئی تھی۔ رات کو کسی نے انھیں



کھانے تک کانہ پوچھا تھا۔ اس نے کون سا کھانا کھایا تھا۔  
زاران اسے چھوڑتا اپنے ضروری کام کے لیے نکل گیا تھا۔  
اور واپس آکر بھی اسے ذرا پرواہ نہیں تھی کہ اس نے کھانا  
کھایا کہ نہیں۔۔ ابرش تلخی سے سوچ کر رہ گئی تھی۔  
اسلام و علیک مورے۔۔ زاران نے آگے بڑھتے امینہ  
خانم سے سلام کیا۔

و علیکم سلام زاران۔۔۔ کیسا ہے تم ٹھیک ہے؟؟ امینہ  
خانم نے چنیر سے کھڑے ہوتے اس کے کندھے پر ہاتھ  
پھیرتے بغور ابرش کو دیکھا جو زاران کے ساتھ نظریں  
جھکائے کھڑی تھی۔ زاران اس کی کلائی جکڑے ہوئے تھا  
جو اس نے ابھی تک چھوڑی نہیں تھی۔

لالا اسلام وعلیکم؟؟ عابیر آگے بڑھتے زاران کے سینے سے  
لگی۔ زاران نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اس کے سر کو چوما  
۔ وہ اب ابرش کی کلائی چھوڑ چکا تھا۔ جسے ابرش نے بری  
طرح محسوس کیا۔

ابرش چھیر کی طرف بڑھنے لگی تھی کہ زاران پھر سے اس  
کی کلائی جکڑ چکا تھا۔ اسے نظروں نظروں ہی میں امینہ خانم

سے سلام کرنے کو کہا۔

زاران کا اشارہ سمجھتے ابرش نے گہرا سانس لیتے امینہ خانم کو دیکھا تھا۔ جو سنجیدگی سے کھڑی اس کا بغور معائنہ کر رہی تھی۔ ابرش نے سرخ پڑتے اپنا دوپٹہ اچھی طرح ٹھیک کیا۔

زاران نے اسے میک اپ نہیں کرنے دیا تھا۔ ہونٹوں کا  
زخم اور عارض پر نیلا ہٹ کا نشان اچھی طرح واضح ہو رہا  
تھا۔ ابرش کی اب رنگت تپ کر قندھار ہوئی تھی۔ نہ  
صرف امینہ خانم بلکہ روزینہ خانم اور پلوشہ کی چبھتی  
نظریں تک اس پر گڑھیں تھیں۔

اسلام وعلیم آنٹی۔ ابرش نے اپنا زخمی لب دانتوں تلے  
چھپاتے سلام کیا تھا۔ نیٹ کے دوپٹے سے عارض چھپانے  
کی بھی کوشش کی۔ اس طرح فیملی میں اسے بہت عجیب  
لگا تھا۔ امریکہ میں رہنے کے باوجود وہ اپنی لمٹس کبھی  
نہیں بھولی تھی۔

وعلیکم سلام بچہ کیسا ہے تم؟؟۔۔ کمھارا طبعیت ٹھیک  
ہے۔ یہ چہرہ سرخ کیوں ہو رہا ہے؟؟۔ ابرش کے چہرے  
کی شدید سرخی وہ زاران کی قربت پر محمول کر رہی تھیں۔  
چہرہ متورم اور سرخ تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی ابرش کو بخار  
ہے۔ زاران کی شدتیں سہتے اسے شاید بخار چڑھا ہے۔



زاران اسے جس طرح گود میں اٹھائے کمرے میں لے کر  
جا رہا تھا۔ یقیناً اس نے رحم نہیں کھایا تھا اپنی بیوی پر۔۔

امینہ خانم اسے دیکھتے اب مبہم سا مسکرائی۔ ابرش ان کی  
مسکراہٹ کا مطلب سمجھتے نظریں جھکا گئی تھی

اسلام و علیکم۔۔۔۔۔ بھابھی کیسی ہیں آپ؟؟۔۔ عابیر  
مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگی ت۔

ٹھیک ہوں ابرش آہستگی سے بولتے اس سے الگ ہوئی  
تھی۔۔

زاران ابرش کو دیکھتے سنجیدگی سے چمیر پر بیٹھا۔ ابرش کی  
جھکی نظریں اور اس کے تپتے عارض کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اسے بھی ابرش کے چہرے پر اپنی دی ہوئی شدتیں خفت  
میں مبتلا کر رہی تھیں۔۔ اپنی موے اور بہن کے سامنے وہ  
اچھا خاصہ خفت میں مبتلا ہوا بھی تھا۔

مگر وہ آج ابرش کو سکیور فیل کرنا چاہتا تھا یقیناً وہ کل کو یہ  
سوچتی اس نے اپنا اور اس کا رشتہ گھر والوں پر اچھی طرح  
واضح نہیں کیا۔ کل رات اسی بات کو لے کر وہ اس سے بار

بار سوال کر رہی تھی۔ مگر ابرش کی اب جھکی نظریں دیکھ  
کر وہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔ ایک عورت کیا چاہتی  
ہے خاص طور پر بیوی وہ ایک مرد کبھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔  
ابرش بچہ تم کر سی پر بیٹھ کر ناشتہ کرو۔ امینہ خانم نے  
اسے کھڑا دیکھ کر کہا۔ ابرش آہستگی سے چلتے ہوئے زارن  
کے ساتھ والی چئیر پر بیٹھی۔

پلوشہ ابرش کے عارض اور ہونٹ پر زاران کی شدت دیکھ  
کر جلن سے سرخ پڑی تھی۔ امینہ خانم کا میٹھا لہجہ ابرش  
کے ساتھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ غصے سے چمیر  
گھسیٹ کراٹھی۔

بیٹھی رہو وہیں پر۔۔۔ زاران کی بلند دھاڑ پر وہ اچھل کر رہ  
گئی تھی۔

نہ صرف پلوشہ بلکہ ابرش عابیر بھی بری طرح اچھلی  
تھیں۔ امینہ خانم نے پریشانی سے زار ان کو دیکھا جو اپنی  
کرسی پر بیٹھا خشکیوں نگاہوں سے پلوشہ کو گھور رہا تھا۔  
روزینہ خانم نے غصیلی کاٹ دار نگاہیں زار ان پر ڈالیں جو  
پتہ نہیں اب کیا تماشہ لگانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بابرک کی  
سچائی سب کے سامنے آنے پر ان کا دل زار ان کی طرف

سے مزید زہر خند ہوا تھا۔ کل رات سے اسفندیار خان گھر  
واپس نہیں آیا تھا۔ اور ان کا فون اٹھارہا رہا تھا۔ انھیں لگ  
رہا تھا وہ بابرک کے بعد جیسے اسفندیار خان کو بھی کھو چکی  
ہیں۔

زاران یہ کیا طریقہ ہے؟؟۔ تم پلوشہ سے کیسے بات کر رہا  
ہے؟؟۔ یہ مہمان ہے ادھر۔ امینہ خانم نے زاران کے



سرخ چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ پلوشہ کی رنگت  
میں زردیاں گھلی دیکھ کر بھی وہ پریشان ہوئی تھیں۔  
زاران اپنی ہلکی گھسنی سیر ڈپر ہاتھ پھیرتے پلوشہ کو خون  
اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

امینہ خانم کا سوال وہ نظر انداز کر گیا تھا۔ وہ اپنی لہنی بَیرڈ  
پر ہاتھ پھیرتے پلوشہ کو صرف خون اتری آنکھوں سے  
دیکھ رہا تھا۔ زاران کی سرد سرخ نگاہیں اسے کانپنے پر مجبور  
کر رہی تھیں اور وہ کانپ بھی رہی تھی۔

جس دن ابرش نے پناہ چھو یا اس دن تم نے مجھے فون پر  
کیا کہا تھا؟؟ زاران نے پلوشہ کو گھورتے ہوئے بر فیلے

لہجے میں سوال کیا۔ زاران کے سوال پر پلوشہ کا حلق  
خشک ہوا تھا۔

زاران۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ کو۔۔۔۔۔ معلوم  
۔۔۔۔۔ ہے ہم۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔ نے کیا۔۔۔۔۔ کہا۔  
تم۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔ پوچھ۔۔۔۔۔ رہا ہے؟؟ پلوشہ کے حلق  
سے کھٹی کھٹی آواز نکلی تھی۔

مجھے معلوم ہے تم نے کیا کہا؟؟ میری یادداشت بہت اچھی  
ہے۔ میرا نام زار ان خانزادہ ہے۔ جو ایک ایک بات  
دوسرے کی یاد رکھتا ہے اور وقت پڑنے پر سود سمیت  
حساب بھی چکاتا ہے سمجھو تمہارا وقت آگیا۔ زار ان چمیر  
پر سیدھا ہوتے استھزائیہ مسکرایا۔

پلوشہ کارنگ لٹھے کی مانند سفید ہوا۔ اس نے کھراتے  
ہوے ابرش کو دیکھا جو بھیگی نگاہوں سے زار ان کو دیکھ  
رہی تھی۔

زار ان۔۔۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہا ہے؟؟۔ امینہ خانم کی  
پریشان آواز گونجی تھی۔ زار ان کا انداز انھیں پسند نہیں  
آیا تھا۔ پلوشہ ان کے اکلوتے بھائی کی بیٹی تھیں۔ جس کی

وجہ سے انھیں بہت عزیز بھی تھیں۔ زاران کا ہتک امیز  
رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا ان سے۔۔۔۔

ایک منٹ۔۔۔۔ مورے۔۔ آپ اب جو کچھ بھی بولیں  
گی وہ میری اور پلوشہ کی بات مکمل ہونے کے بعد بولیں  
گی۔ اس سے پہلے کوئی نہیں بولے گا۔ زاران سنجیدگی  
سے بولتا مینہ خانم کو ٹوکا تھا۔

امینہ خانم زاران کے انداز پر لب بھینچے خاموش ہو گئی  
تھیں۔

روزینہ خانم زاران کی بلند اور سرد آواز پر زہریلا مسکرا کر  
رہ گئی تھیں۔

کیا کہا تھا تم نے فون پر؟؟ سب کو ایک ایک لفظ بتاؤ۔  
زاران نے سرد آواز میں پلوشہ کو حکم دیا۔



وہ۔۔۔ زاران۔۔۔ پلوشہ نے تھوک لگلاتھا۔  
بتاؤ سب کو۔۔۔ زاران نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ چچ  
پلیٹوں کی آواز کے ساتھ ٹیبل کا شیشہ بری طرح  
تھر تھرایا تھا۔ پلوشہ کی رنگت مزید فق ہوئی تھی۔ وہ  
کرسی پر پھر سے اچھلی تھی۔ زاران کے غصے سے بخوبی

واقف تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں اس کی جان نکال رہی تھی۔

یہی کہا تھا کہ ابرش۔۔۔ میرے۔۔۔ کمرے۔۔۔  
میں۔۔۔ آئی۔۔۔ تھی۔۔۔ وہ۔۔۔ اس نے  
۔۔۔ مجھ پر۔۔۔ اور۔۔۔ تم پر۔۔۔ الزام لگایا  
تھا۔۔۔ پلوشہ اپنی بات کرتے گہرے سانس لیتے رکی تھی۔

آگے بتاؤ۔۔۔ زار ان کرسی سے ٹیک چھوڑتے ٹیکبل پر  
دونوں ہاتھ جماتے آگے کو ہوتا غرایا۔  
پلوشہ نے بے چارگی سے امینہ خانم کو دیکھا جو شرمندگی  
سے اس سے نظریں چرائے ہوئے تھی۔  
اس نے گہرے سانس لیے بتانا تو تھا ورنہ سامنے بیٹھا خان  
اسے چھوڑتا ناں۔۔۔ پلوشہ نے اپنا اعتماد بحال کیا۔

زاران کے پاس ثبوت تو ہو سکتا نہیں تھا۔ اس لیے اس نے خود کے ڈر پر قابو پایا۔ آخر وہ بھی ایک خان کی بیٹی تھی۔ زاران اسے کیا کہہ سکتا تھا۔

اس نے مجھ پر تم پر بہت برے الزام لگائے تھے اور کہا تھا وہ تمہیں سزا دینے کے لیے اپنا بچہ مار دے گی۔ یہ سچ ہے

یہ سچ ہے زاران۔۔۔ ابرش نے ایسے ہی کہا تھا۔ پلوشہ نے ایک ہی  
سانس بات میں اپنی بات مکمل کرتے گہرا سانس لیا۔  
تم سچ بول رہی ہو اس بات کا فیصلہ تم نہیں میں کروں گا۔  
زاران نے طنزیہ انداز میں لفظ چبائے۔  
امینہ خانم نے کینہ توڑ نگاہیں ابرش پر ڈالیں جو نیٹ کے دوپٹے  
سے اپنی سرخ متورم آنکھیں رگڑ رہی تھیں۔

اب تم بتاؤ ابرش کیا ہوا تھا؟؟ زار ان نے ابرش کے بھیسے  
چہرے کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ابرش کی آنسوؤں کی روانگی میں اضافہ ہوا تھا۔

آنسو مت بہاؤ جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔ زار ان ٹیبل پر مکہ مارتے  
ہوئے پھنکارا۔ ابرش نے اس کی یقینی سے اسے دیکھا جو  
اسے گھورتے پلوشہ پر خون اشام نگاہیں گاڑھ چکا تھا۔

زاران کے چہرے کی رنگت میں شدید سرخیاں کھلی ہوئی  
تھیں۔ آنکھوں میں لہو اتر اہوا تھا وہ حیران ہوئی تھی رات  
اس کا نارمل ری ایکشن تھا۔ لیکن وہ اپنے اندر اتنا غصہ  
دبائے ہوئے تھا اسے اندازہ نہ تھا۔ زاران کی سرخ  
آنکھوں میں اپنے بچے کو کھونے کا کرب صاف نظر آ رہا



تھا۔ ابرش نے سسکی لیتے بے دردی سے اپنی آنکھیں  
رگڑیں۔

پلوشہ اس دن میرے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے مجھے  
کہا کہ آنٹی آپ کا اور اس کا ریشہ پکا کر چکی ہے۔ اس نے وہ  
مجھے ریکارڈنگ سنائی۔ جس میں آنٹی نے پلوشہ کے بابا  
سے آپ کا اور اس کا ریشہ کی حامی بھری تھی۔ پلوشہ نے

مجھ سے کہا کہ آپ مجھے ہمارے بچے کی وجہ سے برداشت  
کر رہے ہیں۔۔ جیسا ہی بچہ ہو گا آپ مجھ سے میرا بچہ چھین  
کر اس کو دے دیں گے۔ اور جو تھپڑ آپ نے مجھے بند  
کمرے میں مارا تھا۔ پلوشہ کو اس تھپڑ کے بارے میں بھی  
پتہ تھا۔ جب میں نے پوچھا کہ اسے کیسے پتہ اس نے کہا کہ  
تھپڑ تمہیں بند کمرے میں مارا تو گونج مجھے کیسے سنائی دی۔

کیونکہ آپ اسے اپنی پرستل ہر بات بتاتے ہیں۔ مجھے کتنے  
تھپڑ مارے۔ مجھے کتنا ذلیل کیا۔ پلوشہ کو ہر بات پتہ ہوتی  
ہے۔ ابرش نے اب زخمی شکوہ کناں نگاہ زار ان پر ڈالی  
تھی۔ اس کے مارے ہوئے تھپڑوں کی افیت میں آضافہ  
ہوا تھا۔ سب کے سامنے بتانے پر اسے توہین و خفت کا  
احساس ہوا تھا۔

ابرش کی تھپڑوں والی بات پر امینہ خانم اور عابیر نظریں چرا  
گئی تھیں۔

پلوشہ اب روتے ہوئے مسلسل سر نفی میں ہلا رہی  
تھی۔

خانم بی۔۔۔ یہ جھوٹا الزام مجھ پر لگا رہا ہے۔ میں انے سے  
ایسا کچھ نہیں کہا۔ پلوشہ سر نفی میں ہلاتے روتے ہوئے

امینہ خانم کو دیکھتے بولی۔

میں نے ابرش کو تھپڑ مارا تھیں کیسے پتہ چلا؟؟۔۔ زارن

نے چچ ٹیبل پر پٹختے ہونے لفظ چباتے استفسار کیا۔

زارن ہم اپنا مورے بابا کا قسم کھاتا ہے۔ تم کسی کا بھی قسم

لے لو۔ یہ آیا تھا ہمارا کمرہ میں۔ اس نے ہم پر اور تم پر گندا

گندا الزام لگایا۔ اس کو ہمارا دھر رہنا چبھتا ہے۔ یہ حسد

میں ہم پر جھوٹا الزام لگا رہا ہے۔ اس نے رات کو باورچی  
خانہ میں ہم کو دھمکی دیا تھا کہ یہ ہم کو کل تک اس حویلی  
سے نکال کر دم لے گا۔ پوشہ کرسی سے اٹھتے ہوتے  
ہچکیوں سے روتے ہوئے بولی۔  
زاران میں بھی قسم کھاتی ہوں یہ جھوٹ۔۔۔

تم اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے قسم نہیں کھاؤ گی۔  
زاران سرد انداز میں ابرش کی بات کاٹ چکا تھا۔ نظریں  
ابھی بھی پلوشہ پر تھیں۔

زاران پلوشہ اپنا مورے بابا کا جھوٹا قسم نہیں کھا سکتا ہے۔  
یہ بہت محبت کرتا ہے اپنا مورے بابا سے۔ ہم تمہارا  
بیوی کے خلاف نہیں ہے۔ مگر ابرش تمہارا بیوی ہے



سمجھیں لے کر جذباتی ہے۔ پلوشہ کو یہاں سے نکالنے کے  
لیے یہ کر سکتا ہے۔ امینہ خانم کی بات پر ابرش کی آنکھوں  
سے گرم سیال بہا تھا۔

مورے میں آپ کی قسم کھاتا ہوں۔ ابرش جھوٹ نہیں  
بول رہی۔ وہ جھوٹ نہیں بولتی۔ اب بتائیں میں آپ کی

جھوٹی قسم کھا سکتا ہوں؟؟۔ زاران نے امینہ خانم کی  
طرف دیکھتے آئی برواچکائے سنجیدگی سے استفسار کیا۔  
زاران کی بات پر ابرش کی سسکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔  
اس نے نیٹ کے دوپٹے سے اپنی آنکھیں اور ناک  
رگڑیں۔

زاران جب تمہارا بیوی سچا ہے تم اس بات پر مہر لگا چکا ہے  
تو بیچاری پلوشہ کو کٹھنسرے میں کیوں کھڑا کر رکھا ہے؟  
اس کو سزا سناؤ تم۔ اور جہاں تک بات ہے تمہارا اور  
تمہارا بیوی کا سچا ہونے کا۔ کل رات تم اس بات سے بھی  
مکر چکا تھا کہ تمہارا بیوی حویلی سے بھاگا نہیں ہے۔ تم اپنا

بیوی کا بچانا کے واسطے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ مگر اپنا  
مورے کی قسم کھا سکتا ہے یہ ہم کو معلوم نہ تھا۔ امینہ خانم  
تلخی سے بولتے زہر خند لہجے میں مسکرائی۔۔۔ زارا ان نے  
اپنی پچھلی گردن رب کرتے کرسی سے اٹھتے ہوئے ٹیبل  
پر پڑا گلاس اٹھا کر یو آر پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔  
شیئہ کا گلاس چکنا چور ہوا تھا۔

سب ہڑبڑاتے ہوئے اپنی اپنی نشستوں اٹھے تھے۔۔  
آخری بار کہہ رہا ہوں میری بیوی پر آپ کوئی بات نہیں  
کریں گی۔ ورنہ میں لحاظ نہیں کروں گا۔ زارا ان کے  
قریب ہوتے انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے سر دلچے  
میں بولا۔

زاران۔۔۔۔ اسفندیار خان کی سرد آواز پر زار ان اپنی  
مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

اپنی حد میں رہو۔۔ رات تم حق پر تھے میں خاموش تھا۔  
مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم میری مورے سے اس  
لہجے میں بات کرو۔ اسفند نے آگے بڑھتے روزینہ خانم

کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں بھرا۔ جو اسفند کو دیکھتے اس  
کے سینے سے لگے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں ان سے آئندہ ایسے بات کرنا تو  
دور کی بات بھی نہیں کروں گا تم انہیں اپنے لفظوں سے  
سمجھا دو یہ میرے اور ابرش کے معاملے سے دور رہیں۔



یقیناً تم بھی اپنی بیوی کے متعلق کسی کے منہ سے غلط بات  
برداشت نہیں کرو گے۔۔۔ زارا ان نے اسفند کو گھورتے  
لفظ چبائے تھے۔

لالا۔۔۔ اسفند یار خان کسی کے بھی منہ سے اپنی بیوی  
کے لیے ہر لفظ سن بھی سکتا ہے۔ برداشت بھی کر سکتا  
ہے۔ اور لالا آپ مجھے اُنیندہ اسفند یار کی بیوی نہیں بولیں

گے۔ خئی بولا کریں خئی۔۔۔ میں بیوی نہیں اسفندیار  
خان کا انتقام ہوں۔ عابیر طنزیہ لفظ چباتے بولی تو اسفندیار کی  
آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ وہ جب سے آیا تھا ایسے ہی  
لفظوں کی مار مار رہی تھی۔

اسفندیار خان نے مٹھیاں بھینچے عابیر پر نظر ڈالی جو ریڈ  
فراک پر ریڈ نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے سرخ لپ سٹک لگائے

شعلہ جوالہ بنی سی کھڑی تھی۔ ہیزل گرے آنکھوں میں  
کا جل کی گہری رک تھی۔ اسفند نظر بھر کر اس کی طرف  
دیکھ نہ سکا تھا وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اپنی  
نظریں پھیر کر رہ گیا

امینہ خانم نے قہر آلود نظر عابریہ ڈالی جو اسفند پر سرد انداز  
میں آنکھیں گاڑھے ہوئے تھی۔ انھیں اپنی بیٹی کے

انداز و اطوار پسند نہیں آرہے تھے۔

روزینہ خانم کے رونے میں اضافہ ہوا تھا۔ عابیر کی باتوں پر اسفند کی خاموشی انھیں دکھ اور غصے میں مبتلا کر گئی تھی۔ عابیر انھیں آج بھی اپنے بیٹے کی زندگی میں قبول نہ تھی۔ یہ صبح صبح کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟۔ درید خان ڈائمنگ روم میں داخل ہوتے بولے۔ عنائتہ زرتاج زحلے بھی آوازیں

سنتے ڈائینگ روم میں داخل ہوئے تھے۔

اسلام و علیکم بابا۔۔۔ زار ان نے احتراماً کہا۔ درید خان نے  
ہنکار بھرتے سلام کا جواب دیا۔ بابرک کی گندی ویڈیو  
دکھانے پر وہ زار ان سے بری طرح خفا تھے۔ جس نے گھر  
کی عورتوں کا خیال نہیں کیا تھا۔

مورے اپنا فون دیں۔ زارا ان نے امینہ خانم کو دیکھتے ان  
سے ان کا فون مانگا۔

ہمارا کمر میں ہوگا۔ جاؤ پلوشہ بچہ ہمارا فون لاؤ۔ امینہ خانم  
نے پلوشہ سے کہا۔

پلوشہ اپنی آنکھیں دوپٹے سے رگڑتے آگے بڑھی ہی تھی  
کہ زارا ان کی سرد آواز پر اسے رکنا پڑا۔

تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ زار ان حلق کے بل گر جا۔ پلوشہ  
بری طرح کانپ کر رہ گئی تھی۔

ابرش پریشانی سے زار ان کو دیکھ رہی تھی۔ جو پھر اشیر بنا  
ہوا تھا اسے اندازہ نہ تھا زار ان یوں سب کے سامنے یہ  
سب کچھ کرے گا۔ سب دوبارہ سے اس پر اور زحمت کو برا



بھلانہ کہنا شروع ہو جائیں وہ پریشان ہوئی تھی۔ مزید اپنے  
کردار پر وہ وار نہ سہہ پاتی۔

در خشاں۔۔۔ در خشاں۔۔۔ زار ان بلند آواز میں چلایا  
تھا۔

جی لالادر خشاں بھاگتی ہوئی آئی۔ مورے کا موبائل لاؤ۔  
زار ان نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

جی لالا۔۔۔ درخشاں کہتے ڈائینگ حال سے نکل گئے۔۔  
سب خاموشی سے کھڑے تھے۔ پلوشہ کی بلند آواز میں  
ہچکیاں جاری تھیں۔ ابرش زار ان کے خوف سے اب  
اپنے آنسو تک روکے ہوئے تھی۔۔

سب خاموش کھڑے تھے۔ اسفند کی سرخ نظروں کا  
ارتکا زعابیر پر تھا۔ جو شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی۔ اس کے

سنہری بال کھلے تھے۔ جونیٹ کے دوپٹے سے نظر آرہے  
تھے۔ اس کے کھلے بال اسے کمرے سے باہر پسند نہیں  
تھے۔ وہ اسے سختی سے منع بھی کرچکا تھا۔ وہ اس بات کا  
خیال بھی رکھتی تھی۔ مگر آج وہ کھلے بالوں کے ساتھ نیٹ  
کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی جس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

اسفند سرد نظریں اس پر گاڑھے ہوئے تھا۔ وہ اتنا تیار  
کیوں تھی وہ سمجھ نہیں پارہا تھا۔

درخشاں نے امینہ خانم کا فون ان کے کمرے سے لا کر  
زاران کو پکڑایا۔

زاران نے فون ریکارڈر آن کیا۔ جس میں امینہ خانم اور  
پلوشہ کے بابا کی بات وہی چیت تھی۔ جس میں وہ اس کی

اور پلوشہ کی بات طے کر رہی تھیں۔

امینہ خانم نے پریشانی سے اب پلوشہ کو دیکھا۔ سب حیرانگی سے امینہ خانم کو دیکھ رہے تھے جو فون پر پلوشہ اور زارا ان کی بات طے کر رہی تھیں۔

درید خان نے بھی غصے سے امینہ خانم کو گھورا تھا۔ وہ ابرش  
ک ہوتے کیسے پلوشہ اور زاران کی بات طے کر سکتی  
تھیں۔ زحلے نے گہرا سانس لیتے امینہ خانم کو شکوہ کناں  
نگاہوں سے دیکھا جوان کی بیٹی پر اپنا بڑا ظلم کرنے کا ارادہ  
رکھتی تھی۔

مورے اس فون میں صرف یہی فون کال ریکارڈ ہے اور  
کسی کی کال کی ریکارڈنگ موجود نہیں۔ اس کا مطلب یہ  
ہوا پلوشہ نے یہ خاص طور پر اس دن آپ کی کال ریکارڈ کی  
تھی۔

زارن یہ غلطی سے ہو گئی ہو گی۔ ہم نے نہیں کیا۔ پلوشہ  
روتے ہوئے بولی۔



اچھا علطی سے ہو گئی تھی۔ صرف ایک یہی کال۔۔ زاران  
طنزیہ مسکرایا تھا۔

میں بتاتا ہوں پلوشہ تم بارہینا کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ تم  
نے ہی عنانیہ کا اغوا کروایا تھا۔ تم ہماری حویلی کی ہر خبر اس  
بہزاد اور زعمیم تک پہنچاتی رہی۔ زاران بلند آوازی؟  
دھاڑا تھا۔

پلوشہ کی تھر تھراہٹ میں آضافہ ہوا تھا۔ سب حیران  
پریشان ہوئے تھے۔ یہ بات بہت بڑی تھی جو زاران کہہ  
رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہا ہے تم گھر کانچی پر کیسا الزام لگا رہا ہے؟؟۔  
ہمارا حویلی کانچی ایسا نہیں ہو سکتا۔ درید خان غصے سے  
بولے۔

بابا میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں میرے پاس ثبوت ہیں یہ  
باربینا کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ تبھی تو یہ ہر وقت میرے  
کمرے کے باہر کھڑی رہتی تھی۔ اس نے ہر خبر بہزاد تک  
پہنچائی۔ باربینا کو تو میں نے سخت سزا دی ہے۔ اس کی  
زبان کاٹ دی تھی۔

اب پلوشہ کو اس سے بھی سخت سزا دوں گا۔ اس کی زبان  
آنکھیں نکال دوں گا۔ اس نے میری عزت سے کھلواڑ کیا  
۔ اس نے یہ گھٹیا حرکت کی۔ اس کی سزا بارہینا سے بھی  
زیادہ سخت ہوگی۔ زارا ان غصے سے گر جا۔  
پلوشہ زارا اور اس کی گرج پر بیہوش ہونے کو تھی۔

نہیں زاراں ہم نے یہ سب نہیں کیا۔ پلوشہ تھر تھر کانپتے  
ہوے بولی۔

تم نے ہی یہ سب کیا ہے۔ ورنہ بار بینا کے لیے یہ آسان  
نہیں تھا۔ بہزاد کو موت کے گھاٹ اتارا اب کھڑی  
باری۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو میں تمہارے ساتھ

کتنابر اسلوک کروں گا۔ زاران اس کے مقابل آتے غصے  
سے پھنکارا تھا۔

زاران میں نے صرف ابرش سے اس دن یہ سب جھوٹ  
بولاتھا۔ کیونکہ ہم چاہتا تھا ابرش کا بچہ ضائع ہو جائے۔ ہم  
صرف تمہیں پانا چاہتا تھا۔ اس لیے ہم نے یہ سب نے  
کیا۔ تم نے اسے تھپڑ مارا، ہم نے تمہارا کمر کے دورازے

کے باہر یہ سب سنا۔ ہم نے باربینا کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم  
اپنا مورے بابا کا قسم کھاتا ہے۔ ہم نے باربینا کا ساتھ نہیں  
دیا۔ ہم کو تو آج سے پہلے پتہ بھی نہیں تھا باربینا نے یہ  
سب کیا۔ پلو شہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر  
رودی تھی۔



ڈائینگ حال میں موت سانسناٹا ایک پل کے لیے چھایا  
تھا۔ سب خاموش کھڑے تھے۔ ڈائینگ ہال میں پلوشہ  
اور ابرش کے رونے کی صرف آواز سنائی دے رہی تھی۔  
زاران نے اسی لمحے پوری قوت سے پلوشہ کے گال پر  
زنائے دار تھپڑ جڑ دیا۔

پلوشہ اپنے تھر تھرائے وجود پر بمشکل قابو پائے گال پر  
ہاتھ رکھے نظریں جھکائے بری طرح سسک پڑی۔ زارا ان  
کے تھپڑ پر حلق میں خون اتر ا تھا۔ اس نے پوری فورس  
لگائی تھی تھپڑ مارتے ہوئے۔ پلوشہ اب سن دماغ کے  
ساتھ کھڑی نظریں جھکائے تھی۔

باقی سب خاموش سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ امینہ  
خانم نظریں جھکائے کھڑی کرسی کی پشت پر ہاتھ سختی سے  
جمائے ہوئے تھیں۔۔

میرے بچے کو مارنے کی کوشش کی تم نے۔۔ زارا ان  
خانزادہ کے بچے کو۔۔ جی کر رہا ہے تمہیں زندہ زمین میں  
گاڑھ دوں۔ مگر دکھ اس بات کا بھی ہے قصور صرف

مکھارا نہیں۔ میرا اور کسی اور کا بھی تھا۔ زارا نے ابرش  
پر اپنی سرد نظریں گاڑھیں۔

ابرش روتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔

اگر تم بارہینا سے ملی ہوتی مجھے اس بات کا ذرا سا بھی شک  
ہوتا تمہیں گولیوں سے بھون کر تمہاری قبر اس حویلی  
میں بنا دیتا۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ ابرش میری عزت

ہے اور میری عورت کی عزت کے ساتھ کھلواڑ کرنے والی  
کی سزا موت سے بڑھ کر ہے۔ بارہینا کی زبان چاقو سے  
میں نے خود کاٹی تھی۔ تمھاری سزا تو اس سے بدتر ہوتی۔  
تمھارے منہ سے یہ سچائی نکلوانے کے لیے میں نے یہ  
جھوٹ بولا۔ زاراں حلق کے بل دھاڑا تھا۔

عناسیہ نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ابرش کو دیکھا۔  
ابرش پر اسے ترس آیا تھا جو ایک خان کے ہتھے چڑھ گئی  
تھی۔

زاران کی سرد سرخ آنکھیں دیکھتے وہ پکا آراہہ کر چکی تھی۔  
وہ کنواری مر جائے گی کسی خان سے شادی نہیں کرے  
گی۔ پہلی بار اپنی بہن پر ترس آیا تھا۔

مورے یہ نتیجہ ہوا آپ کے پلوشہ کو یہاں رکھنے کا۔  
میں نے صاف لفظوں میں منع کیا تھا آپ کو پلوشہ کو یہاں  
سے رخصت کریں۔ مگر آپ نہیں مانی۔ آپ کی ضد کی  
وجہ سے مجھے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ زارن نے امینہ خانم  
کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

امینہ خانم نے شرمندگی سے نظریں پھیر گئی تھیں۔ اٹھیں  
اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا تھا۔ وہ خود کو زار ان اور  
ابرش کا قصور وار سمجھ رہی تھیں۔

مورے میں اسلام آباد جا رہا ہوں واپسی پر اس کا گند وجود  
مجھے یہاں نہ ملے۔ بلائیں اس کے بابا کو اس کے کرتوت بتا



کر اس کو عزت رخصت کریں۔ زارا ان غصے سے بولتا  
وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

---

zubinovelzone.com

عابیر جاؤ اسفند کے لیے اچھا سناشتہ بناؤ۔ امینہ خانم نے اسفندیار کو عابیر پر نگاہیں گاڑھے دیکھ کر عابیر کو سرد لہجے میں حکم دیا۔  
مورے اسفندیار خان نے اپنی آدھی عمر امریکہ میں گزاری ہے۔ تو کیا اسفندیار خان نے اپنی آدھی عمر بھوکے گزاری ہے۔  
ہے۔؟؟ عابیر نے ٹہلتے ہوئے بہرام کو سینے میں بھینچتے طنزیہ

رمز عشق  
تحریر نور آصف  
قسط 2 part 114

امینہ خانم پلوشہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو پلوشہ روتے ہوئے  
امینہ خانم کی طرف بڑھی تھی۔  
خانم بی ہم نے صرف یہ سب زار ان کو پانے کے لیے کیا۔

اس کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ امینہ خانم کا ہاتھ اس کا سوجا  
ہوا گال مزید سجا چکا تھا۔

تم نے ہمارا اعتبار ہمارا بیٹا کا بچہ مارا۔۔۔ اسے اتنا تکلیف دیا۔  
تم انتہا کا گھٹیا عورت ہے۔ ہم نے بڑا مان سے زارا ان سے کہا تھا  
ہمارا پلو شہ تم کو خوش رکھے گا تم کو سکون دے گا۔ تم جیسا عورت  
جو اس کا بچہ چھین لے۔ وہ کیسے کسی بھی مرد کو خوش رکھ سکتا  
ہے۔ ارے وہ امریکہ سے آیا ہوا لڑکی میں شرم و حیا ہے مگر تم جو

پتھان ٹیلی سے ہے اس میں شرم حیا نام کا نہیں۔ امینہ خانم  
پھنکاری تھیں۔

آپ مجھ پر الزام نہیں لگا سکتا خانم بی۔۔۔ آپ نے ہم کو جو سنا  
دکھایا اس کا حقیقت میں ڈھالنے کا واسطے یہ سب ہم نے کیا۔ کیا  
کرتا ہم؟؟ زار ان ہماری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ وہ بچہ ہو جاتا  
ہم اس کو کھو دیتا۔ زار ان کو کھونا کا ڈر سے کیا۔ پلوشہ اپنے گال پر  
ہاتھ رکھے روتے ہوئے بولی۔

تم ہمارا بابا سب اس میں برابر کا قصور وار ہے۔ ہم کو پہلے دن ہی اس حد تک لے کر نہیں جانا تھا۔ زارا ان کا شادی کا بعد ہم نے صبر کر لیا تھا۔ مگر تم نے اور بابا نے یہ سب کیا۔ اس سب میں تم سب برابر کا قصور وار ہے۔ ہمارا دل پر زخم لگانے والا تم لوگ ہے۔ تم لوگ۔۔۔ تم بھی اپنا پوتا پوتی کا قتل میں برابر کا شریک ہے پھر سزا ہم کو ہی کیوں ملا۔۔۔ پلوشہ بد احوال ہوتے چیخی۔۔

ہم نے بھی سزا بھگت لیا ہے۔ ہم اپنا پیٹا کے سامنے نظر اٹھانا کے  
قابل نہیں رہا۔ ہمارا زندگی کا سب سے بڑا غلطی ہے تمہیں  
یہاں رکھنا۔ تمہارا بابا کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے اپنا دوست  
کے ہاں تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔۔۔ وہ آ رہا ہے تمہیں لینے  
اپنا سامان باندھو اور یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ امینہ خانم غصے سے  
کہتے چلی گئی تھی۔

تم پر ہمارا باپ اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ تم سب قصور برابر کا  
قصور وار ہے۔ ہمارا اٹھارہ سال کا معصوم دل کا ساتھ کھلواڑ  
کیا۔ تم سب اس میں برابر کا قصور وار ہے سزا صرف ہم کو  
کیوں۔؟؟ کیسے ہم سے پوچھے بغیر رشتہ طے کر دیا۔ کیسے یہ کر  
سکتا ہے تم لوگ؟؟

پلوشہ بیڈ پر گرتے ہوئے ہچکیوں سے رونے لگی۔

---



عابیر بلیک چنٹوں والے پٹھانی فراک میں ملبوس تھی۔ جس پر  
بلیک نیٹ کا دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ پنک لپ سٹک لگائے  
آنکھوں میں گہرا سیاہ کا جل لگایا ہوا تھا۔ وہ لاونج میں صوفے پر

بیٹھی ہوئی تھی۔ گود میں بہرام کو اٹھائے ہوئے تھی۔ سامنے  
صوفے پر روزینہ خانم اور امینہ خانم بیٹھیں تھیں۔

میلا کیوٹ سا بے بی بہرام میرا بچہ۔۔ بہت پیارا ہے یہ تو اپنی عابی  
پر گیا ہے۔۔۔ ہے نا کیوٹو۔۔ پارا بے بی۔ عابیر بہرام ہاتھوں  
میں اٹھائے مسکراتے ہوئے بچوں کی طرح اس سے باتیں کر رہی  
تھی۔ وہ ٹکر ٹکر اپنی آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

عابیر بھی اس کے گال چومتی بھی اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ  
چومتی۔

اسفندیار خان نے سیڑھیاں اترتے ہوئے عابیر کو گہری نگاہوں  
سے دیکھا۔ اس کے سنہری سلکی بال ایک سائیڈ پر بکھرے تھے۔  
جونیت کے دوپٹے میں عیاں ہو رہے تھے۔ اسفندیار خان کے  
گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔ اس کے سنہری بالوں  
اور سنہری رنگت کا وہ دیوانہ تھا۔ وہ کل کی ساری رات ایک پل

کے لیے سویا نہیں تھا۔ بلکہ وہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ سو ہی نہیں  
پایا تھا۔ یا شاید پچھلے سات ماہ سے وہ ایک پل کے لیے چین سے سو  
نہیں پایا تھا۔ لیپ ٹاپ کی سکریں پر اس کے جواں زر خیز بدن  
کو دیکھ کر اس کے جواں جذبے اتنے عروج پر ہوتے تھے۔ وہ  
سگریٹ سلگائے انھیں تھپک تھپک کر سلاتے ہانپ جایا کرتا تھا۔  
اپنی سفاک پٹھانی کے ساتھ گزرے لمحات تو اسے پاگل کر دیتے  
تھے۔ اب تو اس کے جواں جذبوں میں مزید آگ لگ چکی تھی۔

وہ دوریاں ختم کرنا چاہتا تھا وہ بڑھانا چاہتی تھی۔ وہ اس وقت  
براؤن شلوار قمیض میں ملبوس تھا جس پر آف وائٹ مراد نہ شال  
اوڑھے ہوئے تھا۔

وہ اپنی آستین کمنیوں تک فولڈ کیے اپنے بھاری قدموں سے اپنی  
بیوی کی طرف بڑھا۔ اس کے بدن کی گلاب سی خوشبو وہ محسوس  
کرنا چاہتا تھا۔

اسلام و علیکم مورے۔۔ اسفند نے عابیر پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے  
روزینہ خانم سے سلام کیا۔

و علیکم اسلام۔۔ میرا بچہ۔۔۔ روزینہ خانم صوفی سے اسفند کو  
پیار دینے کے اٹھی ہی تھیں کہ اسفند عابیر کی طرف بڑھ گیا تھا۔  
روزینہ خانم اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے واپس صوفی پر  
بیٹھیں۔۔۔ جو اسے دیکھتے ہوئے بھی انجان سی بیٹھی بہرام سے  
باتیں کر رہی تھیں۔

اسفند گہرا سانس لیتے اس کی طرف بڑھا۔ اس کی بے نیازی نے  
اس کے دل کو بری طرح گھائل کیا تھا۔

اسفندیار خان اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے عابیر کے قریب  
صوفے پر بیٹھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھنے سے اس سے کھسکتی ہوئی  
دور ہوئی تھی۔ اسفندیار خان نے اپنے جڑے بھینچتے اپنا ہاز و اس  
کی کمر کے پیچھے سے لے جاتے اپنا مضبوط ہاتھ اس کی پہلو سے  
لپیٹا۔

عابیر اسفندیار خان کو اپنے مزید قریب ہوتے دیکھ کر اس سے  
تھوڑا اور دور کھسکی کہ وہ اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جمانا سے  
اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

عابیر کی رنگت سرخ گلاب ہوئی تھی۔ سامنے ہی روزینہ خانم  
امینہ خانم بیٹھی تھیں۔ اس کا مضبوط ہاتھ اس کے پیٹ سے لپٹا  
سب کو دکھائی دے رہا تھا۔ امینہ خانم تو اپنی توجہ ہاتھ میں پکڑی



سبج پر کر چکی تھیں۔ مگر روزینہ خانم کی شعلہ اگلتی آنکھیں عابیر  
اور اسفندیار خان پر نکلی تھیں۔ اسفندیار خان ان کی شعلہ اگلتی  
آنکھوں کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیٹ پر اپنا ہاتھ جمائے بیٹھا تھا۔  
عابیر اب ہل بھی نہیں پار ہی تھی۔

عابیر نے اسفندیار کو گھورتے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ سے ہٹانا چاہا وہ  
اس کے پیٹ کو مٹھی میں بھرتا اسے مزید اپنے قریب کر گیا تھا۔

عابیر نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پاتے نیٹ کے دوپٹے میں  
اس کا ہاتھ چھپانا چاہا۔ مگر نیٹ کے دوپٹے میں بھی اس کا مضبوط  
ہاتھ اس کے پیٹ پر لپٹا صاف نظر آ رہا تھا۔

مائی لیڈی لو۔ میری سفاک پٹھانی اگر ایسا دوپٹہ یا چادر لے لیتی جو  
تمہارے خوبصورت وجود کو ڈھانپنے ہوتی تو تمہیں یہ مشقت نہ  
کرنی پڑتی۔ جو دوپٹہ تمہارے وجود کو نہ ڈھانپ سکا وہ میری بے  
باکیوں کو کیا دوسروں کی نگاہوں سے چھپائے گا۔ اسفند نے اپنی

سلگتی سالیس اس کی کان کی لوہر چھوڑتے مدھم سرد آواز میں  
سرگوشی کی۔۔۔ عابیر بے بسی سے دانت کچکچاتے اسے دیکھ کر رہ  
گئی تھی۔ جو اپنی نیلی سرد آنکھیں اس پر گاڑھے ہوئے تھا۔ نگاہیں  
سرد تھیں مگر پہلو سے لپٹا ہاتھ آگ کی مانند تھا۔

وہ اسے اتنا محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کی سانسوں اور اس کے جسم  
سے نکلتی آگ کی لپٹوں سے جھلس رہی تھی۔ عابیر نے گہرے  
سانس لیتے خود کو پر سکون کیا تھا۔ اسفندیار کی گرم سلگتے لب اس

نیٹ کے دوپٹے کے ہالے سے اس کی سائیڈ گردن کو چھو رہے  
تھے۔ اسفندیار خان کی اتنی بے باکی پر وہ شرم سے پانی پانی ہوئی  
تھی۔ ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی تھیں۔

وہ سب کے سامنے اتنی بے باکی کیوں دکھا رہا تھا وہ سمجھ گئی تھی وہ  
اسے انڈائریکٹلی وارن کر رہا تھا کہ وہ آئندہ نیٹ کا دوپٹہ نہ لے۔  
وہ اسے نیٹ کے دوپٹے میں برداشت نہیں کر سکا تھا۔ عابیر اپنے  
چہرے کی سرخی پر قابو پاتے ہوئے بہرام کی طرف متوجہ ہوئی

جواب اس کی گود میں ہلکا ہلکا کسمانے لگا تھا۔ وہ شائد اس کی توجہ چا  
رہا تھا۔ عابیر نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھائے اسے ہلکا ہلکا  
ہلانے کی کوشش کی۔ وہ مزید رونے لگا تھا۔

بہرام میرا بے بی۔۔ کیوں رو رہے ہو؟؟۔۔ عابی کی جان  
۔۔۔ خاموش۔۔ عابیر نے اسے ہلاتے ہوئے اسے چپ  
کروانے کی کوشش کی۔ وہ گلہ پھاڑ کر اب رونے لگا تھا۔

بہرام دیکھو مت روؤ۔۔ تم بالکل اپنی عابی پر کئے ہو۔۔ کیوٹ سے  
پیارے بہرام۔۔ عابیر بہرام کو ہلاتے پچکارتے ہوئے بولی۔  
بالکل نہیں یہ بالکل تم پر نہیں کیا۔ میری بیوی اچھی خاصی  
خوبصورت ہے۔ یہ شہرام اور بہارے پر گیا ہے۔ ہمارے بچے تم  
پر جائیں گے۔ بلکہ ہم دونوں پر جائیں گے۔ ہیزل اور بلو آنکھوں  
کے ٹیمینشن سوچو کتنے خوبصورت ہوں گے۔ اسفند مسکراتے

ہوے مدہم آواز میں بولتے اس کے پیٹ پر مزید سختی سے ہاتھ  
جما گیا۔

اسفندیار خان لگتا ہے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے۔ میرے اور  
آپ کے بچے کیسے ہو سکتے ہیں؟؟ ہاں امریکن لڑکیوں کے بچے  
زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ مشرقی مرد اور امریکن لڑکی کے  
بچے مجھے بہت یقین ہے بہت خوبصورت ہوں گے۔



The meeting of blue eyes with blue  
.eyes is more beautiful

عابیر اسفندیار خان کی طرف دیکھتے لب پھیلائے بولی۔  
عابیر کی بات پر اسفندیار خان کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ آنکھوں  
کی سرخی بڑھی تھی۔ عابیر نے اپنے پیٹ سے اس کی کا ہاتھ ہٹانے  
کی کوشش کی۔ اسفند کے ہاتھ کی گرفت مزید سخت ہوئی تھی۔



بہرام بہت بری طرح رونے لگا تھا۔ عابیر نے گہرا سانس لیتے  
اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنی نیلی آنکھیں اس کی ہیزل گرے آنکھیں  
گاڑھے ہوئے اسے گھور رہا تھا۔

روزینہ خانم کی آنکھوں سے یہ دیکھتے شرارے سے نکل رہے  
تھے۔ ان کا بیٹا تو پاگل تھا اپنی بیوی کے لیے یہ انھیں آج پتہ چلا تھا  
ورنہ آج تک حویلی کے کسی مرد نے اتنی بے باکی نہیں دکھائی  
تھی۔

بے شرم۔۔۔ اپنا بیوی کے نیچے لگا ہے۔ ماں تو نظر نہیں آتا۔  
پتہ نہیں کون سا جادو ٹوٹا کیا ہمارا بیٹا پر۔۔۔ روزینہ خانم نے اسفند  
کو گھورتے دانت پیسے۔۔۔ امینہ خانم بلند آواز میں تسبیح پڑھنے لگی  
تھی۔

بہرام کو بری طرح روتے دیکھتے اسفند یار خان نے اسے اپنی  
گرفت سے آزاد کیا۔ عابیر بہرام کو سینے سے لگائے صوفے سے  
جلدی سے اٹھی تھی۔ اور اسے اپنے سینے سے لگائے اس کے

سامنے ہی چکر لگانے لگی۔ اب نیٹ کا دوپٹہ اس کے ایک شانے پر  
لہرا رہا تھا۔ کمر پہ سلکی بال بکھرے تھے۔ فراک کے اگلے دو بٹن  
بھی کھلے تھے۔ اسفندیار خان صوفی سے ٹیک لگائے اپنے منہ پر  
ہاتھ پھیرتے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔  
اپنی بیوی کی اداؤں سے کچھ کچھ واقف تھا مگر یہ حرکتیں وہ کمرے  
میں کرتی تھی۔ ایسے سب کے سامنے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا

اسفند بے بسی سے لب بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ جس کے دلش  
خدو خال سیاہ فراک میں بری طرح اجاگر ہو رہے تھے۔ نیٹ کا  
دوپٹہ شانے سے لہراتا زمین بوس ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل اس کے  
سامنے بہرام کو سینے سے لگائے چکر لگا رہی تھی۔

اسفند بیٹا تم کل سے کمرے میں بند ہے تمہارا لیے اچھا سانا شتہ  
بنوائے ہم۔ روزینہ خانم نے اسفند کی گہری نگاہیں عابیر پر مرکوز  
کرتے خود پر قابو پائے پوچھا۔

مورے میں نے پچھلے دو دن سے کھانا نہیں کھایا۔ اور آپ کو پتہ ہے مجھے ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا نہیں پسند۔۔۔ مجھے گھر کی عورت کے ہاتھ کا کھانا پسند ہے۔ میں نے دو دن سے کافی تو دور کی بات پانی کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔

اسفندیار خان نے عابریہ نگاہیں مرکوز کرتے اپنی ہلکی گھسنی بھیر ڈکوسہلایا تھا۔

وہ کسے سنار ہا تھا سب سمجھ چکے تھے۔ روزینہ خانم دانت پیس کر  
رہ گئی تھیں۔ عابیر بے نیاز سی بنی چکر لکاتے بہرام کو سینے سے  
لگائے تھپک رہی تھی۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔  
اسفند کی نیلی آنکھوں میں اس کی بے نیازی پر شعلے سے لپکے تھے  
گلے میں بار بار گلٹی سی ابھر کر معدوم ہو رہی تھی۔ وہ اچھی  
طرح جانتی تھی جب وہ اس سے ناراض ہوتا تھا کھانا پینا چھوڑ دیتا  
تھا۔ اس کے ہاتھ کے علاوہ وہ پانی بھی کسی کے ہاتھ کا نہیں پیتا تھا۔

ناراضگی میں بھی اسے وہ ہر وقت اپنے آگے پیچھے منڈلاتی چاہی  
تھی۔ اور وہ منڈلاتی بھی تھی۔ اب وہ دودن سے بھوکا پیاسا تھا  
اسے پروہ ہی نہیں تھی۔ اسفندیار خان نے اسے سرد نگاہوں سے  
دیکھتے اپنے سینے پر اس ہاتھ رکھا جہاں اس کے دیے ہوئے  
گہرے زخم سے درد کی ٹھیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔ جو مقابل کی  
بے اعتنائی پر مسلسل بڑھ رہی تھی۔ ض  
سوچیا نہ سی میرا پیاسا ہل جائیں گی



اپنے جیتے کیتے قراپل جائیں گی

دل مل کے پچھڑ گیا یا را

تیری میری یوں ٹوٹ گئی سوہنے

جیویں ٹوٹیا امبر تو تارا

اسفند کی سلگتی نگاہیں مسلسل اپنی سفاک پٹھانی پر تھیں۔ جو اتنی  
سفاک ہوگی اسے اندازہ نہ تھا۔ اب وہ اگلے بٹن کھولے اپنے زخم  
پر ہاتھ پھیرتے اسے سرد نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا۔



عابیر جاؤ اسفند کے لیے اچھا سناشتہ بناؤ۔ امینہ خانم نے اسفندیار کو عابیر پر نگاہیں گاڑھے دیکھ کر عابیر کو سر دلچے میں حکم دیا۔ مورے اسفندیار خان نے اپنی آدھی عمر امریکہ میں گزاری ہے۔ تو کیا اسفندیار خان نے اپنی آدھی عمر بھوکے گزاری ہے۔؟؟ عابیر نے ٹہلتے ہوئے بہرام کو سینے میں بھینچتے طنزیہ

مسکراتے ہوئے اسفند کو ایک نظر دیکھا جس کی آنکھوں میں لپکتے  
شعلے بڑھے تھے۔ عابیر اپنی نگاہیں پھیر گئی تھی۔ بہرام اب گہری  
نیند سو گیا تھا۔ عابیر نے اسے احتیاط سے لاونچ کے صوفے پر  
لٹایا۔ وہ بہرام کو صوفے پر لٹانے کے لیے جھکی تو اسفند یار کی  
رنگت اشتعال سے سرخ پڑی تھی۔ اس کے جھکنے پر اس کے اگلے  
بٹن کھلے ہونے سے اس کے کندن سے دلکش خدو خال واضح  
ہوئے تھے۔

اسفند خود پر قابو پاتے اپنی ہلکی لھنی بے پروا ہاتھ پھیر گیا۔ ورنہ  
سینے میں اٹھتی آگ کی لپیٹوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔  
عابیر بحث مت کرو جاؤ اسفند کے لیے ناشتہ بناؤ۔ امینہ خانم نے  
غصے سے اب کی بار حکم دیا۔

مورے مرد کو عادت ہوتی ہے اپنی بھوک کی تشہیر کرنے کی۔  
لیکن مرد کبھی بھوکا نہیں رہتا۔ اپنی بھوک مٹانے کے اس کے  
پاس کئی طریقے ہوتے ہیں۔ اب اسفند یا خان کو عادت ہے

انگریزی کھانا کھانے کی وہ بھی ایک انگریزی کے ہاتھوں کی۔  
اب یہاں کا مشرقی کھانا اسے اپنے انتقام میں لی ہوئی عورت کے  
ہاتھ کا پسند نہیں آئے گا۔ اسفندیار خان کے منہ کا ذائقہ بدل گیا  
ہے۔ اب اسفندیار خان بھول جائے اسے کبھی حویلی کا کھانا  
نصیب ہو گا۔ اسفندیار خان کو فرنگن مبارک ہو۔۔۔۔۔  
عابیر سپاٹ طنزیہ لہجے میں بولتے اسفندیار خان کو آگ لگا گئی تھی

وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی وہ بخوبی سمجھا تھا۔ اسفند نے سرخ سر و نظر  
عابیر پر گاڑھیں جو نیٹ کا دوپٹہ سر پر اب اوڑھ چکی تھی۔  
امینہ خانم غصے سے عابیر کو گھورا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا اپنی بیٹی  
کی چلتی زبان کاٹ دے۔

عابیر تمہارا زبان زیادہ چلنے لگا ہے۔ یہ مرد ہے تمہارا کاٹ کا الو  
نہیں۔ جسے تم ہر وقت بے عزت کرو۔ روزینہ خانم صوفی  
سے غصے سے اٹھیں تھیں۔

اسفند بھی جلدی سے صوفے سے اٹھتا عابیر کی طرف بڑھتا۔۔  
وہ روزینہ خانم سے بد تمیزی نہ کر ڈالے اسفند اسے کلائی سے  
کھینچتے اپنے مقابل کر گیا۔

وہ اسفند یار خان کے چوڑے چٹائی سینے سے آن ٹکرائی۔  
عابیر نے اپنی ہیزل گرے آنکھیں اسفند کی نیلی آنکھوں میں  
گاڑھے اس کے سینے پر ہاتھ مارتے اسے خود سے دور دھکیلاتھا۔  
اس کے ہاتھ مارنے پر اس کا گہرا دیاز خم جھنجھٹا اٹھاتا تھا۔ اسفند نے

دانت پر دانت جمائے درد برداشت کر گیا۔ فی الحال مقابل کی بے  
اعتنائی ہی مار رہی تھی۔

۔ اسفند نے اسے سرد آنکھوں سے تنبیہ کرتے خاموش رہنے کو  
کہا۔

اگر مرد ایسے ہوتے ہیں تو مجھے اسفند یار خان جیسا مرد نہیں چاہیے  
جو اپنی بیوی سے بدلہ لینے کے لیے اس حد تک گر جائے اپنے اور  
اس کے درمیان دوسری عورت کو لے آئے۔ عابیر اپنی نیلی



آنکھیں اسفند یار خان کی آنکھوں میں گاڑتے بولی تھی۔  
دوسرے ہی پل اس نے اسفند کو دونوں ہاتھوں سے خود سے دور  
دھکیلا۔ اسفند عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں ہلکی سی نمی دیکھ  
کر پریشان ہوا۔

اسفند یہ کیا تماشہ ہے؟؟ تمہارا بیوی ہر دوسرا تیسرا دن سب کے  
سامنے یہاں تماشہ لگاتا ہے اور تم بے شرموں کی طرح خاموش  
کھڑا رہتا ہے۔ روزینہ خانم غصے سے بلند آواز میں چیخیں۔ اسفند



کی بے قراریاں اور عابیر کی زبان داری برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

مورے کیا کروں کیا چاہتی ہیں آپ؟؟ ہاتھ اٹھاؤں اس پر کیا اب؟؟ اسفند مشتعل ہوتے جھنجھلاتے ہوئے بولا۔  
اٹھالیں اسفند یا رخاں ہاتھ سب کے سامنے بھی۔۔ بند کمرے میں اٹھایا ہے سب کے سامنے بھی اٹھائیں گے کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔ آپ کے چھوڑ کر جانے کے بعد آپ کی مورے نے

بہت بار اپنے لفظوں کے تھپڑوں سے میرے گال سرخ کیے  
ہیں۔ آج آپ کی باری۔۔۔ مگر یاد رکھیے گا میں وہ عابیر خان نہیں  
ہوں جو یہ سب برداشت کروں گی۔ عابیر اسفندیار خان کو دیکھتے  
انگلشت شہادت اٹھائے غرائی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے انداز و اطوار  
دیکھتے پریشان ہوا تھا۔ وہ سچ میں حویلی کے جیسی لڑکیوں جیسی نہ  
تھی۔

کیا کرے گا تم ہاں بولو کیا کرے گا تم؟؟ یہی کرے گا ناں جو تم  
اب کر رہا ہے۔ اس طرح بن سنور کر ہمارا بیٹا کو تڑپائے گا۔ اس کا  
سامنے بال کھول کر اس کا سامنا جھک کر اپنا نمائش کرے گا اسے  
تڑپائے گا۔ روزینہ خانم استہزائیہ مسکرائی تھیں۔

روزینہ خانم کی بات پر عابیر کی نظریں بے اختیار اسفندیار خان پر  
اٹھیں جواب اسے چھوڑے ہونٹوں پر انگلیاں جمائے اسے ہی  
سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

عابیر کی رنگت میں خون چھلکارہا تھا۔ وہ کان کی لوؤں سے لے کر گردن تک سرخ پڑی تھی۔

اسفند اسے اس طرح سرخ پڑتا دیکھ کر اپنی مسکراہٹ دبا گیا۔ وہ گہرے سانس لے رہی تھی اب اس کے لبوں سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

میں آپ کے بیٹے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ عابیر نے گہرا سانس لیتے اسفند یا خان پر نگاہیں گاڑھے مضبوط لہجے میں کہتے اپنی

لڑکھرائی آواز پر قابو پایا تھا۔ اسفند اس کی آنکھوں میں نمی اور  
بیک وقت شرارے نکلتا دیکھ کر اپنی انگلیاں مزید سختی سے اپنے  
لبوں پر جما گیا۔

تم یہ سب کر کے ہمارا بیٹا کا دماغ بند کر سکتا ہے ہمارا نہیں۔ ہم  
جانتا ہے تم جیسا عورت کیا کر سکتا ہے؟؟۔ ایک طرف کو بولتا ہے  
اس کو معاف نہیں کرے گا دوسری طرف جب سے اسفند یار  
خان آیا ہے تمہارا اینٹا سنور نا ہی ختم نہیں ہوتا۔ اتنا تیار ہونا یہ تیز

رنگ ہونٹوں پر لگانا۔ فراک کا اگلہ بٹن اپنا میاں کا سامنے کھول کر  
رکھنا۔ سب کا نظریں خراب ہو سکتا ہے ہمارا نہیں۔ ابھی جو بٹن  
بند تھا اسفند کا آنے کا بعد کیسے کھل گیا؟؟

میں اسفند کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ عابیر نے اسفند کو دیکھتے اپنے  
لفظوں پر زور دیا۔

اسفند یار خان ابھی بھی خاموشی سے کھڑا ہونٹوں پر ہاتھ جمائے  
عابیر کو دیکھ رہا تھا۔

امینہ خانم کی رنگت بھی روزینہ خانم کی باتوں پر سرخ ہو رہا تھا۔

ہمارا بیٹا چاہے تو دو منٹ میں تمہارا اکڑ توڑ کر رکھ دے۔ تم کو  
گھسیٹا ہوا کمرے میں لے کر چلا جائے پھر یہ نخرہ کس کو دکھائے گا  
تم؟؟ اس لیے اس حویلی کی عورتوں کی طرح رہو۔ جیسا تمہارا  
بھابی ابرش رہتا ہے۔ وہ حور رہتا تھا۔



جس دن ہمارا بیٹا نے تمھارا عظیم لالا ارحام اور زار ان کی طرح کا  
تم کو بن کر دکھایا۔ تمھارا اکڑ غرور سب ختم ہو جائے گا۔ پھر تم  
روز میرا ہی بیٹا کے کمرے سے اپنا بھیگا زلفیں لے کر نکلے گا۔ یہ  
ادائیں یہ طعنے مارنا سب ختم ہو جائے گا۔

روزینہ خانم کی بات پر عابیر نے زخمی شکوہ کناں نگاہ اسفند پر ڈالی  
جو بالکل خاموش کھڑا تھا۔ جس نے ایک بار بھی روزینہ خانم کو  
ٹوکا نہیں تھا۔



ایسا بھی نہیں ہو گا۔ اگر ایسا بھی ہوا میں خود کی جان لے لوں گی۔  
عابیر سپاٹ لہجے میں بولتے وہاں سے چلی گئی تھی۔  
سنا تم نے یہ کیا کہہ کر کیا ہے اور تم خاموشی سے کھڑا سن رہا تھا۔  
میں نے سنا جو اس نے کہا اور آپ نے جو کہا وہ بھی سنا۔ جتنی گہرائی  
سے آپ نے عابیر کو باتیں سنائی ہیں امید کروں گا۔ آپ آئندہ  
نہیں سنائیں گی۔

جوابتیں یہاں کھڑے ہو کر میں ایک مرد ہو کر سن نہیں پارہا تھا۔  
آپ عورت ہو کر کیسے کر سکتی ہیں؟؟ عابیر بیوی ہے میری۔ اگر  
وہ میرے لیے تیار ہوئی اور وہ سب کر بھی رہی تھی تو اپنے شوہر  
کے لیے کر رہی تھی۔ وہ گناہ نہیں تھا بلکہ اس کا ہر عمل جائز تھا۔  
اس بات کی اجازت خدا نے اسے دی ہے۔ وہ اپنی ادائیں اپنی  
خوبصورتی اپنے شوہر کے سامنے عیاں کر سکتی ہے۔ اس کے جائز

عمل کو گناہ مت بنائیں۔ اسفند سرد آواز میں بات ملل کرتا لمبے  
لمبے ڈھگ بھرتا چلا گیا تھا۔

روزینہ اب تو چھوڑ دو عابیر کا پیچھا۔۔۔ چلو ہمارا بیٹی کا واسطہ نہیں  
اپنا بیٹا کی خوشیوں کا واسطہ ہی سہی۔ اسفند کا آنکھوں میں دیکھو  
اس کا آنکھوں میں اپنا بیوی کے لیے تڑپ نظر آئے گا۔ تم کیوں  
یہ باتیں کر کے اس کا دل برا کرنا چاہتا ہے؟؟ سات مہینہ دور رہا

ایک دوسرا سے۔ اب تو ان کو ملنا دو۔۔ امینہ خانم نے رسائی سے  
روزینہ خانم کو سمجھایا جو سرخ چہرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔  
امینہ بھابھی یہی بات تم نے اپنا بہو ابرش کے لیے تو نہ سوچا  
کبھی۔۔۔ اس بیچاری پر تم تو سو کن لارہا تھا۔ تب تمہیں اپنا بیٹا  
زاران کی آنکھوں میں اس کا بیوی نظر نہیں آیا۔ تم نے تو اپنا دل  
بڑا نہ کیا۔ سات مہینہ تمہارا بیٹا بھی تمہارا بہو سے دور رہا۔ ان  
سات مہینہ میں تمہیں اپنا بیٹا کا تڑپ نظر نہیں آیا۔ مگر اپنا بیٹی کا

دکھ کے لیے دن رات تڑپتا تھا۔ یہاں اس کے ساتھ اس کا بھائی  
اور تم تھا۔ مگر تمہارا بہو کے ساتھ کون تھا؟؟ اس کا تو بھائی بیچارہ  
معذور ہو چکا تھا۔ ہم سب جانتا ہے زحلے کیسا ہے۔ وہ تو بیچارہ  
ذہنی طور اور جسمانی طور پر بیمار رہتا ہے۔ ابرش کے پاس تو کوئی  
بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنا بچہ کھویا تمہارا فضول سا ضد کی وجہ  
سے۔۔۔ تمہارا بیٹا اس پر کمرے میں ہاتھ اٹھاتا ہے۔ بھرے  
جرگے میں اس بیچارہ پر ہاتھ اٹھایا۔ اس سے زبردستی نکاح کیا۔ وہ

دو مہینہ کمرہ سے نہیں نکلا۔ تم نے تو بھی اس سے ہمدردی کا اظہار  
نہیں کیا۔ نہ اس کا دکھ کبھی سمجھا۔ اس بیچارے تو کبھی تمہارا  
آگے زبان تک نہیں چلایا۔ اس بیچارہ ہیرا جیسی لڑکی کو تم نے  
اور تمہارا بیٹا نے رول دیا۔

پھر بھی تم اس پر ظلم کرنے جا رہا تھا۔ دوسروں کا بیٹی کا ساتھ ظلم  
کرتے وقت تم کو خدا کا خوف نہیں آیا۔ جو تم ہم کو اب نصیحت

کر رہا ہے۔ روزینہ خانم نے اپنی باتوں سے امینہ خانم کا چہرہ پیل  
میں لال کر دیا تھا۔

تم بھی تو ابرش کو باتیں سناتا تھا۔ اس کو اپنا بیٹا کی موت کا ذمہ دار  
ٹھہراتا تھا۔ اور ہم نے کیا ظلم کیا اس پر کبھی اس سے کچھ نہیں کہا۔  
اس پر زہر کا تیر نہیں چلایا۔ جس طرح تم عابیر پر چلاتا ہے۔ اور ہم  
کو یہی لگا کہ ہمارا بیٹا خوش نہیں اس لیے اس کا دوسرا شادی کروا رہا  
تھا اور دوسری شادی گناہ تو نہیں۔ ہم تو صرف اپنا بیٹا کو خوش دیکھنا



چاہتا تھا اس کو سکون میں دیکھنا چاہتا ہے۔ امینہ خانم نے بمشکل ہی اپنی بات مکمل کی تھی۔ لفظ منہ سے نکل نہیں رہے تھے۔ روزینہ خانم جیسے کئی تھپڑ ان کے منہ پر مار چکی تھیں۔ ابرش اتنی تکلیف میں تھی انہوں نے تو کبھی محسوس ہی نہیں کی تھی۔

بھابھی اس کو ہم باتیں سناتا تھا اس کو تھپڑ بھی مارا کیونکہ ہم کو لگتا تھا ہمارا بیٹا کے قاتل کی بہن ہے۔ مگر تم نے اپنا بھو کو میرا تھپڑ



مارنے پر آواز کیوں نہیں اٹھایا؟؟ اس کو تھپڑ کھانا دیکھ کر خاموش  
کیوں ہو گیا؟؟

ایک تھپڑ مارا ہم نے عابیر کو تمہارا بیٹوں نے آسمان سر پر اٹھالیا  
تھا۔ پورا حویلی عابیر کو ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔  
مگر اسے تھپڑ مارا تم خاموشی سے کچن سے نکل گیا۔  
اور تم کہہ رہا ہے تم نے اس کو باتیں نہیں سنایا۔ اس سے اچھا تھا تم  
اس کو دن رات طعنے مارتا۔ باتیں سناتا تو وہ بیچارہ بھی اپنا اندر کا غصہ

بھڑاس آگے سے تم کو باتیں سنا کر اتار دیتا۔ مگر تم اور کمھار اپنا  
نے اس کو تنہائی کا مار مارا۔ اسے اتنا بڑا حویلی میں سب رشتہ  
ہونے کے باوجود تنہا کیا۔ اس کا آنکھ سے نکلا آنسو ہم کو تو اب  
خون کی طرح لگتا ہے۔ مگر تمہیں تو کبھی وہ آنسو پانی بھی نہیں لگا  
۔ اتنا بے مول تھا اس کے آنکھ کا آنسو کہ تم نے اس کا اوپر سوتن  
لانے کا سوچا۔ سوتن سوتن ہوتا ہے عورت شوہر سے نفرت بھی  
کرتا ہو۔ وہ ونی کے طور پر بھی بھی آیا ہو۔ شوہر کا حویلی میں پرانے

کاٹھ کباڑ کی طرح بھی رہتا ہو ہو پھر بھی دوسرا عورت کا تکلیف  
اس کے لیے پہلو میں اٹھتے اینٹھن کی طرح ہوتا ہے۔ جس کا درد  
سے یہی لگتا ہے وہ اب مراد اب مراد۔۔۔ روزینہ خانم نے  
استھزائیہ انداز میں غصے سے لفظ چبائے تھے۔

روزینہ۔ ہمارا بیٹی کے ساتھ بھی بہت ظلم ہوا ہے۔ کس طرح وہ  
روتے ہوئے تڑپتے ہوئے تمہارا بیٹا کی منتیں کر رہا تھا۔ کس طرح  
اس نے بین ڈالے تھے۔ جس کا شوہر اسے اپنا بدلہ کہہ کر اسے

چھوڑ کر چلا جائے۔ سوچو ہمارا بیٹی کا معصوم دل پر کیا گزری ہو  
گی؟؟ کس طرح سات مہینہ اس نے گزارا؟؟ تم بھی تو دن رات  
اسفند کو دوسرا شادی کرنا کا مشورہ دیتا تھا۔ اور تم تمہارا بیٹا اس پر  
جتاتا تھا کہ اس کا زندگی میں دوسرا عورت ہے۔ سات مہینہ ہمارا  
بیٹی کا وجود میں بھی یہ اینٹھن اٹھتا رہا۔ وہ بھی تو تڑپ کر مرتا تھا۔  
مگر ہم نے پھر بھی تمہارا بیٹی پر ظلم نہیں کیا۔ ہمارا بیٹا تو اسے  
پھولوں کی طرح رکھا۔ اگر ہم اتنا برا ہوتا تو تمہارا بیٹی کو بھی خوش

نہ رہنے دیتا۔ امینہ خانم نے جیسے روزینہ خانم کو نہیں خود کو  
وضاحت دی تھی۔

تمہارا بیٹی نے بین ڈالے پوری حویلی نے سنے۔۔۔ مگر تمہارا بہو  
ابرش کا بین کبھی کوئی نہ سن سکا۔ کیونکہ تم لوگ اس کا بین سننا  
ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا سسکیاں آہیں اس کا بین اس کمرے کی  
دیواروں سے پلٹ کر اس بیچارہ پر واپس پلٹ آتا تھا۔ اور تم نے

ہمارا بیٹی کو اس لیے بھی کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ تم خود غرض  
ہے۔ تم میٹھا چھری ہے۔ تم نے بہارے کو خوش اس لیے رہنے  
دیا۔ کیونکہ تم چاہتا تھا اسفندیار خان عابیر کو اپنالے۔ تمہیں پتہ  
تھا بہارے اگر خوش نہ رہی تو معاملہ زیادہ خراب ہو سکتا ہے۔ تم  
چاہتا تھا بہارے اور شہرام کا بچہ ہو جائے تاکہ پھر تم بہارے کا  
ذریعہ اسفندیار دباؤ ڈالتے اسے واپس بلا لے۔۔۔ بھابھی ہم تمہارا  
طرح منصوبے نہیں بناتا۔ ہم جیسا ہے ویسا ہے سب کی نظروں



میں برا بن جاتا ہے۔ مگر بات وہی کرتا ہے جو دل میں ہوتا ہے۔  
اور ہمارا بہارے کا جہاں تک خوش رہنے کی بات ہے۔ تم تو اتنا خود  
غرض ہے جس طرح تم کو ابرش کا آنسو نظر نہیں آتا تھا۔  
بہارے کا بھی آنسو نظر نہیں آ رہا۔ اس سے ایک دن نہیں پوچھا  
کہ تم اتنا نازک حالت میں کیوں روتا رہتا ہے۔ تمہارا چہرہ کیوں  
زرد رہتا ہے۔ بچہ پیدا کرنے کے بعد وہ بھی بیٹا پیدا کرنے کا بعد  
عورت کا چہرہ سے خوشی نہیں جاتا۔ وہ ہر وقت لبوں پر فخریہ

مسکراہٹ سجائے پھرتا ہے۔ اپنا آپ کو کچھ سمجھتا ہے۔ ہزار  
نخرے کرتا اپنے شوہر سے بہت سارا باتیں منواتا ہے۔ تم نے تو  
محسوس ہی نہیں کیا۔ جس کمرے سے قہقوں کے آوازے آنے  
چاہیے۔ وہاں رات کی تنہائی میں سسکیاں کیوں گونجتی ہیں۔ وہاں  
ماتم کیوں بچھا ہے۔ تمہارا بیٹا شہرام دو دن حویلی نہیں کیوں نہیں  
آیا۔ ہمارا بیٹی نے اپنا کمرہ کیوں بدل لیا ہے۔



روزینہ خانم امینہ خانم کی فق رنگت کو دیکھتے استھزائیہ سوال  
اٹھائے۔ امینہ خانم نے یہ سب سنتے دل پر ہاتھ رکھے تھے۔  
بھابھی تم تو نہیں پوچھے گا مجھ سے نہ اپنا بیٹے نہ بہارے سے۔۔۔  
ہم تم کو بتاتا ہے کمھارا شہرام نے کیا کیا ہے ہمارا بیٹی کے ساتھ۔  
ہمارا بیٹی کا نظروں کے سامنے کسی دوسری عورت کا ساتھ چکر  
چلایا ہے۔ جس پہلو کے اینٹھن سے ابرش اور عابیر کا جان سولی  
پر لٹکا تھا۔ مرا نہیں ابھی تک۔۔۔ مگر ہمارا بیٹی اس سولی پر لٹک

کر مر بھی چکا ہے۔ روزینہ خانم لفظ چباتے وہاں سے چلی گئی  
تھیں۔

امینہ خانم گہرے سانس لیتے صوفے پر بیٹھیں۔ ان کا بی پی بری  
طرح شوٹ کر گیا تھا۔

---

اسفند اپنی ہلکی گھسنی بےیر ڈہر ہاتھ پھیرتے کچن میں داخل ہوا۔  
لالا۔۔۔ آپ یہاں کچھ چاہیے آپ کو۔۔۔ درخشاں نے اسفند کو  
دیکھتے پوچھا۔ عابیر جو سٹووپر رکھی ہانڈی میں چمچ چلا رہی تھی۔  
ایک پل کے لیے اس کا ہاتھ رکا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اپنا کام  
کرنے لگی۔ اسفند یار خان نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا

۔ وہ بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔ اپنے سنہری بالوں کو اب ڈھیلے سے جوڑے کی شکل میں لپیٹا ہوا تھا۔

اسفند نے عابیر کا استحقاق سے جائزہ لیتے درخشاں کو کچن سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ اسفند کے اشارے پر خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔ اسفند کچن کا دروازہ لاک کرتے عابیر کی طرف بڑھا۔ جو سپاٹ چہرہ لیے اب کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔ اسفند یار خان کو مکمل نظر انداز کیے وہ سبزیاں کاٹ رہی تھی۔

شیشے کے کٹنگ بورڈ پر چاقو کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ بہت تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی

اسفندیار خان نے مسکراتے ہوئے اس کے پہلو میں اپنے دونوں ہاتھ جماتے اسے اپنے چوڑے سینے سے لگایا تھا۔ کٹنگ کرتے عابیر کے ہاتھ ر کے تھے۔ اپنے بال باندھ کیوں لیے؟؟۔ جب میرے لیے کھولے ہیں میرے لیے تیار ہوئی ہو تو مجھے سراہنے کا موقع دو مائی لیڈی لو۔ میری جنگلی زہریلی سفاک پٹھانی۔ اسفند

یار خان نے اس کی گردن کے پچھلے حصے پر اپنے دہکتے لب رکھے  
تھے۔

آپ کو اپنی مورے کی طرح غلط فہمی ہوئی ہے میں آپ کے لیے  
کیوں تیار ہونے لگی؟؟۔ اور آپ کے قریب آنے پر میں اب  
پکھلنے نہیں لگی۔ کیونکہ میں وہ اب عابیر خان ہوں جسے اپنی عزت  
نفس سے کچھ زیادہ عزیز نہیں۔ اگر مجھے کبھی اپنی عزت نفس اور

اسفندیار خان میں سے کسی کو چننا پڑا تو میں اپنی عزت نفس کو  
چنوں گی۔ عابیر سپاٹ انداز میں کٹنگ بورڈ پر ہاتھ چلایا۔ چاقو  
پوری قوت سے کٹنگ بورڈ پر مارا۔  
اسفندیار خان اسے کندھے سے جکڑے اس کا رخ اپنی طرف کر  
گیا تھا۔

عابیر کے بال کھل کر اسے کے شانے اور کمر پر بکھرے تھے۔  
اسفندیار خان اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اپنے مزید قریب کر

کیا۔

شوہر اور بیوی میں کہاں سے عزت نفس آگئی۔ میں نے تمہارا  
سب کے سامنے دل دکھایا اور بند کمرے میں تم سے معافی مانگ  
لی۔ ایک بیوی کے لیے شوہر کی معافی ہی کافی ہوتی ہے۔ بند  
کمرے میں شوہر کے جڑے ہاتھ اور شوہر کی گرم ہانپیں اس کی  
شدید محبت اور کیا چاہیے بیوی کو۔



اسفندیار خان نے اس کے گال پر ہاتھ جماتے اس کی ہیزل گرے  
آنکھوں میں دیکھا۔

اتنا ہی سمجھے ہیں عورت کو اور اس رشتے کو۔ د۔۔ اگر اس رشتے  
میں اتنی آسانیاں ہوتی تو طلاق جیسا لفظ نہ ہوتا اسفندیار خان۔۔ یہ  
رشتہ تو سب سے زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔۔ یہاں مرد کے منہ سے  
طلاق نکلا وہاں عورت اس کے حصار سے نکل کر دوسرے مرد

کے پاس چلی جاتی ہے۔ پھر کہاں کی معافی کہاں کی تلافی؟؟ اسفند  
یار خان۔۔۔ عابیر سپاٹ لہجے میں بولی۔  
مگر محبت کرنے والا مرد مر جاتا ہے یہ لفظ نہیں بولتا۔  
محبت کرنے والا مرد سے مراد۔۔۔ بیلٹوں سے داغنے والا۔ دن  
رات ذلیل کرنے والا۔ بند کمرے میں تھپڑ مارنے والا۔  
راتوں کو بستر پر گرم کرنے والا۔ دوسری عورت کے ساتھ افیر  
چلانے والا۔۔۔ عابیر استہزائیہ انداز میں سوال کیے۔

یہاں بھی میرے اور آپ کے خیالات نہیں ملتے۔۔ میرے  
نزدیک محبت کرنے والا مرد مر جاتا عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔  
اس کی تذلیل نہیں کرتا۔ راتوں کو اپنا بستر گرم کرنے سے زیادہ  
عورت کو سکون پہنچانے کے لیے وہ زیادہ پریشان ہوتا ہے۔ مر  
جاتا ہے اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ اسے اپنا خسی نہیں کہتا۔  
دوسری عورت کے ساتھ افسیر نہیں چلاتا۔ عابیر گہرے سانس

لیتے اس کی شرٹ جکڑ گئی تھی۔ آخری بات پر اس کی رنگت میں  
سرخیاں گھلی تھیں۔

جس عورت کے تم باہر طعنے دے رہی تھی۔ میرا یقین مانو میری  
زندگی میں کوئی عورت نہیں ہے۔ اور نہ کبھی آئے گی۔ اسفند  
نے اس کی سرخ رنگت کو بغور دیکھتے اس ک۔ کی ٹھوری نرمی سے  
چھوتے اس کی آنکھوں پر باری باری نرمی سے اپنے لب رکھے۔  
جہاں شبِ نیم سی ٹھہر گئی تھی

مجھے فرق نہیں پڑتا آپ کی زندگی میں کوئی عورت ہے کہ  
نہیں۔۔ میری طرف سے آپ کو آجائز ہے آپ دوسری  
شادی کر سکتے ہیں۔ عابیر نے سپاٹ انداز میں کہتے اسفند کو خود  
سے دور دھکیلات۔ مگر وہ اس کے مزید قریب ہوتے اس کے  
دونوں اطراف میں شیلف پر ہاتھ جما گیا۔

برداشت کر لوگی میرا کسی کے قریب جانا۔ تمہارے عشق کی  
انتہا تو یہ تھی میرے لبوں سے کسی دوسری عورت کا نام سن کر

مکھاری آٹھوں میں لہو اتر آتا تھا۔ اور ایسا عشق کرنے والی  
عورت تو کبھی نہیں بدلتی۔ یہ تمھاری عارض میں گھلی سرخیاں  
دیکھ کر ابھی بھی ایسا لگتا ہے تم اپنے اسفندیار خان کی دیوانی ہو۔  
جو صرف دوسری عورت کے نام پر تڑپتی ہے۔

ایسا عشق کرنے والی عورت مر جاتی ہے یا مار دیتی ہے اس دوسری  
عورت کو۔ یا پھر اپنے ہاتھوں سے اپنے عشق کو ہی مار دیتی ہے۔  
کہیں میرے دوسری شادی کرنے پر مجھے مارنے کا ارادہ تو نہیں۔

جو چاقو اس دن سینے میں ذرا سا اتارا تھا اب کی بار پورا پورا کا سینے  
میں اتارنے کا ارادہ تو نہیں ہے۔ اسفند نے عابیر کی ہیزل کرے  
آنکھوں میں دیکھتے بھاری لہجے میں کہتے اس کی آنکھ میں لگا کا جل  
اپنی انگلی سے بے دردی سے صاف کیا۔

اسفند کی بے رحمی پر اس کی آنکھ سے آنسو نکلتے عارض پر ہے  
تھے۔ اسفند نے اس کی دوسری آنکھ سے بھی کا جل اپنے  
انگوٹھے سے بے دردی سے صاف کیا۔



جب یہ تیاری میرے لیے نہیں تو سمجھیں ان آنکھوں میں کاجل  
لگانے کا کوئی حق نہیں۔ اسفند اس کے عارض پر گرتے آنسو اپنے  
لبوں سے چنتے اس کے پیٹ پر سختی سے ہاتھ جماتے اس شلیف  
سے لگا گیا تھا۔

عابیر نے اپنی پوری فورس لگاتے اسے اسے خود سے دور دھکیلنا  
چاہا۔ وہ اسے شلیف پر لٹاتے اس کی گردن پر جھکے اسے اپنے دہکتے  
لبوں سے دھکانے لگا۔



اسفند چھوڑیں مجھے۔ عابیر اس کے حصار میں بری طرح  
پھڑپھڑائی تھی۔ یہ سنہاروپ میرا ہے۔ جب تم نے میرے لیے  
اتنی تیاری کی ہے میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟؟  
زیادہ نہیں۔۔۔۔۔ تمہارا روپ تمہیں نہیں تو کر سکتا ہوں۔  
زیادہ نہیں۔۔۔۔۔ مگر تمہاری گردن پر اپنے لبوں کی مہر تو لگا

سکتا ہوں۔

زیادہ نہیں۔۔۔۔۔ تمہیں اپنی جنون کی سوغاتیں تو دے سکتا  
ہوں۔ وہ مدہوشی میں بولتے ہوئے اس کی گردن پر جھکے وہاں  
اپنی جنون خیزیاں رقم کر رہا تھا۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ تمہارے بدن کی خوشبو میں اپنی  
خوشبو تو شامل کر سکتا ہوں۔ اسفندیار خان کے لبوں کی حدود

تجاوز کرتے اس کے کھلے بٹنوں سے نظر آئی گہرائیوں پر بھیں۔  
وہ مدہوشی میں دیوانگی کے عالم میں وہاں پر اپنی محبت کی مہریں لگا  
رہا تھا۔

اسفندیار خان۔۔۔ عابیر اسے خود سے دور دھکیلتی چیختی تھی۔ وہ  
اس کی کلاسیاں اپنی فولادی ایک ہاتھ میں سختی سے اوپر کی طرف  
جکڑ گیا تھا۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ کمھار لباس کمھارے بدن پر موجود رہتے اسے بے ترتیب کر سکتا ہوں۔ اسفند ایک ہاتھ سے اسے بے باکی سے چھوتا اس کے لباس میں گہری سلوٹیں ڈال چکا تھا۔ اسفند کی گہری بے باک حرکتوں پر اس کی سانسیں دھونکنے کی مانند چل رہی تھیں۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ میں کمھاری سانسوں کو دھکاتے ان میں  
ہلچل تو مچا سکتا ہوں۔ اسفند کے لب اس کی دھڑکنوں سے ہوتے  
اس کے پیٹ کو نرمی سے چھو رہے تھے۔

اسفند یار خان چھوڑیں مجھے ورنہ آپ کی جان لے لوں گی۔  
عابیر پھولتی سانسوں کے ساتھ حلق کے بل چیخی تھی۔ اسفند کے  
ہاتھ کی بے باکی شدت اختیار کر گئی تھی۔

زیادہ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ کمھارے لبوں میں اپنے انگارہ لب  
رکھ کر تمھاری کڑوی زبان کی کڑواہٹ تو محسوس کر سکتا ہوں۔  
اسفندیار خان کہتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی  
پلچلی مچاتی سانسوں کو مزید دھکا تے انھیں گھوٹ چکا تھا۔  
عابیر اس کے حصار میں بن آب مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔  
وہ بہت شدت سے اس کے لبوں سے لپٹنے اس کی لبوں کے  
نرماتیں محسوس کرتے اپنی آنکھیں سکون سے بند کرتے اپنا

پہاڑی وجود جیسا وزن اس پر ڈالے اس کے بدن کی ناز کی محسوس  
کر رہا تھا۔

عابیر بے بسی سے تڑپ کر رہ گئی تھی۔ وہ کچھ نہ بھی کرتے بہت  
کچھ کر گیا تھا۔ وہ بری طرح اس کے حصار میں تڑپ رہی تھی۔  
اس کی جلتا بدن اس کے پور پور کو جھلسا رہا تھا۔ اسفندیار خان اس  
کی سانسوں کو کافی دیر تک انہیل کرنے کے بعد پیچھے ہوا تو عابیر

نے گہری سانسوں اور نم نگاہوں سے اسفندیار خان کو دیکھتے منہ  
پھیرا تھا۔

اسفند نے مسکراتے ہوئے پاس پڑا چاقو اٹھایا۔  
اسفند کے ہاتھ میں چاقو دیکھ عابیر کی آنکھوں میں خوف ہو ہر اس  
پھیلا تھا۔ وہ اپنے ایک ہاتھ سے اسی کی کلاسیاں جکڑے ہوئے تھا۔  
اور اپنا وزن اس پر مکمل طور پر ڈالے ہوئے تھا۔ اس کی کمر شلیف  
پر بینڈ ہوئی تھی۔ ٹانگیں زمین پر تھیں۔ جن پر وہ اپنی ٹانگوں سے



مسلسل دباؤ ڈالتے اسے سسکنے پر مجبور کر رہا تھا۔ عابیر نے اپنی  
بے ترتیب سانسوں سے اسے سہتے ہوئے دیکھا جو چاقو کی نوک  
اس کی گہرائیوں پر نرمی سے پھیر رہا تھا۔

اسفند۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ اس۔۔۔۔۔ سے  
۔۔۔۔۔ افیت۔۔۔۔۔ دیں گے۔۔۔۔۔ میرے چاقو مارنے پر مجھ  
سے بدلہ لیں گے۔ عابیر اکھڑتی سانسوں سے بمشکل بولی۔

تم سے بدلہ لینے کے لیے مجھے تمہیں چاقو مارنے کی ضرورت  
نہیں۔۔۔۔۔ میری سفاک پٹھانی۔ اگر پلٹ کر تم پر تمہاری ہی  
طرح وار کرنا ہوتا تو۔ اپنی پہلی رات ہی پلٹ کر خدا قسم تمہارے  
دیے ہوئے زخم کا تمہیں دس پر سنٹ جتنا بھی زخم دیتا تو تم آج تک  
میری شکل دیکھنے کی رو دار دنہ ہوتی۔ تم نے اس رات میری  
شدتیں سہیں۔ مجھے خود کو سونپا تم جانتی تھی کہ میں تم پر حق رکھتا  
ہوں۔۔۔ تمہیں مجھے سونپنا ہی تھا۔

کہا تھا تم سے کہ تم سے حق سے زیادہ نہیں لوں گا نہ تمہاری  
تذلیل کروں گا۔ اس رات میری شدتوں میں جنون تھا مرد  
ہونے کا غرور بھی تھا۔ مگر ایک بار بھی کیا تمہاری تذلیل کی؟؟۔  
تمہیں اپنی بانہوں میں قربت کے لمحات میں دھتکارتے تمہیں  
تذلیل بھرے لفظوں سے پکارا۔۔ تم خود سوہتی رہی میں  
تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹا رہا۔ اگر اپنے بھائی کے موت کا بدلہ

لینا ہوتا بہت آسان تھا۔ پہلی رات مکھار ا غرور اس طرح توڑتا  
تم کبھی مجھے دوبارہ زخم دینے کا سوچتی ناں۔۔ اسفند چاقو کی  
نوک اس کی گہرائیوں پر بڑھاتے اپنی سرخ آنکھیں اس کی ہیزل  
گرے آنکھوں میں گاڑھے بول رہا تھا۔  
عابیر کی آنکھیں اسفند کی سرخ جنونی آنکھیں دیکھتے خطرناک حد  
تک کھل گئی تھیں۔ اپنی دھڑکنوں پر چاقو کی نوک محسوس کرتے  
اس کی آنکھوں میں آنسو خوف کی مانند ٹھہر گئے تھے۔

اور اس دن بند کمرے میں میری بانہوں میں میرے سینے میں  
بے رحمی سے چاقو نہ اتارتی۔ تمہیں یقین تھا اسفندیار خان تمہیں  
پلٹتے ہوئے کبھی سفاک سزا نہیں دے سکتا۔ بدلے میں لائی  
ہوئی عورت سے نکاح کی رات کوئی مرد چاقو کا زخم کھانے کے  
بعد اس عورت کے ساتھ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے کبھی تنہائی میں  
بیٹھتے سوچنا۔۔۔ اگر میں وہ چاقو کی نوک تمہاری دھڑکنوں میں  
ذرا سا بھی چھو دیتا تو۔۔۔ اسفند نے کہتے وہ چاقو کی نوک اس کی

دھڑکنوں پر نرمی سے رکھتے ذرا سی چھوٹی تو عابیر آنکھیں سختی  
سے میچیں بری طرح سسکیاں بھر چکی تھی۔

اسفندیار خان کا اس کے بدن کی کپکپاہٹ اس کی سسکاریاں  
محسوس کرتے قہقہہ بلند ہوا تھا۔ میری جان تنکے جتنا درد بھی تم  
نے نہیں سہا۔ مگر سسکاریاں میری قربت میں دی ہوئی  
شدتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ جو مجھے پاگل کر دیتی تھیں۔  
اسفند نے معنی خیزی میں کہتے اسے آنکھ دنک کی۔ عابیر کی

نظریں اسفند کی پھولتی سانسوں اور اس کی سرخ آنکھوں پر  
تھیں۔ وہ چاقو کی نوک اس کی دھڑکنوں پر رکھے ہوئے تھا۔ وہ تو  
شائد سانس لینا بھی بھول چکا تھا۔ اس نازک حصے پر وہ مقابل کی  
سفاکی برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ خوف سے مر رہی تھی  
جیسے۔۔۔ پیشانی پر موتی چمکے تھے۔



اسفند نے ذرا سا اوپر ہوتے اس کی کلائی آزاد کرتے اپنی شرٹ اتار  
کر دور اچھالی۔ اب عابیر کے سامنے اس کا چٹائی سینہ تھا۔ وزشی  
سینہ جس پر کٹس نمایاں تھے۔ عابیر اس کے سینے پر اپنا دیا ہوا گہرا  
زخم دیکھ کر نظریں پھیر چکی تھی۔ زخم کی حالت بہت بری تھی۔  
جیسے اس پر مرہم رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ وہ گہرا اور سرخ تھا۔ زخم  
کی گہرائی بھی واضح تھی۔



نظریں کیوں پھیر رہی ہو اپنی آنکھوں سے اپنی سفاکی دیکھو۔  
اسفندیار خان نے اس کا منہ دبوچتے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔  
لہجے میں بھی دود کی گہری رمل تھی جسی عابیر محسوس کرتے تڑپی  
تھی۔

اس کی۔۔۔۔ ڈریسنگ۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔ نہیں کی۔  
عابیر نے ٹوٹے لفظوں سے پوچھا تھا۔ اس کا گہرا زحم اس کے

چہرے پر زردیاں بکھیر چکا تھا۔ عابیر نے اپنی کاہلی انگلیاں اس کے زخم پر رکھنی چاہی وہ اس کا ہاتھ جکڑ گیا تھا۔

تب چھونا جب میری بانہوں میں خود کو سونپتے اس زخم پر نرمی سے اپنے لب رکھ سکو۔ تمہارا دیا ہوا اس جسمانی زخم نے مجھے اندر سے نہیں مارا۔ تمہاری سفاکی نے اسفندیار خان کو مارا ہے۔ ساری ساری رات سگریٹ پیتے ہوئے سوچتا ہوں۔ جو لڑکی عشق کی دعویدار ہو وہ کیسے میرے وجود کو زخمی کر سکتی ہے۔ اس لیے

پتہ ہے کمھارا نام کیا رکھا ہے۔۔۔ اب وہ اس کی آنکھوں میں  
دیکھتے زخمی سا ہنر تھا۔ عابیر کی نگاہیں اس کے زخم سے رستے  
خون پر تھیں۔

سفاک پٹھانی۔۔۔۔۔ سفاک پٹھانی۔۔۔ سفاک پٹھانی۔۔۔ وہ  
کرب سے بولتا نم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔ عابیر اس کی نیلی  
آنکھیں دیکھتے گہرے سانس لیتے اپنی نظریں پھیر چکی تھی۔

قسم کھائی ہے اس زخم پر تب ہی مرہم رکھوں گا۔ جب تم اس زخم  
پر اپنے لب رکھو گی۔ ورنہ یہ زخم ناسور بنے گا میرے لیے۔  
اسفند اس کے اوپر سے اٹھتا سیدھا ہوا تھا۔  
عابیر بھی سیدھی ہوتی سرخ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے  
اپنے بے ترتیب لباس کو درست کرنے لگی۔  
اسفند نے اپنی شرٹ زمین سے اٹھائے پہنی تھی۔

آئینہ اتنا تیار ہو کر میرے سامنے نہ آنا۔ ورنہ ایسے ہی بھی چن  
کبھی واش روم کبھی کمرے میں تمہارے قریب آ جایا کروں گا۔  
تم سے محبت کا یہ عالم ہے تمہارے خوبصورت پاؤں دیکھ کر  
اسفندیار خان اپنے ہوش کھودیتا ہے۔ اس طرح تیار ہو کر آیا کرو  
گی تو اسفندیار خان عنقریب پاگل ہو جائے گا۔ اسفند اسے کمرے  
جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ عابیر اس کے حصار میں اب  
لرزتے کھڑے تھی۔ بدن ابھی بھی کپکپا رہا تھا۔

تم اپنی خوبصورتی میرے علاوہ کسی اور کے سامنے اچاگر کر دینے  
بھی برداشت نہیں۔ چھپا کر رکھا کرو خود کو۔ تمہارے  
خوبصورت بدن پر عورت کی نظر بھی گوارا نہیں۔ اتنی محبت  
کرتا ہوں تم سے۔ مگر تم پر پابندی نہیں لگاؤں گا۔ یہی میری سزا  
ہے تمہارے قریب رہ کر تمہارے لیے تڑپنا۔ مگر یاد رکھنا سزا  
اتنی ہی اسفندیار خان کو دینا جتنی وہ برداشت کر سکے۔ جس دن تم  
نے یہ آگ حد سے زیادہ بھڑکادی تو اس آگ میں تم بھی جھلسو گی

تڑپوگی مگر تم پر رحم نہیں کھاؤں گا۔ وہ اسے چھوڑتا اپنی شال زمین سے اٹھائے اسے کندھوں پر جھٹکتا کچن کا دروازہ کھولتا نکل گیا تھا عابیر گہرے سانس لیتے کچن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی۔

---

حیدر خان اپنے بہت عزیز دوست عباس خان کے ولیمے کے لیے پہنچا تھا۔ یہ لوگ حیدر کی شادی پر اسٹریلیا میں تھے۔



عباس خان خاص طور اپنے بچپن کی منگ سے شادی کے لیے  
سوات آیا تھا۔ اور اپنی فیملی اور بیوی کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے  
اسٹریلیا شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس نے اپنا ولیمہ بہت اونچے پیمانے پر منعقد کیا تھا۔ اپنی بہت بڑی  
حویلی کے سرسبز لان اور مردان خانے میں یہ انتظام تھے۔ وہ  
لوگ کافی ماڈتھے۔ اس لیے عورت اور مردوں میں پردے کا  
کوئی خاص خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے جو لوگ پردے کا خیال



رکھتے تھے ان کے لیے مردان خانے اور زنان خانے میں الگ  
الگ انتظام کر رکھا تھا۔

حیدر خان عباس خان کے بہت اصرار پر آج اپنے ساتھ رقیہ خانم  
اور اوزگل کو لایا تھا۔

حیدر خان کی سیاہ لینڈ کروزر عباس خان کے بہت بڑے گیٹ کے  
سامنے آکر رکی تھی۔

حیدر خان اپنی لہنی موچھوں پر ہاتھ پھیرتے گاڑی سے اترے۔  
رقیہ خانم اور اوزگل بھی گاڑی سے بڑی بڑی چادروں میں لپیٹی اپنا  
منہ ڈھکے اتری تھیں۔

حیدر خان سفید شلوار قییمض میں ملبوس سیاہ مراد نہ شال کندھوں  
پر جھٹکتے گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے سامنے بہت بڑی سفید  
گاڑی آکر رکی تھی۔

حیدر خان کے بھاری قدم رکے تھے۔ دل کی دھڑکنیں بڑھی  
تھیں۔

اس میں سے امینہ خانم اور فرشتے اور پلوشہ اتری تھیں۔  
حیدر خان فرشتے کو دیکھ کر شل ہوا تھا۔ وہ سفید چادر میں لپی ہوئی  
تھی۔ اپنی گود میں ذراب کو اٹھائے ہوئے تھی۔ درخشاں کے  
ہاتھوں میں ذراب تھا۔



رقیہ خانم اپنے پوتے دیکھ کر تڑپ اٹھی تھیں۔

فرشتے اپنے دھیان میں دراب کو اٹھائے گیٹ کے اندر داخل  
ہونے لگی تھی کہ اپنے سامنے حیدر خان کو دیکھ کر وہ رکی تھی۔  
دراب پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔۔۔ وہ بہت سختی سے  
اسے اپنے سینے میں بھینچ چکی تھی۔

اوز گل حیدر خان کے قریب ہوتے اس کا بازو جکڑ گئی تھی۔۔  
امینہ خانم۔۔ اور درخشاں رقیہ خانم اور حیدر خان کو دیکھتے  
پریشان ہوئے تھے۔

حیدر خان جیسے مضبوط انسان میں ہلنے کی سکت بھی نہ رہی تھی۔  
اس کی بیوی اس کے بچے۔۔ جنہیں وہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر  
چاہتا تھا۔ وہ اس کے قریب ہوتے بھی صدیوں کے فاصلے پر

تھے۔ بے بسی کا عالم کیا تھا وہ اپنی یہ خوشی اپنے دوستوں کے ساتھ  
بھی شیر نہ کر سکا تھا۔ وہ دو دو بیٹوں کا باپ ہے۔۔  
دونوں ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ اوز گل کا ہاتھ کا دباؤ  
حیدر خان کے بازو پر بڑھتا جا رہا تھا  
فرشتے کے ہاتھ کا دباؤ دراب کی کمر پر بڑھتا جا رہا تھا۔



چلو بچہ۔۔۔۔۔ امینہ خانم نے فرشتے کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ  
رکھا۔ جو دراب کو شدت سے سینے میں بھینچے حیدر خان کو سرد  
سپاٹ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

رقیہ خانم بے تابی سے اپنے پوتوں کی طرف بڑھیں۔۔  
فرشتے نے جلدی سے درخشاں سے زراب کو لے کر اسے اپنے  
دوسرے کندھے سے لگایا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے گیٹ کے

اندردا خل ہو گئی تھی۔ امینہ خانم رخشاں اس کے پیچھے تیزی سے  
گیٹ کے اندردا خل ہوئے تھے۔

رقیہ خانم روتے ہوئے حیدر خان کی طرف بڑھیں۔ حیدر اوزگل  
کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑواتا ہوا گیٹ کے اندردا خل ہو گیا۔ رقیہ  
خانم کی رنگت اہانت کے احساس سے سرخ پڑی تھی۔ اوزگل  
تمسخراتی نگاہوں سے رقیہ خانم کو دیکھتے گیٹ کے اندردا خل ہو گئی  
۔ رقیہ خانم بے یقینی سے پتھرائی کیفیت میں کھڑی تھی۔ اتنا

فرمانبردار بیٹا ان کے آنسو نظر انداز کر گیا۔ اٹھیں یقین نہیں آرہا  
تھا۔ وہ اپنے آنسو پونچتے گیٹ کے اندر داخل ہوئیں۔

---

فرشتے تیز تیز قدموں سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی  
تھی۔ فرشتے کے قدموں کی عجلت دیکھتے حیدر خان کے بارعب  
خوبرو چہرے پر غصے کی پرچھائی لہرائی تھی۔ وہ اپنے ساتھ اس کے

بیٹوں کو بھی تکلیف پہنچا رہی تھی۔ بہت سختی سے دراب زراب کو  
خود میں بھینے ہوئے تھی

یکدم اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ اس سے پہلے وہ گرتی حیدر  
خان یہ کچھ قدموں کا فاصلہ طے کرتا اسے اپنی مضبوط بانہوں میں  
تھام چکا تھا۔

فرشتے کا نقاب ڈھیلا ہوتا اتر چکا تھا۔ حیدر خان اس کا معصوم چہرہ  
دیکھ کر مزید اضطراب میں مبتلا ہوا۔ گہری گرم نگاہیں اس کے

ٹھوڑی کے سیاہ گنگورتل پر تھیں۔

اور ایک ہاتھ کی انگلیاں اس کے سرخ یا قوتی لبوں پر جا ٹھہریں  
تھیں۔

فرشتے سختی سے دراب زراب کو اپنے کندھوں سے لگائے حیدر کو  
دیکھ رہی تھی۔ جو سب کی موجودگی فراموش کیے دیوانوں کی  
طرح اسے کے نقوش پر گہری گرم نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔

رقیہ خانم اوزگل امینہ خانم درخشاں سب ہی ان دونوں پر نظریں  
جمائے ہوئے تھے۔

حیدر خان دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کی موجودگی  
یکسر فراموش کر چکا تھا۔ یہاں تک اپنے بچے بھی بھول چکا تھا۔ کیا  
نعمت خدا کی وہ ٹھکرا چکا تھا۔ دل میں اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔  
دراب زاراب کے رونے پر حیدر خان ہوش میں آیا تھا۔ حیدر  
خان نے دراب فرشتے سے پکڑنا چاہا۔ فرشتے سر نفی میں ہلاتے

پیچھے کو ہوئی تھی۔

نہیں خان۔۔۔۔۔ میرے دراب زراب پر آپ کا کوئی حق  
نہیں ہے۔ انھیں ہاتھ مت لگائیے گا۔ ورنہ اٹے قدموں واپس  
چلی جاؤں گی۔۔۔ آج آپ مجھ پر ہاتھ اٹھا کر مجھے زبردستی نہیں  
لے جاسکتے۔۔۔ اس دن فرشتے کمزور پڑ گئی تھی۔ مگر مجھے اس دن  
ہی اندازہ ہو گیا تھا۔۔۔ میرے بیٹے میری کمزوری نہیں۔۔۔ میری  
طاقت ہیں۔ کمزوری یہ اپنے باپ کے لیے ہیں۔ وقت بدل گیا



ہے۔۔ آج فرشتے خان طاقت ور اور حیدر خان کمزور ہے۔  
فرشتے دراب زراب کو سختی سے خود میں بھینچتے پتھر یلے لہجے  
میں بولی۔

حیدر خان فرشتے کی مضبوط آواز پر مسکرایا تھا۔  
حیدر خان آج بھی طاقتور ہے۔۔ مگر وہ اپنی طاقت کبھی بھی  
اپنے رشتوں پر نہیں دکھا سکتا اور حیدر خان کی یہی کمزوری ہے۔  
حیدر خان اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے بولا۔



حیدر خان رشتوں پر نہیں صرف اپنے ایک رشتے پر طاقت نہیں  
دکھاتا۔ وہ ہے اس کی جنت۔۔۔ اور میری دعا ہے حیدر خان  
قیامت والے دن بھی جنت کا حقدار ٹھہرے۔۔ میرے حقوق  
کی کوتاہی میں پکڑا نہ جائے۔ فرشتے آہستگی سے کہتے دراب  
زراب کو کندھوں سے لگائے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔  
حیدر خان اس کی بات پر پتھر ہوا تھا۔ سب اندر چلے گئے تھے۔  
مگر وہ وہیں پر کھڑا تھا۔

حیدر خان نے گہرے سانس لیتے اپنی سرخ آنکھیں انگلیوں کے  
پوروں سے مسلیں۔ وہ جانتا تھا جنت پانے کے چکر میں وہ دوزخ  
کا حقدار ٹھہرا تھا۔ یہ اس کے دل میں جلتے سلگتے بھڑکتے بھانپھڑ  
اسے ہر لمحہ اس پر باور کرواتے تھے۔۔۔۔۔ وہ اپنی شال جھٹکتے  
اپنی مونچھوں پر پھیرتے داخلی دروازے سے داخل ہوتے اندر  
بڑھ گیا

---

ارحام خانزادہ حویلی کے اپنے کمرے میں پریذے کے ساتھ بیڈ پر  
بیٹھا تھا۔ جو اس کے سینے سے ٹیک لگائے سامنے لگی ایل ای ڈی پر  
کارٹون دیکھ رہی تھی۔

ارحام ابھی کچھ دیر پہلے ہی پہنچا تھا۔ یہاں آنے پر اسے پتہ چلا تھا  
کہ فرشتے امینہ خانم کے ساتھ ان کے کسی بچپن کی سہیلی کے بیٹے  
کی شادی پر گئی ہیں۔ وہ زبردستی فرشتے کو اپنے ساتھ لے کر گئی

تھیں۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھی۔ اس لیے امینہ خانم اسے زبردستی ساتھ لے کر گئی تھیں۔۔۔  
ارحام یہ سنتا خوش ہوا تھا۔ فرشتے کو وہ خود لوگوں کے ساتھ ملتا جلتا دیکھنا چاہتا تھا۔

زاران بھی اسلام آباد تھا۔ وہ باقی سب سے مل کر کمرے میں چلا آیا تھا۔ پریذے پچھلے دو گھنٹوں سے اس کے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے کارٹون دیکھ رہی تھی۔ اور وہ بھی پچھلے دو گھنٹوں سے وہ

کارٹون دیکھ رہا تھا۔ پر یزے ہر تھوڑی دیر بعد کارٹون کریکٹرز کے متعلق بات کرتی تو اسے بھی اپنی دلچسپی شو کروانی پڑ رہی تھی۔ وہ کارٹون دیکھ کر کسی کارٹون کریکٹر کے ایکٹ پر ہنستی تو اسے بھی اس کی ہنسی میں اس کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوئے پر یزے کے بالوں پر اپنے لب رکھے۔ ایل ای ڈی پر اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔ جن میں رت جلے کی سرخی نمایاں تھی۔ پچھلے تین دنوں سے اس نے سو کر

نہیں دیکھا تھا۔ حور سے ذرا سی ملاقات پر اس کے اندر اس کے لیے طلب کی پیاس اس کی جدائی کی تڑپ کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ اس کے پر سنل گارڈز ہر وقت حور پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ حور کی پل پل کی خبر اس تک پہنچائی جا رہی تھی۔ مگر وہ اس دن کے بعد اس کے پیچھے نہیں گیا تھا۔ مگر اس کے لیے وہ مزید بے چین تھا۔

ارحام نے بیڈ کراون کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں موندیں تھیں  
کہ دروازہ ناک کرتے عابیر اندر داخل ہوئی۔  
اسلام و علیکم لالا۔۔۔۔۔ عابیر نے ارحام دیکھتے کہا۔  
و علیکم اسلام عابیر ارحام سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔۔  
پریذے بابا کو تنگ تو نہیں کر رہی۔۔۔ عابیر نے مسکراتے ہوئے  
پریذے کو دیکھا۔



پریذے تو لسی کو تنگ نہیں کرتی ہے ناں پاپا۔۔۔۔۔ پریذے نے  
ارحام کی طرف دیکھا۔

ارحام نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر لب رکھے۔  
لالا۔۔۔۔۔ میرے فون پر کب سے حور بھا بھی کا فون آرہا ہے۔  
وہ پریذے سے بات کرنا چاہتی ہے۔ آپ کی اجازت ہو تو  
کروادوں۔ عابیر نے اپنے فون کو دیکھتے کہا جہاں حور کی پھر سے  
کال آرہی تھی۔



مجھے ماما سے بات کرنی ہے پاپا۔۔ پر یزے جلدی سے بولی۔۔  
فون مجھے دو میں کروانا ہوں۔ ارحام نے عابیر سے فون مانگا۔ عابیر  
ارحام کو فون پکڑائے خاموشی سے چلی گئی تھی۔

ارحام نے لب بھیجے فون کو دیکھا جہاں اس کی کال پھر سے آرہی  
تھی۔۔

پریذے میں فون اٹھا رہا ہوں.. مگر ماما کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ  
میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ارحام نے پریذے سے کہا۔  
پاپا جھوٹ بولوں گی میں۔ ماما کہتی ہیں کچھ بھی ہو جائے جھوٹ  
نہیں بولتے۔ پریذے سر نفی میں دائیں بائیں جانب ہلاتے  
ہوے بولی۔

ارحام نے گہرا سانس لیا۔

بھی بھئی بول لیتے ہیں۔ ایسا کرو آج لاسٹ ٹائم آپ جھوٹ بول  
لینا اور پھر ہم دونوں مل کر ماما سے سوری کر لیں گے۔ سمجھو، ہم ماما  
کو تنگ کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ ہمارے پاس آ جائیں گی۔ ارحام  
نے مسکراتے ہوئے کہا تو پریذے کی آنکھیں خوشی سے چمکی  
تھیں

اوکے پاپا ڈن۔۔۔۔۔ پریذے مسکرائی تھی۔

ارحام نے کال اٹینڈ کرتے سپیکر آن کرتے فون پر یزے کو  
پکڑا یا۔

ہیلو پر یزے جان کیسی ہو آپ۔۔ حور کی آواز سپیکر پر سنتے ارحام  
کے دل میں سکون کی لہر اتری تھی۔ وہ سکون سے آنکھیں موند  
گیا۔ یہ آواز بھی اس کا سکون تھی۔؟؟  
ٹھیک ہوں ماما۔۔ آپ کیسے ہو۔۔ پر یزے بیڈ پر اچھلتے ہوے  
خوشی سے بول رہی تھی۔

پریزے ڈونٹ جمپ۔۔ حور کی بات پر پریزے جمپنگ کرتے  
ہوے رکی تھی۔

ماما آپ کو کیسے پتہ چلا پریزے جمپنگ کر رہی تھی۔ پریزے نے  
حیرانگی سے پوچھا۔

ماما کو سب پتہ ہوتا ہے۔ ماما نے بتایا تھا ناں کہ ماما کیمروں میں سب  
دیکھتی ہے۔ اس لیے مجھے آپ کے بارے میں سب پتہ ہوتا

ہے۔ حور کی بات پر ارحام کے لب گہرا مسکرائے تھے۔ وہ بند  
آنکھوں سے گہرا مسکرایا تھا۔ اس کی حور تو سچ میں ماما بن چکی تھی۔  
پھر تو آپ پاپا کو بھی دیکھ رہی ہوں گی۔ پریذے کی بات پر ارحام  
نے جلدی سے آنکھیں کھولیں۔ ارحام نے اسے جلدی سے  
اشارے سے اپنے بارے میں بتانے سے منع کیا۔

پاپا۔۔۔ ماما آپ کو اور مجھے کیسروں میں دیکھ رہی ہے۔ میں  
جھوٹ بولوں گی تو ماما کو پتہ چل جائے گا۔ پریذے فون کے سپیکر

پر ہاتھ رکھتے ارحام کے کان میں جھکتے سرگوشی سے بولی۔  
ارحام پر یزے کی معصومیت پر مسکرا کر رہ گیا۔  
پر یزے ماما کو کیمروں میں صرف آپ نظر آرہی ہیں میں  
نہیں۔ میرے بارے میں آپ نے نہیں بتانا۔ میں ماما کے  
hide and seak کھیل رہا ہوں۔ میں ماما کو نہیں دکھائی  
دے رہا آپ ماما کو بتائیں گی تو پاپا ہار جائیں گے۔ ارحام نے اسے  
اس کے کان میں سرگوشی کرتے اسے معصومیت سے ڈیل کیا۔

Ok papa insh Allah You will win

پریذے نے سرگوشی میں کہا۔  
سپیکر پر مسلسل حور پریذے کو پکار رہی تھی۔ ارحام کے  
اشارے پر وہ فون کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔  
ہیلو ماما۔۔ پریذے نے فون کان سے لگائے کہا۔



کیا ہوا تھا کس سے بات کر رہی تھیں آپ؟؟ اور پاپا کے بارے  
میں کیا کہہ رہی تھیں۔ حور کی آواز میں بے چینی محسوس کرتے  
ارحام کے تپتے جلتے دل کو راحت ملی۔ وہ پھر سے گہرا مسکرایا تھا۔  
کچھ نہیں ماما پاپا تو میرے پاس نہیں ہیں۔۔۔ نہ وہ میرے ساتھ  
کارٹون دیکھ رہے ہیں۔ پریذے کی بات پر ارحام نے اپنی ہلکی  
گھنی بئیر ڈھپہا تھ پھیرا۔ اسے پورا یقین تھا پریذے جلد بتا دے  
گی کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔

پریذے آپ پاپا اور اپنی مورے گل کے ساتھ پلے لینڈ کئی  
تھیں۔ حور کی کپکپاتی آواز سپیکر پر گونجی۔

ارحام جلدی سے سیدھا ہوا تھا۔

..Say yes

ارحام نے پریذے کے کان میں سرگوشی کی۔

Yes

پریذے نے جلدی سے یس کہا۔

سپیکر پر کچھ پل خاموشی کے چھائے تھے۔  
ارحام کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی سانسوں کی آواز  
سننے ارحام کی سانسیں بھی گہری ہوئی تھیں۔  
وہ بھی بے چین ہوا تھا۔ اپنی بیوی کے اگلے لفظ سننے کے لیے وہ  
اظطراب میں مبتلا ہوا۔

پاپا مورے سے بات کر رہے تھے کیا؟؟ میرا مطلب ہے پاپا آپ  
کو پیار کر رہے تھے یا آپ کی مورے کو ہی دیکھ رہے تھے۔ حور کی

آواز میں اظطر اب کے ساتھ بھیگا پن بھی تھا۔ ارحام نے اب  
بمشکل ہی اپنا قہقہہ گھونٹا تھا۔ تمام اظطر بے چینی جیسے دور  
ہوئی۔۔۔ اب وہ گہرا مسکرا رہا تھا۔

مسسز خان بھی پوزیسیو تھیں۔ اور یہ انکشاف تو بڑا جان لیوہ تھا۔  
وہ ایک بار بولتی وہ اپنی آنکھیں نکال دیتا کسی عورت کی طرف نہ  
دیکھتا۔۔۔ وہ تو ابھی تک اپنی اہمیت سے واقف نہ تھی۔

پاپا تو صرف مورے سے ہی بات کر رہے تھے۔ میری طرف تو  
دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔۔۔ ارحام نے پریدے کے کان میں  
سرگوشی کی۔

پاپا صرف مورے سے بات کر رہے تھے میری طرف تو دیکھ بھی  
نہیں رہے تھے۔ پریدے اس کارٹارٹا یا جملہ روانی سے بولی۔  
دوسری طرف لائن فوراً اسے کاٹ دی گئی تھی۔۔۔ وہ جانتا تھا  
دوسری طرف طوفان آچکا ہے۔۔۔

ارحام کار کا ہوا بلند قہقہہ گونجا تھا۔  
پریذے تمھاری ماما بہت جلد پاپا کے پاس ہوں گی۔ ارحام  
پریذے کو گد گدی کرتا خوشی سے چہکتے اونچی آواز میں بولا۔  
پریذے کی کھلکھلاہٹ کے ساتھ ارحام کے قہقے بھی اس کمرے  
میں گونج رہے تھے۔

---

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 114

حور بے یقینی سے فون ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی۔

!! پاپا صرف مورے سے بات کر رہے تھے میری

طرف تو دیکھ بھی نہیں رہے تھے !!

خور گہرے سانس لیتے فون کو دیکھے جارہی تھی۔ وہ کیسے  
یہ کر سکتا تھا کیسے؟؟ وہ اس کے علاوہ کیسے کسی دوسری  
عورت کو دیکھ سکتا تھا؟؟۔ وہ فون زمین پر پوری قوت  
سے مارتے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

پچھلے سات ماہ سے اس نے اپنا چہرہ کسی مرد کے سامنے  
نہیں کھولا تھا یہاں تک اپنے کالج میں بھی وہ چہرے پر



حجاب ڈالے رکھتی تھی۔

حور سلطان شاہ سلطان شاہ کی اکلوتی بیٹی جو اتنی ماڈا اتنی  
کانفیڈنس تھی۔ جس کے گارڈز کالج کے اندر بھی اس  
کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس کی کلاس سے باہر ہاتھ  
باندھے کھڑے رہتے تھے۔ وہ ارحام خانزادہ کے حکم پر

خود کو ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں  
بھی کبھی اس کے ساتھ بیوفائی نہیں کی۔

اتنی پاور ہونے کے باوجود حور سلطان شاہ نہیں ہر جگہ  
صرف حور خانزادہ ہوتی تھی۔

پھر وہ کیسے ایسے کر سکتا تھا؟؟ اگر وہ اس کی ملکیت تھی تو وہ  
بھی تو اس کی ملکیت تھا۔ پھر وہ کیسے ایسے کر سکتا تھا۔ حور

نے گہرے سانس لیتے اپنے سامنے پڑاوازاٹھا کر سامنے  
ڈریسنگ مرر میں دے مارا تھا۔

آپ ایسا نہیں کر سکتے ارحام؟؟۔۔۔۔۔ آپ نے ثابت  
کر دیا آپ اب میرے لیے مسٹر خان ہیں۔ آپ نے  
شراکت کی میری محبت میں۔۔۔۔۔ کیسے کر سکتے ہیں آپ  
یہ سب؟؟ حور گہرے سانس لیتے چیخی تھی۔

آپ پریذے کے بے حاف پر گل کو واپس لانا چاہتے ہیں  
کہ پریذے ایسا چاہتی ہے؟؟ اور آپ کے پاس  
ایکسپینینیشن یہ ہوگی آپ حق رکھتے ہیں۔ آپ ایک  
وقت میں دو عورتیں رکھ سکتے ہیں۔ وہ حویلی میں رہے  
گی۔ اور میں یہاں ہمیشہ آپ کے نکاح میں۔۔ ایسا

نہیں ہوگا۔ میں حور سلطان شاہ ہوں۔ جو بھی آپ کی  
بیوفائی قبول نہیں کرے گی۔

اب اپنی سزا کے لیے آپ تیار ہو جائیں۔۔ ایسی سزادوں  
کی تو آپ تڑپ کر رہ جائیں گے۔۔ حور نے زیر لب  
بولتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑیں۔

نہیں روؤں گی۔۔ ایک آنسو نہیں بہے گا آپ کی بیوفائی  
پر۔۔۔ ان سات ماہ میں مجھے لگا تھا آپ ایک عام مرد  
نہیں ہیں۔ آپ جدا ہیں ہر مرد سے۔۔

مگر آپ نے ثابت کیا آپ حویلی میں رہنے والے ایک  
وہی ظالم بے حس مرد ہیں جو بستر پر اپنی طاقت دکھا کر  
اپنی فتح کا جیت مناتے ہیں۔ عورت کو کیسے فتح کیا جاتا ہے

۔ افسوس آپ کو انج تک پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔۔۔ حور نے  
اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے گہرے سانس  
لیے تھے۔۔

وہ اپنی نائیٹ کا گاؤن اتارتے واش روم کی طرف بڑھی  
تھی کسی کی بیوفائی نے اس کے اندر بھانپھڑ جلا دیے

تھے۔ اس جلتے بھانپھڑوں کو شاید پانی کو بو چھاڑ ختم کر

دے۔

-----

zubinovelzone.com



زاران ستارہ خان کو دیکھتے کمفر ٹیبل صوفے پر سیدھا ہوا  
تھا۔ وہ اس کے سامنے ہی براؤن لیڈر کے ون سیٹر  
صوفے پر بیٹھی تھی۔ بلیک کلر کے بہت اونچے چست  
ٹراؤزر پر بے حد شارٹ شرٹ پہنے ہوئی تھی۔ شرٹ  
اور ٹراؤزر سے اس کا سفید گداز بدن چھلک چھلک کر باہر  
آ رہا تھا۔ کندھوں تک سلکی بال بال بکھرے ہوئے

تھی۔ وہ خان فیملی سے تھی اس لیے رنگت بہت زیادہ  
سرخ و سفید تھی۔ اپر لپ پر مول بہت گہرا تھا۔ جو اس  
کے پرکشش چہرے پر بہت اثر کیٹو لگتا تھا۔ وہ اچھی خاصی  
خوبصورت لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی۔  
زاران اس کے سامنے سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس بیٹھا ہوا  
تھا۔

یہ میٹنگ زاران کے عالیشان بنگلے میں ہو رہی تھی۔  
جہاں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ رات کے بارہ  
بج رہے تھے۔ اس وقت اس بنگلے پر کوئی ملازم تک  
نہیں تھا۔ ستارہ خان کے پرسنل گارڈز اس وقت لان میں  
موجود تھے۔ اور زاران کے پرسنل گارڈز گیٹ پر تعینات  
تھے۔

ستارہ خان نے لیپ ٹاپ سے وہ پین ڈرائیو نکال کر  
زاران کے سامنے ٹیبل پر رکھی تو زاران کی براؤن  
آنکھیں چمکی تھیں۔ زاران نے جلدی سے وہ پین ڈرائیو  
اٹھا کر اپنے کوٹ کی اندرونی پاکٹ میں ڈالی۔  
زاران میرے لیے یہ سب کرنا آسان نہیں تھا میں سچ  
بتاؤں میں اندر سے بہت خوفزدہ ہوں۔ وہ بہت

خطرناک ہے کمھاری سوچ سے بھی زیادہ۔۔۔ ستارہ  
خان نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

اب کس بات کا ڈراس کی ساری کمزوریاں میری جیب  
میں ہیں۔ اب سمجھو اس کی گردن چھری کے نیچے ہے  
صرف وہ تیز دھار چھری چلانے کی دیر ہے۔ زارا ان گہرا  
مسکرایا تھا۔

زاران عبدالحق ایک جونک کی طرح ہے جو ہمارے ملک  
کو کھوکھلا کر چکا ہے۔ میں نے اس دن قسم کھائی تھی  
جس دن اپنی بہن کی لاش دیکھی تھی۔ عبدالحق کے بیٹے  
نے میری بہن کے ساتھ حوس پوری کر کے اسے مار کر  
پھینک دیا تھا۔ مگر میں کچھ نہ کر سکی۔ بلکہ اواز تک نہ اٹھا  
سکی۔ تم نہیں جانتے زاران میں نے کیا کیا کھویا۔ میں نے

اپنی ماں کو اپنے باپ کو کھو دیا جو میری بہن کی موت  
برداشت نہ کر سکے۔ کیسے برداشت کرتے زار ان وہ  
۔۔۔۔ وہ اپنی عزت کھو کر مری تھی۔ میرا منگیتر جو مجھ  
سے محبت کا دعویدار تھا وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔  
عبدالحق سے بدلہ لینے کے لیے اس کی پارٹی جوائن کی۔  
مگر کچھ نہ کر سکی۔ بہت سے راز پتہ ہونے کے باوجود میں



اس کے خلاف کھڑی نہ ہو سکی۔ اسی لیے اس کی پارٹی  
چھوڑ دی۔ مگر تمہارے یقین اور بھروسے پر میں نے یہ  
پارٹی دوبارہ جوائن کی ہے۔ میں اسے سزا دلوانا چاہتی  
ہوں مگر میں خوفزدہ ہوں اگر اسے ذرا بھی خبر ہو گئی وہ  
مجھے نہیں چھوڑے گا۔ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں اپنی



عزت کی پرواہ ہے زاران۔۔ ستارہ خان نے زاران کی  
آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے  
ستارہ۔۔ تم ہی نہیں تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی  
مجھے اس کی عزت اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی۔  
مگر میں نے یہ پارٹی تمہیں انصاف دلانے کے لیے نہیں

جوائن کی تھی۔ وہ ایک نمبر کا کرپٹ بندہ ہے۔ اسے  
میں مزید اپنے ملک کو کھوکھلا نہیں کرنے دے سکتا۔  
زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ٹیبل پر پوری قوت  
سے مکہ مارا تھا۔

بہزاد خان جیسے بہت سے کمینوں کو سپورٹ کرنے والا  
عبداللہ الحق ہی تھا۔ ابرش کو بہزاد کے پاس دیکھ کر اس نے

فیصلہ کر لیا تھا وہ عبد الحق کو برباد کر دے گا۔ اسی مقصد کے لیے اس نے یہ پارٹی جوائن کی تھی۔ زار ان صوفے سے اٹھتا سنگ ایریا کے لاؤنج کے گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔

ابرش کی کمر کاتل ان پوسٹرز پر یاد آیا تھا۔ ابرش کی وہ تصویریں یاد آئی تھیں جو اس بہزاد خان کے کمرے اس

کے واش روم تک میں تھیں۔ زارا ان کی آنکھوں کی  
سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ پوسٹرز بہزاد خان کے  
کمرے میں تھے تو صرف بہزاد خان نے تو نہیں دیکھے  
ہوں گے اس کے دوستوں اس کے گارڈز پتہ نہیں کس  
کس نے ان پوسٹرز کو نہیں دیکھا ہو گا۔ زارا ان کی  
آنکھوں میں سرخی لہو بن کر اتری تھی۔ زارا نے

گلاس وال پر مکہ مارتے اس کے ساتھ سر ٹکاتے گہرے  
سانس لیے تھے۔۔۔ وہ اپنے اندر اٹھتے اضطراب پر قابو  
پانے لگا۔ ابرش کے جذباتی پن نے اسے بہت تکلیف  
پہنچائی تھی۔۔۔ وہ جن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا دن  
میں دس بار مرتا تھا کہیں کسی کتے نے اس کی بیوی کے

پوسٹر نہ دیکھے ہو۔ وہ گلاس وال سے پیشانی ٹکائے گہرے  
سانس لے رہا تھا۔

عبدالحق کے بارے میں اس نے مکمل معلومات حاصل  
کیں۔ جس پرائیویٹ طیارے میں بہزاد خان ابرش کو  
لے کر باہر کے ملک فرار ہونا چاہتا تھا۔ وہ طیارہ بھی  
عبدالحق کا تھا۔ یعنی بہزاد خان کو اس کی مکمل سپورٹ

حاصل تھی۔ اس لیے اس نے عبد الحق کی پارٹی جوائن کی۔ اسے اس بات کی خبر نہیں ہونے دی کہ وہ اس بات کی آگاہی رکھتا ہے کہ وہ بہزاد خان کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ وہ اس بات کی خبر رکھتا ہے۔ مگر عبد الحق اس کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا تھا یہ اسے معلوم تھا۔ وہ جانتا تھا بہزاد جس کو اغوا کرنے جا رہا تھا وہ اس کی بیوی تھی۔ مگر



عبداللہ نے اس پر کھی شو نہیں کروایا تھا بلکہ عبداللہ نے  
تو بہزاد خان کی موت یا گمشدگی کے بارے میں کوئی بیان  
کوئی کاروائی نہیں کی تھی۔ اس کی موت کے پردہ اٹھتے ہی  
اس کے بھی بہت سے راز افشاں ہوتے۔ اس لیے بہزاد  
خان کے بارے میں کسی نے کوئی بات نہیں کی۔  
عبداللہ خود غرض کرپٹ بندہ تھا وہ لوگوں کو اپنے مقصد



کے لیے استعمال کرتا تھا۔ مرے ہوئے بہزاد خان نے  
اسے کیا فائدہ پہنچانا تھا۔ اس لیے بہزاد کی موت ایک  
مسٹری تھی۔۔ بہزاد کی جگہ اب اسے فائدہ زار ان خانزادہ  
پہنچا رہا تھا۔۔ عبدالحق کی پارٹی کو زار ان کی ہر طرح کی  
سپورٹ حاصل تھی۔۔ چاہے وہ سپورٹ پارٹی کو ڈھیر  
سارا سرمایہ فراہم کرنے کی ہو یا لوگوں کی سپورٹ کی۔۔

زاران کو بہت سے لوگ ایڈماٹر کرتے تھے۔ بہت سے  
علاقوں کی سپورٹ زران کو حاصل تھی۔  
عبدالحق اس کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا تھا۔ مگر  
ستارہ خان کی ہسٹری سے واقف نہ تھا۔ اس لیے دونوں پر  
شک نہیں جاسکتا تھا۔ پارٹی کے لوگ یہی سمجھ رہے تھے  
کہ زاران اور اس کے پیچا فیر چل رہا ہے۔ اسی لیے زاران

نے خود کو سنبھل کہا تھا۔ وہ لوگ امریکہ میں ملے تھے۔  
سب کو پتہ تھا مگر وہ دونوں پارٹی کے سامنے اس طرح  
ظاہر کرتے کہ ان کے بیچ کچھ نہیں ہے۔ مگر سب کو  
شک میں بھی مبتلا کر رہے تھے کہ ان کے بیچ افیر چل رہا  
ہے۔ تاکہ بنگلے میں ہوئی خفیہ ملاقاتوں کو عبدالحق ان

کے بیچ تعلقات کو سمجھے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا عبد الحق  
کہیں نہ کہیں اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

زاران سب کو یہی لگتا ہے میرے اور تمہارے بیچ افیر  
چل رہا ہے۔ مگر ہم اپنے تعلقات چھپا رہے ہیں۔ اس  
لیے ہماری ملاقاتوں پر کسی کو ہم پر شک نہیں ہو سکتا۔

مگر آگے کیا کرو گے تم؟؟۔۔ کیسے کرو گے تم یہ سب؟  
ستارہ خان صوفے سے اٹھتے زار ان کے مقابل آئی تھی۔  
پوری دنیا کے سامنے اس کا ہر کر توت لاؤں گا۔ پورے  
میڈیا کے سامنے۔۔۔ لائیو ٹیلیکاسٹ چلے گا اس کا ہر گناہ  
میرے اس ہنگلے پر ایکسپوز ہو گا۔۔۔ اور وہ پھر  
قانون کے شکنجے میں ہو گا۔

اور وہ پھر تمہیں اور مجھے کچھ نہیں کہہ سکے گا۔ تمہیں اور  
مجھے ذرا سی آنچ آنچ آنے کا مطلب۔۔۔ عبدالحق کے گرد  
پھندہ اور ٹائٹ ہو گا۔۔۔ اور ویسے بھی زار ان خانزادہ کو  
نقصان کوئی نہیں پہنچا سکتا۔۔۔ کیونکہ میرا ڈسا ہوا پانی بھی  
نہیں مانگتا۔۔۔ زار ان طنزیہ ہنستے زہریلے سا مسکرایا تھا۔

ٹھیک ہے زار ان میں نکلتی ہوں۔ ستارہ خان نے  
مسکراتے ہوئے کہا۔

اوکے۔۔۔۔۔ ملیں گے جلد۔۔۔۔۔ زار ان ستارہ کو  
دیکھتے گہرا مسکرایا تھا

ضرور میں بھی اس کا انجام دیکھنا چاہوں گی۔۔۔ اسے اور  
اس کے بیٹے کو پوری دنیا کے سامنے نظریں جھکائے دیکھنا

چاہتی ہوں۔ وہی رنگ ان دونوں کے چہرے پر دیکھنا  
چاہوں گی جو میرے اماں اور میرے بابا کے چہرے پر دنیا  
کو فیس کرتے ہوئے تھے۔ ڈوب کر مرنے والے  
رنگ۔۔۔ اپنی عزت کو کھودینے کے رنگ۔۔  
لاچاری اور بے بسی کے رنگ۔۔۔ بے گناہ ہوتے گناہ گار



ہونے کے رنگ۔۔ ستارہ خان کے لہجے کے ساتھ اس  
کی آنکھوں میں سے بھی شعلے سے لپک رہے تھے۔  
بہت جلد ہو گا سب۔۔ تمہاری عزت اور جان کی ذمہ  
داری میں لیتا ہوں۔۔ خدا کے بعد اب میری ذمہ داری  
ہے۔۔ زارا ان نے مضبوط لہجے میں کہا۔

مجھے اپنے رب پر پورا یقین ہے۔ ظالموں کی رسی ایک حد  
تک ہی دراز ہوتی ہے۔ ہر بار کہانی خود کو دہراتی نہیں  
ہے۔ اب وقت ظالموں کا ہے۔ اس بار عبد الحق اپنے  
انجام کو جائے گا۔ ستارہ مضبوط آواز میں کہتے ہوئے  
مسکرائی تھی۔

زاران بھی جوا بجا بھرپور مسکرایا تھا۔  
میں چلتی ہوں زاران۔۔۔۔۔ ستارہ نے مسکراتے  
ہوئے آجائزت چاہی۔

میں بھی نکلتا ہوں مجھے سوات کے لیے نکلنارات بہت ہو  
گئی ہے۔۔ زاران نے اپنی رسٹ واچ پر نظریں دوڑائیں  
تھیں۔ جہاں ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اسے بائے

سوات پہنچنے تک چار گھنٹے لگ جانے تھے۔ اس لیے  
زاران فلائٹ کے ذریعے سوات جانے کا ارادہ کیا تھا۔  
ستارہ کے جانے کے بعد زاران اپنی کوٹ کی پاکٹ میں  
اس پن ڈرائیو کو ہاتھ لگاتے گہرا مسکرایا تھا۔

---

حیدر خان بسمل خان اور عباس خان کے ساتھ مردانے  
میں بیٹھا ہوا تھا۔ جہاں ان کے کچھ اور دوست بھی تھے۔  
حیدر خان کو بے پردگی نہیں پسند تھی۔ اس لیے وہ باہر  
لان میں نہیں گیا تھا۔ عباس اور بسمل خان حیدر خان  
کے جگری یار تھے۔ جو اپنے دوست اور باقی دوستوں  
کے ساتھ مردانے میں ہی پٹیٹھے تھے۔ مردانے اور زنان

خانے میں ایک گلاس ڈور سے پار میٹشن کی گئی تھی۔  
مردانے کے گلاس سے مدھم سا زنان خانے کا عکس بھی  
بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔ حیدر خان صوفے پر بیٹھا بے  
چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اس کی اپنی حویلی میں مردانے  
اور زنانے میں کافی ڈسٹنس تھا۔ تھیں۔ مگر یہاں

ڈفرنس نہ ہونے کے برابر تھا۔ زنان خانے کی آوازیں  
تک مراد نے میں آرہی تھیں۔

عباس خان کا چھوٹا بھائی بسمل خان جو عباس کی طرح ہی  
حیدر خان کا جگہری دوست تھا۔ وہ کتنی ہی بار زنان  
خانے کا چکر لگا آیا تھا۔ حیدر خان یہ سب دیکھتے اپنی

لھنی موچھوں پر ہاتھ پھیرتے اظطرابی انداز میں پہلو  
بدل رہا تھا۔

اس طرح کا ماحول ان کی حویلی کا نہ تھا۔ عورتوں کے  
ہوتے ہوئے حویلی کا مرد بھی زنان خانے نہیں جاسکتا  
تھا۔ اسے بار بار بسمل خان کا زنان خانے کا چر لگانا پسند  
نہیں آرہا تھا۔



اس کی دونوں بیویاں زنان خانے میں موجود تھیں۔  
اوزگل شادی سے پہلے پردہ نہیں کرتی تھی مگر اس سے  
نکاح کے بعد مکمل پردہ کرتی تھی۔ مگر وہ اس وقت  
فرشتے کے لیے حساس ہو رہا تھا۔ جو عورت مرد کے  
پاس نہ ہو شاید ہر مرد ایسے ہی اپنی عورت کے لیے

جذباتی اوحساس ہو جاتا ہے جیسے وہ ہو رہا تھا۔ یا پھر وہ عورت جس سے عشق کرتا ہے۔۔ وہ اوز گل پر بھی کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر فرشتے پر پڑنے والی نظریں جیسے اس کا وجود کاٹ دیتی تھیں۔ وہ مرنے لگتا تھا۔ یہ سوچ ہی تکلیف دہ تھی اس کی خانم پر کسی کی نظر پڑے۔ اپنے سامنے کسی کی نظر پر تو وہ تڑپ کر مر سکتا

تھا۔ جیسے در خزئی کے ساتھ کھڑا دیکھ کر وہ آج بھی  
شعلوں کی مانند دہکنے لگتا تھا۔

۔ اور اب تو فرشتے اس کے پاس نہیں تھی تو حیدر خان  
جیسے اس کے لیے پہلے سے زیادہ پاگل ہو گیا تھا۔ حیدر  
خان کو اس کا معصوم چہرہ یاد آیا تھا۔ اس کے لبوں پر لگی وہ  
سرخ یا قوتی لب سٹک نظروں کے سامنے آئی تھی۔ اس

کا وہ سیاہ گھنگور تل۔۔ حیدر خان ایک بار پھر سے بے چین  
ہوا تھا۔ بسمل خان کو ایک بار پھر سے زنان خانے کی  
طرف جاتے دیکھ کر حیدر خان نے اپنی مونچھوں پر بے  
چینی سے ہاتھ پھیرا۔

---

فرشتے گرین کلر کی بہت خوبصورت فراک میں ملبوس  
تھی۔ جس پر گرین کلر کا دوپٹہ سر پر اٹیچ کیا ہوا تھا۔ ماتھا  
پٹی پہنے ہوئے تھی۔ گلے میں گرین زر قون سے سجا  
نیکلس پہنا ہوا تھا۔ کانوں میں زر قون کے جھمکے پہنے  
ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر ریڈ لپ سنک لگائے ہوئے  
تھی۔ عابیر نے اس کی آنکھوں پر گولڈن گلٹری شیڈ

بہت خوبصورتی سے لگائے تھے۔ ذرا سے میک اپ میں  
وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ کہیں سے بھی وہ دو  
بچوں کی ماں نہیں لگ رہی تھی۔

اس کی خوبصورتی اس کی کشش اس کی معصومیت تھی۔  
جو اس کے سامنے بے پناہ خوبصورتی کو بھی مات دے  
دیتی تھی۔ زنان خانے میں اتنی ساری لڑکیوں کے

ہوتے ہوئے بھی صرف اس پر ہی نظر ٹک رہی تھی بلکہ  
اس پر نظر ٹھہرانا مشکل ہو رہا تھا۔

دراب زراب کیری کاٹ میں کھیل رہے تھے۔ انھیں  
درخشاں ہی دیکھ رہی تھی۔ فرشتے نے کام والا ڈریس پہنا  
تھا وہ دراب زراب کو اٹھا نہیں رہی تھی کہ انھیں اس  
کے ہیوی کام والے ڈریس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔۔



بسل خان نے زنان خانے میں داخل ہوتے فرشتے پر  
گہری نگاہ ڈالی تھی۔۔ جو پہلے بھی اسے دیکھتے اپنا چہرہ  
ڈھک چکی تھی۔ مگر اس بار بسل خان نے اپنی پوزیشن  
بدلتے فرشتے کو اپنی نظروں کے حصار میں لیا تھا۔ وہ  
فرشتے کو دیکھ سکتا تھا مگر فرشتے کی اس پر نظر نہیں پڑ رہی  
تھی۔ اسے ان تمام لڑکیوں میں فرشتے خود کے لیے بہت



پسند آئی تھی۔۔ زیرِ میان خانم اس کی مورے اور عباس  
خان اس پر بہت دباؤ ڈال رہے تھے وہ بھی نکاح کر کے  
اسٹریلیا جائے۔۔ بسمل خان کو اپنے خاندان کی تیز طرار  
لڑکیاں نہیں پسند تھیں۔۔ اسٹریلیا میں رہنے کے باوجود  
وہ خود کے لیے ایک ایسی لڑکی چاہتا تھا جس کی خوبصورتی  
اس کی شرم و حیا ہو۔۔ اس نے اتنی شرم و حیا والی اور

پاکیزہ لڑکی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ مگر آج لگتا تھا

اس کی تلاش ختم ہو چکی ہے۔

وہ اپنی ہلکی گھسنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرتا فرشتے کو

گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زریمان نے اس کے

کندھے پر زور سے مکہ مارتے اس کی توجہ اپنی طرف کی۔

افف مام آپ کی یہ ادھیں میں تو گھائل ہو گیا آپ پر۔۔  
بسمل خان نے اپنی مورے زیریمان خان کو مسکراتی  
نگاہوں سے دیکھا جو لائٹ گرین کلر کے سوٹ میں بے  
حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

شرم کرو تم۔۔ ایسے بات کرتے ہو جیسے میں تمھاری  
مام نہیں گرل فرینڈ ہوں۔ زیریمان مسکرائی تھی۔

اور اپنی نظروں کو کنٹرول کرو۔ اچھا نہیں لگتا وہ لڑکی  
پردہ کرتی ہے۔ زریمان نے بسمل خان کے کان کھینچے۔  
مام اسی لیے تو پسند آئی ہے۔

I like her so much her  
innocence is her beauty

بسمل خان اپنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرتے بولا۔

بسمل یہ امینہ کی بیٹی ہے۔ مگر اس کو طلاق ہو چکی ہے۔ یہ  
ماں نہیں بن سکتی شاید اس لیے اسے طلاق ہوئی تھی۔  
مجھے یہ اسٹریلیا میں ہی پتہ چلا تھا۔ زریمان نے بسمل  
خان کو سنجیدگی سے بتایا۔

او کم آن مام۔۔۔ آپ اس طرح کی باتیں کیسے کر سکتی  
ہیں؟؟۔ طلاق یافتہ لڑکی ہے وہ۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا

ہے؟؟ طلاق یافتہ لڑکی اور کنواری لڑکی میں آخر کیا فرق  
ہے؟؟۔ میں اس فرق کو نہیں مانتا۔ بسمل خان نے چڑتے  
ہوے کہا۔ معاشرے کے اس رواجی سوچ کو میرا ذہن  
ایکسیپٹ نہیں کرتا۔ وہ لڑکی طلاق یافتہ ہے یہ ایسے بتایا  
جاتا ہے جیسے اوہ س کا عیب ہو۔ جیسے وہ اس کا گناہ ہو۔

Whats difference between a!!  
divorced woman and virgin  
!!girl let me explain

بسمل خان بھڑکتے ہوئے بولا۔

بہکل میرے نزدیک بھی یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ طلاق  
یافتہ ہے مگر وہ بانجھ ہے یہ معنی رکھتا ہے۔ طلاق یافتہ  
عورت کو اپنایا جاسکتا ہے مگر جو عورت نسل نہ بڑھا سکے  
وہ کچھ عرصے بعد اسی مرد کے لیے اس بنجر درخت کی  
طرح ہو جاتی ہے جس کے سائے تلے بھی وہ مرد کچھ دیر  
تک بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ میں کسی کی بیٹی پر ظلم نہیں کر



سکتی۔۔ دیکھو اسے وہ کتنی خوش ہے۔ ہنس رہی مسکرا رہی  
ہے۔ وہ اپنی زندگی میں اپنے ماں باپ بھائی کے پاس  
خوش ہے۔ تم کیوں اس کی یہ مسکراہٹ چھینا چاہتے ہو۔  
زریمان کی نظروں کے تعاقب میں بسمل خان نے دیکھا  
تھا۔ فرشتے دراب کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اس کے  
ساتھ کھیلتے ہوئے ہنس رہی تھی۔۔

بسل خان اسے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔

مام مجھے فرق نہیں پڑتا کہ وہ بانجھ ہے آپ مجھے اچھی ح  
جانتی ہیں۔ میں عام مرد کی طرح نہیں ہوں۔ نہ میں اپنے  
فیصلے پر چھٹتا ہوں۔ اور اس میں کمال میرا نہیں آپ کا  
ہے۔ جس طرح آپ نے میری تربیت کی آپ کو لگتا ہے  
میں کسی کی بیٹی وہ بھی اپنی بیوی کو تکلیف دوں گا۔ آپ

ابھی اور اسی ٹائم وہ اپنی سہیلی امینہ خانم سے بات کریں۔  
میں بھی نکاح کر کے اپنی دلہن اسٹریلیا لے جانے کا ارادہ  
رکھتا ہوں۔ بسمل خان اٹل لہجے میں کہتے وہاں سے چلا گیا  
تھا۔

---

رقیہ خانم کے ساتھ بیٹھی اوز گل جو ریڈ کلر کے لباس میں  
تھی۔ اتنا مہنگا لباس اتنا اچھا میک اپ کرنے کے باوجود وہ  
فرشتے کے سامنے پھینکی پڑ رہی تھی۔ وہ کب سے حسد  
بھری نگاہوں سے فرشتے کو دیکھ رہی تھی۔ جو بہت  
خوش نظر آرہی تھی۔ بالکل ایک مکمل عورت لگ رہی  
تھی۔ اوز گل فرشتے کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھتے طنزیہ

مسکرائی تھی۔ بھلا عورت مرد کے بغیر بھی ملل ہو سکتی ہے؟؟۔۔۔ بے شک وہ بیٹوں کی ماں تھی مگر حیدر خان تو اس کے پاس نہیں تھا۔ حیدر خان جیسا شاندار شخص تو اس کا مقدر ٹھہرا تھا۔ حیدر خان اس کا تھا اور اس کے پاس تھا۔۔۔ اوز گل اب فرشتے پر نگاہیں گاڑھے استہزائیہ مسکرائی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اوز گل کی آنکھوں میں

آنسو سے جھلملائے تھے۔ کیا سچ میں حیدر خان اس کا  
تھا؟؟ کیا سچ میں حیدر خان اس کے پاس تھا؟؟۔ دل میں  
تپتے سوالوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔ ان سوالوں کے جواب  
پر اس کا دل شدید زخمی ہوا تھا۔ پہلی رات سے لے کر آج  
تک اس نے کہاں حیدر خان کو پایا تھا؟؟۔ وہ تو اولاد پیدا  
کرنے کے لیے اس کے پاس آتا تھا۔ اس کے ہاتھ کا پتہ

چلنے کے بعد وہ اس کے بعد صرف اپنی ضرورت پوری کرتا تھا۔ اور اب تو اسے لگتا تھا جیسے حیدر خان اس پر ترس کھا کر اس کے حقوق پورے کرتا ہے۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے حیدر خان کی وہ اب ضرورت بھی نہ رہی تھی۔ ساری ساری رات حیدر خان کو کمرے میں ٹہلتے دیکھا تھا۔ کرسی پر جھولتے اسے کمرے میں موجود انگلیٹھی میں



موجود دہکتے کو نلوں کو سرح آنکھوں سے دیکھتے دیکھا  
تھا۔ کتنی بار حیدر خان کو ان دہکتے کو نلوں کو اپنی مٹھی  
میں دہاتے دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ دہکتے کو نلے نہ  
صرف انگلیٹھی میں جلتے تھے بلکہ حیدر خان کے دل میں  
بھی دہکتے رہتے تھے۔ اب اوز گل کی رائے بدل چکی  
تھی۔ دیکھنے کا انداز بھی بدل چکا تھا۔ اب حسد کے ساتھ



وہ رشک میں بھی مبتلا ہوئی تھی۔ اسے فرشتے مکمل لگی  
تھی مکمل بہت مکمل جس کے پاس سب کچھ تھا۔۔۔ دو  
بیٹے اور اس مرد کی دیوانوں والی محبت جو اس کے بیٹوں کا  
باپ تھا۔

خالی ہاتھ تو وہ رہ گئی تھی۔۔۔ اوز گل اب خود پر استھزائیہ  
ہنسی تھی۔۔۔ اس نے حیدر فرشتے سے چھینا چاہا تھا مگر وہ تو

چھین کے بھی چھین نہ سکی تھی اور وہ بنا چھینے بنا لڑے  
حیدر خان کو اس سے چھین چکی تھی۔ اوز گل کی آنکھوں  
سے لڑھکتے آنسو اس کے عارض کا حصہ بن رہے تھے۔  
اب تو اسے اپنے ماموں کا وہ عام شکل کم حیثیت بیٹا بہت  
یاد آتا تھا جسے وہ دیکھتے نفرت سے منہ پھیر لیتی تھی

اپنے ماموں کا وہ غریب بیٹا جس کی کوئی اوقات نہیں تھی  
نہ شکل نہ زمین جائیداد آج اسے وہ حیدر خان سے زیادہ  
خاص لگتا تھا۔ جس نے اس سے کبھی عشق کا دعوا کیا تھا۔  
جس کا پرپوزل جس کی محبت وہ حیدر خان کی خاطر اس  
کے منہ پر مار چکی تھی۔ اسے اب پتہ چلا تھا عورت کو مرد

کی صورت اس کے پیسے سے عشق نہیں کرنا چاہیے اس  
کے دل سے کرنا چاہیے جو صرف اس کے لیے ہو۔  
کیا دے رہا تھا یہ روپیہ دولت بڑی سی حویلی اور حیدر  
خان کی بے پناہ مردانہ وجاہت جب حیدر خان کے دل  
میں اس کے لیے جگہ نہ تھی۔ اوز گل کی آنکھوں سے

انسوؤں کی برسات جاری تھی۔ فرشتے کا معصوم چہرہ  
دھندلا ہو رہا تھا۔

اپنے ماموں کا وہ کم صورت بیٹا نظروں کے سامنے آرہا  
تھا۔ جس کے گھر کی اب داسی بن کر رہنے کو تیار تھی۔  
بس اسے اب اپنے مرد کے دل میں رہنا تھا۔ اوز گل کی  
بچگی بندھی تھی

اب تو وہ اس کے پاس پلٹ کر واپس بھی نہ جاسکتی تھی۔  
کل وہ بہت خاص تھی مگر آج وہ بہت عام تھی۔ جیسے  
آج سے سات ماہ پہلے فرشتے بہت عام تھی۔ یکدم  
اوز گل کا دل گھبرایا تھا۔ اسے لگا تھا جیسے وقت پلٹ کر  
اس کی طرف آیا ہے۔ وہ آج فرشتے تھی۔۔۔ اوز گل

لب دانتوں تلے دبائے بے آواز سک کر رہ گئی تھی۔  
وہ تو فرشتے سے بھی زیادہ بد قسمت ٹھہری تھی۔  
شاہ نواز نے اس کی جان چھوڑ دی تھی۔ مگر جانتی تھی  
حیدر خان اپنی عزت کو کبھی نہیں چھوڑے گا وہ اسے  
گولی مار دے گا۔ مگر اسے نہیں چھوڑے گا اور کسی  
دوسرے کے لیے تو کبھی نہیں۔۔۔ اگر کبھی معجزہ ہو

بھی گیا۔ حیدر خان نے اسے چھوڑ دیا تو کیا وہ فرشتے کی  
طرح مان بن سکے گی۔۔ اوز گل اب بے آواز آنسوؤں  
سے رو پڑی۔ وہ جانتی تھی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ خدا ان  
لوگوں کو نوازتا ہے جو فرشتے کی طرح معصوم ہوتے  
ہیں۔



جن کے دل میں کینہ نہیں ہوتا جو کسی سے کچھ پھینتے  
نہیں ہیں۔ بلکہ اپنا سب کچھ بھی ان کو دے جاتے ہیں  
جنہوں نے اس سے سب کچھ چھینا ہوتا ہے۔۔۔ اوز گل  
نے اپنے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔۔۔ فرشتے کو دیکھتے  
اس کی آنکھوں کی جلن بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔ اس کا بس  
چلتا آج پھر وہ فرشتے سے اپنا مقدر بدل لیتی۔۔۔ اوز گل

نے فرشتے کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے اپنی نگاہیں  
پھیریں۔۔ وہ مزید اسے خوش نہیں دیکھ سکتی تھی۔۔

رقیہ خانم صوفے پر بیٹھی فرشتے کو کب سے اپنی سرد  
نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھیں۔ وہ بھسم زدہ

نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ جس کے پاس ان کے  
پوتے تھے۔

اور وہ اتنی بے بس تھی اپنے پوتوں کو پیار بھی نہیں کر سکتی  
تھیں۔ دراب کو تو انہوں نے پیار کیا تھا مگر ذرا ب کو تو  
دیکھا بھی نہیں تھا۔ ان کا بیٹا ہار نہ مانتا تو وہ فرشتے کو اس  
کی اوقات یاد دلادیتیں۔

رقیہ خانم نے اپنے دوپٹے سے اپنی بھیکی آنکھیں بے  
دردی سے رگڑیں وہ اپنے پوتوں کے لیے تڑپ رہی  
تھیں۔ دن رات ایسے ہی روتی رہتی تھیں۔۔۔ آج تو  
انہیں امینہ خانم نے بھی بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ رقیہ  
خانم نے کوشش کی تھی امینہ خانم سے بات کرنے کی مگر  
امینہ خانم نے بہت برے طریقے سے نظر انداز کر دیا تھا

تب سے وہ زیادہ تڑپ رہی تھیں۔ امینہ خانم تو ایسی خاتون  
تھی جو جو مصلحت پسند تھی۔ اور فرشتے کی وجہ سے وہ تو  
ان کے آگے بہت جھکتی تھیں۔ مگر آج فرشتے سے بھی  
زیادہ امینہ خانم کا رویہ بہت سنجیدہ اور ہتک امیز تھا۔۔۔  
رقیہ خانم اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھیں رگڑتے فرشتے کو  
دیکھے جارہی تھیں۔ جو ان کے پوتوں کی مالکن بنی بیٹھی

تھی۔ ان کے بیٹے حیدر خان کی اولاد ان کے وارث ان کے پوتے تھے۔ وہ ایک معصوم سی فرشتے کے اگے کیسے ہار سکتی تھیں۔ کیسے وہ اپنے پوتوں کے بغیر ساری عمر گزار سکتی تھیں۔ کیسے وہ حیدر خان کو ساری عمر بے اولاد دیکھ سکتی تھیں۔ انھیں اپنے پوتے ہر حال میں چاہیے تھے۔ رقیہ خانم دماغ جیسے آتش گیر مادے کی طرح پھٹ رہا

تھا۔ انھیں لگ رہا تھا ان کی آج سائیس رک جائیں  
گی۔ رقیہ خانم نے اپنی بی بی کی گولی پر س سے نکالتے  
اوز گل کو پانی لانے کو کہا۔ ان کا بی بی ہائی ہو چکا تھا۔

---

zubinovelsonline

زیرِ پیمان گہرا سانس لیتے امینہ خانم کی طرف بڑھیں۔  
بسمل کی ضد پر انھیں آج ہی امینہ خانم سے بات کرنی  
تھی۔ ورنہ بسمل کے غصے سے وہ بخوبی واقف تھی انہوں  
نے دو دن بعد اسٹریلیا کے لیے نکلنا تھا۔۔۔ انھیں بھی



فرشتے بہت پسند تھیں۔ ان کی تو جیسے دلی مراد پوری ہو  
گئی تھی۔

انھیں پورا امید تھی امینہ خانم ضرور مان جائیں گی۔ ان کی  
فیملی کو اچھی طرح جانتی تھی۔

امینہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے تمھاری بیٹی  
فرشتے کے متعلق۔۔۔ زریمان نے امینہ خانم کے پاس

بیٹھتے کہا۔ امینہ خانم کے ساتھ رقیہ خانم جو تھوڑا دور  
صوفے پر بیٹھیں تھیں۔ پوری طرح ان دونوں کی  
طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

ہمارے بیٹے بسمل خان کو تمھاری بیٹی بہت پسند آئی ہے۔  
وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے اپنے ساتھ اسٹریلیا لے جانا  
چاہتا ہے۔ اگر تم ہاں کرتی ہو ہم کل ہی نکاح کرنے آ



پتہ ہے مجھے فرشتے بانجھ ہے۔۔ اس لیے شاہ نواز نے  
اسے طلاق دی۔۔۔ بسمل کو اور مجھے اس سے کوئی فرق  
نہیں پڑتا۔ ہمارے لیے یہ بات معنی نہیں رکھتی۔ ہم  
تمھاری بیٹی کی سکیورٹی کے لیے بسمل خان کے نام کی  
ساری جائیداد فرشتے کے نام کر دیں گے۔ تاکہ تم لوگ  
اس کے مستقبل سے بے فکر رہو کہ بسمل خان کبھی اس

کے ساتھ زیادتی کرے گا۔ زریمان کی باتوں پر امینہ خانم  
کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ جواب  
دیتیں۔

ادھر دو ہمارا پوتا۔۔۔۔۔۔ رقیہ خانم کی بلند آواز پر وہ  
صوفے سے ہڑبڑا کر اٹھیں تھیں۔ نہ صرف امینہ خانم

زیرِ پیمان بلکہ تمام ممان صوفوں سے مہمان بھی اٹھتے  
کھڑے ہوئے تھے۔

رقیہ خانم دراب کو فرشتے کے ہاتھوں سے چھینے کھڑی  
اسے شعلہ بارنگا ہوں سے گھور رہی تھیں۔

میرا بیٹا دیں آپ کی ہمت کیسے ہوئی اسے چھونے  
کی؟؟۔۔ فرشتے دراب کو پکڑنے کے لیے آگے ہوئیں تو  
رقیہ خانم کئی قدم پیچھے کو ہوئی تھیں۔

ارے تم کیسے اس کا ماں ہوایا تم جیسا لڑکی کیسے ان کا ماں ہو  
سکتا ہے؟؟۔۔ دراب زراب میرے حیدر کے بیٹے ہیں

اس کا خون ہیں۔ تم تو راتوں رات نکاح کر کے اسٹریلیا جا  
رہا ہے۔۔ رقیہ خانم روتے ہوئے دراب کو سینے سے  
لگائے پھنکاری تھیں۔

فرشتے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے بے یقینی سے رقیہ خانم کو  
دیکھا جو اسے کیا کہہ رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا



تھا۔ امینہ خانم معاملے کی نزاکت سمجھتے رقیہ خانم کی  
طرف بڑھیں۔

زریمان حق دق پریشان سی سچویشن سمجھنے کی کوشش کر  
رہی تھیں۔ مہمان بھی حیران پریشان تھے۔  
رقیہ کیا کر کہہ رہا ہے تم؟ یہ تمہارا بیٹا کی عزت ہے کچھ تو  
خیال کرو تمہارا بیٹا مردان خانے میں بیٹھا ہے۔ وہ سنے گا

تو کیا کہے گا اس کا کیا عزت رہ جائے گا۔ تم خوا مخواہ بات  
کو طول دے رہا ہے تمہیں اچھی طرح پتہ ہے بات کیا  
ہے۔ اس میں فرشتے کا کوئی غلطی نہیں زیرِ ایمان کو غلط  
فہمی ہوئی ہے۔ امینہ خانم نے رقیہ خانم کے پاس جا کر  
آہستگی سے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی بات حیدر خان تک

جائے وہ غصے کا تیز تھا۔ پھر بات عزت پر آ جاتی تو قصور  
دار فرشتے کو ہی سمجھا جاتا۔

بات وہی ہے جو ہم سمجھا ہے فرشتے ہمارے بیٹے حیدر  
خان کے بیٹوں کی ماں ہے۔ اس کے بیٹوں کو ایک گناہ کی  
طرح کیوں چھپایا جا رہا ہے؟؟۔۔ ہمارے بیٹے کو اس کے  
بیٹوں سے کیوں دور رکھا جا رہا ہے؟؟۔۔ دوسری شادی

کرنا گناہ ہے کیا جو ہمارا بیٹا کو مکھارایہ معصوم بیٹی سزا دے  
رہا ہے۔ اس کا تو صاف مطلب ہے تم لوگ فرشتے کا  
تیسرا شادی کرنا چاہتا ہے۔ رقیہ خانم زہریلے انداز میں  
بولیں۔ زریمان نے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ انھیں اب سب  
کچھ سمجھ آیا تھا۔ وہ پریشان ہوئی تھیں۔ یہ ان سے کیا ہو گیا  
تھا۔

رقیہ خدا کا خوف کرو۔۔۔۔۔ کس طرح کا الزام لگا رہا ہے  
ہمارا معصوم فرشتے پر۔۔۔۔۔ وہ کتنا معصوم اور پاکیزہ ہے  
۔۔۔ اگر ایسا بات ہوتا ہم اب تک تمہارا بیٹے سے طلاق نہ  
لے لیتا۔۔۔ ہمارا فرشتہ نے طلاق کی دو رو بات ہمارا بیٹا  
ارحام نے بھی کبھی طلاق کا لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ امینہ

خانم نے فرشتے کو دیکھتے کہا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے رقیہ  
خانم کو دیکھ رہی تھی۔

بس کرو۔۔۔ امینہ اتنا شریف بننا۔۔۔ اس ارحام  
خان نے اپنا بیوی کو بھرے جرگہ میں طلاق دے دیا تھا۔  
ایک اٹھارہ سال کی خوبصورت لڑکی کا واسطہ۔۔۔۔۔  
جس کا ساتھ وہ شادی سے پہلے ہی منہ کالا کر چکا تھا۔ یہ ہم

تھا مکھار اطلاق یافتہ جس کو سارا دنیا بانجھ کہتا تھا اس کو  
اپنایا۔ اس کو عزت دیا۔ یہ کیا کر رہا ہے ہمارا بیٹا کے  
ساتھ؟؟۔ ٹھیک ہے تم لوگ اس کا شادی کرنا چاہتا ہے  
ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہمارا پوتا ہمیں دے دو۔  
پھر جو مرضی کرے۔ رقیہ خانم بلند آواز میں پھنکاری

تھی۔ وہ اپنے پوتوں کی محبت تڑپ میں جیسے پاگل ہو  
رہی تھیں۔

زنان خانے سے آتی آوازوں پر عباس اور بسمل خان اور  
ان کے کچھ مرد رشتہ دار اٹھتے زنان خانے کی طرف  
بڑھے تھے۔ رقیہ خانم کی آواز پہچانتے حیدر خان بھی  
جلدی سے زنان خانے کی طرف بڑھا۔



اندر کا منظر دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔ مضبوط بھاری قدم  
مردانے کے دروازے پر ٹھہرے تھے۔

رقیہ خانم دراب کو سینے سے لگائے کھڑی تھیں۔ فرشتے  
مٹھیاں بھینچے ڈبڈبائی آنکھوں سے گہرے سانس لیتے  
رقیہ خانم کو دیکھ رہی تھیں۔

سارے مہمان ان کے ارد گرد کھڑے تھے۔ عباس  
خان بسمل خان اور کچھ اور مرد بھی ان مہمان عورتوں  
کے بیچ کھڑے تھے۔

حیدر خان کی سرد سرخ بے یقین نگاہیں فرشتے پر تھیں۔  
جونیت کے دوپٹے میں شعلہ جوالہ اپنی تمام خوبصورتی  
لیے کھڑی تھی۔ وہ جیسے بھول ہی چکی تھی کہ وہ کس

حلیے میں کھڑی ہے اور یہاں مرد بھی تھے۔ وہ تو گہرے  
سانس لیتے مٹھیاں بھینچے رقیہ خانم کو دیکھ رہی تھی۔  
یکدم بسمل خان اپنے بھاری قدموں کی دھمک سے فرشتے  
کی طرف بڑھا۔۔۔ اسے سمجھ نہیں آیا تھا کیا ہوا ہے۔ مگر  
وہ غصے کا بے حد تیز تھا۔ غلط بات برداشت نہیں کرتا تھا۔

سامنے کھڑی خاتون کو وہ چیختے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اس  
لیے وہ غصے سے رقیہ خانم اور فرشتے کی طرف بڑھا تھا۔  
اس سے پہلے وہ فرشتے کی طرف بڑھتا زیرِ بیان اس کی  
کلائی پکڑ چکی تھی۔ آنکھوں کے اشارے سے اسے  
رخاموش رہنے اور اگے بڑھنے سے منع کیا تھا۔  
حیدر خان تو پریشان ہوتا یہ سب دیکھ رہا تھا۔

بسل خان فرشتے سے دو قدموں کی دوری پر کھڑا تھا۔  
حیدر خان کو اب اپنا وجود چکراتا محسوس ہوا۔ اس کی  
فرشتے کسی غیر مرد کے پاس کھڑی تھی۔  
وہ چکراتے وجود کے ساتھ فرشتے کو سرخ آنکھوں سے  
دیکھ رہا تھا۔ جو زنان خانے میں موجود مردوں کو دیکھ چکی

تھی۔ بسکل خان کے قریب آنے پر اسے کئی قدم دور  
ہوتے بھی دیکھا تھا۔

مگر اس نے خود کو بڑی سی چادر میں ڈھانپا نہیں تھا۔  
حیدر خان بے یقینی سے فرشتے کو دیکھ رہا تھا۔ بلکہ وہ  
جیسے مر رہا تھا۔ اس کی ماں اس کی بیوی اس کے بیٹے۔ یہ

سب تو اس کی زندگی تھے۔ مگر جیسے سب ایک  
دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

یکدم فرشتے کی نگاہیں حیدر خان کی طرف اٹھیں تھیں۔  
اب وہ گہرے سانس لیتے کانچ سی آنکھوں سے اسے دیکھ  
رہی تھی۔۔۔ اس کی کانچ سی کاجل لگی آنکھوں میں آج





تھی۔۔ حیدر خان کے بھاری قدم ٹھہرے تھے۔ حیدر  
خان نے بے یقینی سے اپنی خانم کو دیکھا جو اسے خود کے  
پاس آنے سے منع کر چکی تھی۔ مگر اب وہ اس کی طرف  
ہی بڑھ رہی تھی۔

---

شہرام سوات میں موجود اپنے بڑے سے بنگلے کے اپنے  
کمرے میں شرٹ لیس بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے  
بیڈ پر بیٹھا اپنی انگلیوں میں جلتا سگریٹ دبائے بیٹھا تھا۔  
آنکھیں رت جگے کی وجہ سے سرخ تھیں۔ وہ دن سے  
یہاں اپنے گھر میں بند تھا۔ ہاسپٹل نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ  
اس دن سے ہاسپٹل نہیں گیا تھا۔ جس دن بہارے اور

بہرام کو ڈسچارج کروا کر لایا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ  
ہاسپٹل جائے اور بہارے پھر کسی بات کو لے کر اسے اور  
خود کو سزا دے۔۔ وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس پر بیوفائی کی مہر  
ہی لگا دے۔۔

بیوفائی کی مہر کیا لگائے گی وہ تو پکا پکا اسے بیوفا سمجھتی  
تھی۔۔ وہ اپنی سوچ پر زخمی سا مسکرایا۔

اس کی وفا اس کی محبت اس کا عشق وہ سب کچھ بھول چکی  
تھی۔ اس کی غلطی کو وہ بیوفائی کا نام دے چکی۔ تھی۔  
شہرام تلخی سے مسکراتے سگریٹ لبوں میں دبا گیا۔  
شہرام نے اب سگریٹ کو لبوں سے نکالتے جلتے سگریٹ  
کو انگلیوں کے پوروں میں مسلہ تھا۔ بچپن کا عشق اسے  
یوں سزا دے گا اس نے سوچا نہ تھا۔

وہ کل بھی جلتا تھا وہ آج بھی جل رہا تھا۔ وہ کل بھی تڑپتا تھا  
وہ آج بھی تڑپ رہا تھا۔ کل اسے پانے کے لیے تڑپتا تھا۔  
آج اسے پا کر کھودینے کے درد سے تڑپ رہا تھا۔  
اسے کیسے بتانا؟؟ کیسے سمجھانا اپنی اس غلطی جو اس کے  
نزدیک بیوفائی تھی۔ اسے سوچتے ہوئے بھی ہزار بار جلا  
تھا ہزار بار تڑپا تھا۔ آج بھی وہ تڑپ کر مر رہا تھا۔ اسے خود

کو سزا دیتا دیکھ کر وہ کتنا ترپتا تھا وہ کیسے سمجھاتا اپنی ضدی  
بہارے کو آخر۔۔ جو ہمیشہ سے اس کے لیے ضدی رہی  
تھی۔ وہ کیسے اسے بتاتا؟

اسے اگر بیوفائی کرنی ہوتی وہ کب سے بیوفائی کر چکا ہوتا۔  
جب وہ اس سے دور بھاگتی تھی اس کے نکاح میں ہوتے

دن رات نفرت کا اظہار کرتی تھی۔ لفظوں کے تیروں  
سے اس کا دل چھلنی کرتی تھی۔

اس وقت اس کی بے رخی پر اسے سزا نہیں دی تھی۔  
جب ہاسپٹل میں اس سے اپنا رشتہ چھپائے رکھتی تھی۔  
وہ تو کبھی بہارے کو سزا دینے کے بھی آیزل کے قریب  
نہیں گیا۔ اسے یقین ہی نہیں تھا اس کی سنگدل بہارے



اسے لے کر پوزیسو ہو سکتی ہے۔ وہ ایک مہینہ حویلی نہیں  
آیا تھا۔ بہارے نے ایک فون کال نہیں کیا تھا۔ وہ ہر  
رات اس کے فون کال کا انتظار کرتا رہا تھا۔ ایک فون کال  
کرے وہ اس کے پاس دوڑا چلا جائے۔ مگر عورت ہو کر  
وہ بے رخی برت رہی تھی۔ اس کے اندر کی مردانہ آنا کو  
وہ اپنے رویے سے مضبوط کرتی جا رہی تھی۔ وہ ہر روز



رات کو خود سے وعدہ کرتا ہوں بہارے کو بھی معاف نہیں  
کرے گا۔ جب وہ ہاسپٹل میں اسے دیکھتے نظریں پھیر کر  
نکل جاتی۔۔ وہ آفس میں بیٹھا انتظار کرتا رہتا کہ وہ آج آ  
کر کہے گی شہرام حویلی آ جاؤ۔۔ ایک بار آ کر کہتی شہرام تم  
آج رات حویلی میں موجود ہو تو وہ سر کے بل چلتا ہوا  
جاتا۔۔

وہ سوچتا رہتا۔ کیا وہ کم صورت ہے کیا اس میں کوئی کوالٹی  
نہیں۔ جو اس کی بیوی کو اس کی پرواہ نہیں۔۔۔  
وہ اپنے رویے سے اسے خود سے دور کرتی جا رہی تھی۔۔  
مگر پھر بھی اس کی جگہ کسی کو دینے کی سوچ ہی نہ تھی۔۔  
کبھی کسی عورت کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا نہ کبھی ایزل  
کو کسی غلط نظر سے دیکھا تھا اس کے محبت کے اظہار

کرنے کے باوجود ابھی ایک پل کے لیے اس کے متعلق  
نہیں سوچا تھا۔ آئزل کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔ جانتا تھا  
وہ ٹوٹی بکھری ایک لڑکی ہے جو راتوں کو نیند کی میڈیسن  
لے کر سوتی ہے۔ کتنی بار اسے کہا چلی جائے۔ مگر وہ  
واپس نہیں گئی۔۔۔ مگر اس کے ساتھ دوستی تھی۔ وہ  
جرمنی میں پڑھا تھا۔ اپنا کام بھی وہیں سے سٹارٹ کیا تھا۔

بہت سی لڑکیوں کے ساتھ دوستی تھی۔ آیزل بھی اس  
کی کو لیگ اس کی دوست تھی اس کے لیے۔  
بہارے انور کرتی تو اس کے اندر تلخی بڑھتی۔ اس کا  
دل کرتا وہ شرم سے منہ چھپالے۔ اگر کسی کو پتہ چلا  
بہارے اس کی بیوی ہے تو وہ کیا کہے گا۔ وہ کچھ بھی کہہ  
سکتا تھا۔ مگر حقیقت جو تھی وہ اسے خود سے شرمسار کرتی

تھی۔۔ ایک بیوی کیسے اپنے شوہر کو اگنور کر سکتی ہے۔  
اسے تو لگتا تھا نکاح بہت پاک رشتہ ہے جس میں ایک  
دوسرے کے حقوق کا استحصال نہیں کیا جاتا۔ اور عورت  
کبھی اپنے مرد کے حقوق کا استحصال نہیں کرتی۔۔ نکاح  
کی اس کے لیے اہمیت تھی تبھی اسے اپنی بہارے سے

عشق ہوا تھا۔ نکاح کی اہمیت کو سمجھتا تھا تو اس کی بے رخی  
پر اسے چھوڑا نہیں تھا۔

جب وہ یہی نکاح کسی دوسری عورت سے کرنے جا رہا تھا  
تو کیسے اس کے حقوق کی استحصال کرتا۔ اس سے نکاح  
کرنے لگا تھا تو یہ رشتہ پوری سچائی سے نبھانا چاہتا تھا۔ وہ  
اس رشتے کی تذلیل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس تذلیل

کے احساس سے وہ دن رات گزرا تھا مرد جتنا مرضی  
مضبوط ہو مگر عورت کے بار بار ٹھکرانے پر وہ بھی ٹوٹ  
جاتا ہے۔۔ جب وہ نفرت سے اسے ٹھکراتی تھی اس کی  
تذلیل کرتی تھی وہ ٹوٹتا تھا جرتا تھا مرد تھا اپنے وجود سے  
نفرت ہوتی تھی۔۔ سیلف رسپیٹ مجروح ہوتی تھی۔۔  
اتنا بڑا آدمی ہونے کے باوجود وہ خود کو بہت چھوٹا سمجھتا



تھا۔ کیونکہ جس عورت سے وہ عشق کرتا تھا وہ اس سے  
بار بار نفرت کرتی تھی۔ بہارے خان کی محبت پانا بہت  
آسان تھا اس کے لیے۔۔۔ وہ اپنی سچائی اسے بتا دیتا کہ وہ  
بہت بڑا آدمی ہے۔ وہ اس سے شاید محبت بھی کر لیتی۔۔  
مگر اسے بہارے خان کی وہ محبت چاہیے تھی جو وہ شہرام  
خان کی روح سے کرے۔۔ اور خدا کو اس پر رحم آیا اس



کی دعائیں قبول ہوئیں۔۔ اس پتھر دل ظالم اس کی  
بہارے کو اس سے محبت ہوئی بھی۔۔

۔ مگر اس کی محبت اس کے بدن سے روح نکال کر لے گئی  
تھی۔۔ اس کی نفرت بھی مارتی تھی اس کی محبت بھی  
مارتی تھی۔۔۔۔

اگر وہ کل کی طرح اس سے نفرت کا اظہار کرتی تو وہ آج  
بھی ہنس کر سہہ لیتا۔ مگر خود کے لیے بیوفا کا نام کیسے  
سنتا؟؟۔ یہ اس کا خدا اور وہ جانتا تھا۔ نہ اس کے دل ناس  
سے بیوفائی کی تھی۔ نہ اس کے جسم نے اس سے بیوفائی  
کی تھی۔۔۔ ایک غلطی وہ بھی اس حد تک لے جانے  
والی وہ خود بھی تھی اسے بیوفائی کا نام دے چکی تھی۔ وہ

بھی خود کے لیے اس کی شدت کو دیکھتے خود کو بیوفا  
سمجھتا۔ سات مہینوں میں اسے اپنی بانہوں میں دیکھتے  
اس کی شدید محبت دیکھتے وہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتا کہ اسے  
ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر اس کے پاس ایسی کوئی جادو  
کی چھڑی نہیں وہ گھماتا سب پہلے جیسے ہو جاتا۔ وہ جانتا

تھا جو کیا جب بہارے کے سامنے آئے گا وہ تڑپ کر مر  
جائے گی۔ وہ یہ سوچ کر راتوں کو سوتا نہیں تھا۔  
مگر اس اپنی ایک غلطی پر وہ بھی تو تڑپا تھا مرا تھا۔ پھر اسے  
ہمیشہ کی طرح اس کی تکلیف کیوں نظر نہیں آتی تھی۔

وہ کبھی اس کے ساتھ کھڑی نہیں ہوئی؟؟۔۔۔ کبھی  
نہیں۔۔۔۔۔ عابیر کے لیے دن رات تڑپتا تھا۔ اسے  
اپنی بانہوں میں بھرتے کبھی اس کے ساتھ یہ تکلیف  
نہیں بانٹی کہ کہیں اسفندیار کے کیے ہوئے پر اس کی  
بیوی کی نظریں اس کے سامنے نہ جھک جائیں۔۔۔ ان

سات ماہ میں ایک بار اسے اسفندیار کا گناہ نہیں جتایا تھا۔  
آج اسے اس کے ساتھ کھڑے ہونا چاہیے تھا۔ وہ تھی  
اس کا کمرہ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اگر ساتھ نہیں دے سکتی  
تھی اسے تنہا نہ کرتی۔ شہرام خان کے لبوں پر کرب زدہ  
مسکراہٹ بکھرتی جا رہی تھی۔۔۔

تو نے مجھ سے وفا نہیں کی  
تجھ کو کیسے وفا نہیں ملے گی  
تو نے مجھ کو درد دیا ہے  
تجھ کو کیسے دوا ملے گی

شہرام نے آنکھیں موندیں بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک  
لگائی۔۔ جلتا سگریٹ اس کی انگلیوں کے پوروں کو جلا رہا  
تھا۔ یکدم اسے احساس ہوا یہ تکلیف کوئی معنی نہیں  
رکھتی۔ اس کے جسم کو اس سے زیادہ تکلیف ملنی  
چاہیے۔۔



شہرام خان نے لائٹر جلا کر اس کا شعلہ اپنی دوسری ہتھیلی  
کو دکھایا تھا۔ لائٹر کے جلتے شعلے اس کی چوڑی ہتھیلی کو جلا  
رہے تھے۔۔۔ یہ تکلیف اس کے لیے کوئی معنی نہیں  
رکھتی۔ جو بہارے کے بار بار بیوفا کہنے سے ہوتی

تھی۔۔۔ وہ اپنی سیاہ ہتھیلی کو دیکھتے کرب سے مسکرایا  
تھا۔

کانٹے چن کر تیرا دامن  
پھولوں سے بھر جاؤں گا

اس سے بڑی سزا کیا ہوگی  
معاف تجھے کر جاؤں گا

zubi-novelszone.com



کو دیکھا جو اسے خود کے پاس آنے سے منع کر چکی  
تھی۔ مگر اب وہ اس کی طرف ہی بڑھ رہی تھی  
اس کی ہیل کی ٹک ٹک زنان خانے کے فرش پر گونج  
رہی تھی۔ سب کی حیران نظریں حیدر اور فرشتے پر  
تھیں۔

فرشتے اس کے مقابل آکر رکی تھی۔ حیدر کی  
آنکھیں سرخ لہورنگ تھی۔ فرشتے کی آنکھیں بھیگی  
کانچ سی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں  
میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔ حیدر خان نے  
اس کے وجود کو نیٹ کے دوپٹے میں دیکھتے اپنی چادر

اتارتے اس کے گرد لپیٹنا چاہی وہ سر لفی میں ہلاتے  
کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔

حیدر خان کے وجود میں آندھیوں کے جکڑ چلے  
تھے۔ پورے وجود میں آتش گیر مادہ دھکا تھا۔ حیدر  
خان نے سرخ نگاہیں فرشتے پر گاڑیں۔ وہ نم  
آنکھوں سے استہزائیہ مسکرائی تھی۔

خان یہ چادر آپ میرے وجود پر کیوں دینا چاہتے؟؟  
تاکہ آپ کی عزت کو کوئی نہ دیکھے آپ کی خانم پر  
یہاں کھڑے کسی مرد کی نظر نہ پڑے۔ فرشتے نے  
بھگے لہجے میں سوال کیا؟؟  
حیدر نے الجھن بھری نگاہوں سے فرشتے کو دیکھا  
تھا۔



خانم خود کے وجود کو ڈھانپو جو کہنا ہے مجھ سے تنہائی  
میں کہو۔ میری عزت کا تماشہ مت لگاؤ۔۔۔ مجھے  
ظالم حیدر حاکم خان بننے پر مت مجبور کرو۔۔۔ حیدر  
دبی آواز میں غراتے ہوئے فرشتے کو بازو سے  
جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔ اسے سرد سرخ

سیبھی آنکھوں سے دیکھتے اس کے گرد اپنی مردانہ  
شال اچھی طرح لپیٹی۔

خان آپ اچھی طرح جانتے ہیں اپنی خانم کو!! پردہ  
میرے لیے کیا ہے؟؟۔ اس چادر اور آپ کی عزت  
کی میرے نزدیک کیا اہمیت ہے؟؟ میں بے پردہ  
ہوئی۔ صرف آپ کی وجہ سے۔ جس خانم پر آپ

کسی کی نظر برداشت نہیں کر سکتے۔ یہاں کھڑے  
مردوں نے دیکھا صرف آپ کی وجہ سے۔۔۔  
میرے کردار پر وار ہوا صرف آپ کی وجہ  
سے۔۔۔ فرشتے حیدر خان کی آنکھوں میں دیکھتے  
بھگے لہجے میں کہا۔

اپنا کیا دھرا ہمارا بیٹا پر کیوں تھوپ رہا ہے تم؟؟ اس  
سے پہلے تمہارا جلوہ بسمل خان دیکھ چکا تھا۔ ایسے ہی تو  
نہیں وہ تمہارے لیے پاگل ہوا۔ ایسے ہی تو نہیں  
اس کا مورے نے تمہارے لیے اس بسمل خان کا  
رشتہ دیا۔ ادھر کتنا کنوارہ لڑکی ہے۔ مگر اس بسمل

خان کو تم میں کیا پسند آیا جو تم سے نکاح کرنے کو مارا  
جارہا ہے؟؟

**مورے۔۔۔۔۔ حیدر خان حلق کے بل**

**پوری قوت سے دھاڑا تھا۔ حیدر خان کی بلند دھاڑ پر**

**رقیہ خانم کی چلتی زبان رکی تھی۔**

بسل خان اپنی سنہری داڑھی پر ہاتھ پھیرتے اپنے  
سنہری گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اپنے  
جگری یار کے آگے وہ شائد نگاہیں اٹھانے کے قابل نہ  
رہا تھا۔ عباس خان نے بسل خان کو دیکھتے زریمان کو  
سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جو بھیگی آنکھوں سے سرنفی  
میں ہلا گئی تھی۔

دراب بد حواس ہوتا رونے لگا تھا۔ رقیہ خانم دراب کو  
سینے سے لگائے اسے تھکنے لگی۔

حیدر خان مٹھیاں بھینچے اپنی لہو اتری آنکھیں رقیہ  
خانم پر گاڑھیں۔ حیدر کے پورے وجود کی رگیں  
اشتعال سے ظاہر تھیں..

امینہ خانم درخشاں پریشانی سے کھڑے تھے۔ تمام  
مہمان اپنی اپنی سوچ کے مطابق سچو لیشن کو سمجھتے  
آپس میں چہ گویاں کر رہے تھے۔ فرشتے حیدر خان  
کی بیوی ہے اور وہ دو بیٹیوں کا باپ ہے یہ سب کو آج  
پتہ چلا تھا۔



فرشتے حیدر خان کی شال سینے سے جکڑے بند  
آنکھیں کیے کرب سے مسکرائی تھی۔ بہت سے آنسو  
اس کی آنکھوں سے نکلتے اس کے شفاف عارض کا  
حصہ بنے۔

آہہ مورے۔۔۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟؟  
میری خانم میری عورت پریوں سب کے سامنے

الزام لگا رہی ہیں۔

جانتی ہیں آپ اس کے کردار پر حملہ میری عزت پر  
حملہ ہے۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو نم آنکھوں سے  
دیکھتے کرب سے سوال کیا؟؟ حیدر خان کے لب  
بری طرح کپکپا رہے تھے۔ رقیہ خانم ایسا کریں گی  
اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے مقابل کوئی اور ہوتا

وہ اس کے سینے میں گولیاں اتار دیتا۔ مگر سامنے  
کھڑی وہ عظیم ہستی تھی جس سے وہ آج بھی سب  
سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ جس کے احترام میں آج بھی  
اس کی نظریں جھکتی تھیں۔

ہم الزام نہیں لگا رہا حیدر۔۔۔۔۔ بسمل خان کا مورے  
نے تمہارے بیوی کا رشتہ اس کا مورے سے مانگا

ہے۔ ہم پر یقین نہیں تم کو آتا تم بسل خان کا مورے  
سے پوچھ لو۔۔۔ رقیہ خانم نے زریمان کی طرف  
اشارہ کیا جو شرمندگی سے نظریں جھکا گئی تھی۔۔  
بسل خان بھی گہرے سانس لے رہا تھا۔ زندگی میں  
پہلی بار کسی کو پسند کیا تھا مگر وہ اس وقت خود کو  
شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا محسوس کر رہا

تھا۔ یہی حال عباس خان کا تھا وہ بھی اس بار شرمندہ  
ہوا تھا۔ عباس خان نے سرد سرخ نگاہیں بسل خان  
پر گاڑھیں تھیں وہ گہرا سانس لیتے نگاہیں پھیر گیا  
تھا۔

ان ماں پیٹا کو تمھارا بیوی کے طلاق یافتہ ہونا سے کوئی  
فرق نہیں پڑا تھا۔ یہ بانجھ ہے اس سے بھی کوئی فرق  
نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ یہ بسمل خان کا سارا جائیداد فرشتے  
کے نام کرنے کو تیار ہے۔ اب تم ہی بتاؤ یہ ابھی  
تک شاہ نواز کی طلاق یافتہ کا نام سے کیوں پہچانا جاتا  
ہے؟؟۔ تمھارا نام سے اس کو کوئی کیوں نہیں

جانتا۔ اس کا پاس تمھارا دو بیٹا ہے یہ بات سب کو  
کیوں نہیں پتہ؟؟ شادی شدہ ہو کر اس کا اتنا اچھا  
رشتہ کیسا آسکتا ہے؟؟۔ کتنا کنوارا لڑکی ادھر ہے مگر  
بسمل خان کو صرف یہی کیوں پسند آیا؟؟ اس کا تو یہی  
مطلب ہوا تمھارا عورت کا بھی قصور ہے۔ اس لیے  
تو وہ تمھارا پاس واپس نہیں آ رہا۔



رقیہ خانم نے حیدر کے مقابل آتے اس کا بازو جکڑا  
تھا۔ حیدر خان بے یقینی سے گہرے سانس لیتا سر نفی  
میں ہلاتے رقیہ خانم کو دیکھ رہا تھا۔ جو اسے آج زندہ  
مار چکی تھیں۔ وہ سراٹھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔



حیدر کی نظریں بسل خان پر اٹھیں جو اسے دیکھتا رخ  
موڑ چکا تھا۔ حیدر خان نے فرشتے کو دیکھا جو آنکھوں  
میں آنسو لیے اسے زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی  
تھی۔ وہ اس کی شکوہ کناں زخمی نگاہیں دیکھتے اپنی  
نگاہیں پھیر گیا تھا۔ فرشتے کی آنکھوں میں شکوے اور  
رقیہ خانم کے سوال اسے جیسے تھپڑ مار رہے تھے۔

اسے لگا تھا اس سے بڑا غیرت اس علاقے میں کوئی  
نہیں۔۔۔ بھری محفل میں اس کی ماں نے اسے بے  
غیرت نہیں بنا دیا تھا۔ اس کی کمزوری نے اسے بے  
غیرت بنا دیا تھا۔ وہ رشتوں میں توازن نہ رکھ سکا  
تھا۔ اپنی جوان خوبصورت بیوی کو تنہا کیا۔ اس کے  
حقوق سے نظرین چرائیں۔ آج اس کا جگری یاد اس

کی ہی بیوی کو پسند کر بیٹھا۔ آج اگر فرشتے حیدر خان  
بن کر ادھر آتی تو کیا اس کی بیوی پر کوئی بھی نظر  
ڈالنے کی ہمت کر سکتا تھا۔ وہ آج بھی اس کے نام  
سے نہیں شاہ نواز کی طلاق یافتہ کے نام سے جانی جا  
رہی تھی۔

آہستہ۔۔۔۔۔ حیدر خان اب اپنے بال مٹھیوں میں  
جکڑے چیخا تھا۔

بسمل خان حیدر خان کو تکلیف میں دیکھتا تیز تیز  
قدموں سے وہاں سے نکل گیا تھا۔  
وہ پاگل ہو رہا تھا اس کی ماں کے سوالوں نے اس کے  
اندر ایندھن دہکا دیے تھے۔

کتنا عرصہ رہی تھی اس کی فرشتے اس کے پاس۔۔  
پانچ سال کا عشق پانچ سال کی جدائی سہنے کے بعد  
اسے پایا تھا اور دو مہینے بھی وہ اسے اپنے پاس نہ رکھ  
سکا تھا۔ کون پہچانتا کہ وہ تو صرف حیدر خان کی  
ملکیت ہے۔۔ اس نے گہرے سانس لیتے فرشتے کو  
دیکھا جو اپنی گلابی آنکھیں اس پر گاڑھے ہوئے تھی۔

سامنے کھڑی لڑکی کو پانچ سال سجدوں میں مانگا تھا۔  
خدا نے اسے اس کا مقدر بتا دیا تو اس نے کیا کیا اس  
کے ساتھ؟؟ وہ تو فرشتے کا ہی نہیں خدا کا بھی گناہ گار  
ٹھہرا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شرک کر بیٹھا  
تھا۔ اپنے سجدوں اور دعاؤں اور خدا کی دی ہوئی  
نعمت کی لالچ نہ رکھ سکا تھا۔ اس سے بڑا فریبی کون ہو

سکلتا تھا۔ خدا نے اس کی دعاؤں اور سجدوں کی وجہ  
سے سامنے کھڑی لڑکی کو شاہ نواز کی زندگی میں نہ  
رہنے دیا۔ اور اس نے کیا کیا؟؟ خدا کی اتنی بڑی  
مہربانی اتنی پیاری نعمت کی کفران نعمت کر گیا۔ جس  
کی سزا سے آج بڑی محفل میں ملی۔



!! مگر آج میں کہتی ہوں میں شاہ نواز کے پاس ہی  
ٹھیک تھی۔۔ وہ جیسا بھی تھا آپ جیسا دو غلام مرد  
نہیں تھا!!

فرشتے کے لفظ سماعتوں میں گونجتے اس کے اندر  
اندھیوں کے جکڑ چلا چکے تھے۔ وہ زخم خوردہ ہوا  
تھا۔



آج اسے شاہ نواز خود سے بہتر لگا تھا۔ اس کے پاس  
ہوتے کبھی کوئی فرشتے کے کردار پر بات تو نہیں کر  
سکا ہوگا۔

مگر اس کے ہوتے ہوئے کیا ہوا؟؟؟  
حیدر۔۔۔ میرا یقین کرو۔۔۔ ہم جھوٹ نہیں بول یہ  
سچ میں۔۔۔ رقیہ خانم روتے ہوئے حیدر خان کی

کردن اور ماتھے کی پھولتی رگیں دیکھ کر اس کے  
قریب ہوتے پھر سے اس کا بازو جکڑے وضاحت  
دینے کی کوشش کی

حیدر خان اپنا بازو رقیہ خانم سے بے دردی سے  
چھڑواتا اپنے بال جکڑے رخ موڑ چکا تھا۔ اس کا  
مضبوط توانا بدن لرز رہا تھا۔ رقیہ خانم نے سوال نہیں

کیے تھے اس کے منہ پر تھپڑ مارے تھے وہ بھی سب  
کے سامنے !!

حیدر ہم سچ کہہ رہا ہے ہمارا بات سنو۔۔ رقیہ خانم  
نے حیدر کا بازو بھر سے جکڑا۔۔ ہاتھ مت لگائیے  
گا مجھے۔۔ نام مت لیجیے گا میرا۔۔ حیدر رقیہ خانم کو

سرخ نم زدہ آنکھوں سے دیکھتے کرب سے غرایا  
تھا۔ رنگت سرخ تھی لفظ اس کے منہ سے بمشکل  
ہی نکلے تھے

تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ اس۔۔۔۔۔ عورت۔۔۔۔۔  
اس۔۔۔۔۔ کے۔۔۔۔۔ لیے ہم سے۔۔۔۔۔  
اپنا۔۔۔۔۔ ماں سے ایسے بات کر رہا ہے۔۔۔۔۔ رقیہ

خانم نے ٹوٹے لفظوں سے بے یقینی سے ہچکیوں سے  
کہا۔ حیدر خان کے لفظ سنتے بے یقین ہوئی تھیں۔ وہ  
تو مر سکتا تھا مگر ان کے سامنے یہ لفظ نہیں بول سکتا  
تھا۔

ہاں کیونکہ یہ عورت میری عورت ہے۔ میری  
عزت میری خانم میرا عشق میرے بیٹوں کی

ماں۔۔۔ حیدر خان لاونج میں نظریں دوڑائے سب  
کو دیکھتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔  
امینہ خانم حیدر اور فرشتے کی حالت دیکھتے دل پر ہاتھ  
رکھتے صوفے پر بیٹھے رونے لگی تھیں۔  
درا ببری طرح پھر سے رونے لگا تھا۔ جس میں  
زرا ب نے بھی پورا پورا ساتھ دیا تھا

حیدر خان کی ملکیت ہے یہ۔۔۔ میری عورت یہ  
ہے۔۔۔ حیدر خان نے رقیہ خانم کو دیکھتے گہرے  
سانس لیتے فرشتے کا ہاتھ مضبوطی سے جکڑا۔

zubinovelshub.com

تم اپنا بیوی کے لیے اپنا جنت کو ٹھکرا رہا ہے۔ ساری  
دنیا کا سامنے اپنا ماں پر چلا رہا ہے۔ ہم نے تمہیں  
دودھ پلایا۔ تم آج اس دودھ کا یہ حق ادا کر رہا ہے۔  
رقیہ خانم شدت غم سے روتے ہوئے بولی۔  
کاش آپ نہ پلاتی مجھے دودھ۔۔ اتنی بار آپ مجھ  
سے اس کا قرض مانگ چکی ہیں۔ تھک گیا ہوں۔ وہ



قرض ادا ادا کرتے۔۔ میرا سب کچھ آپ نے گروی  
رکھ لیا۔ اب اور کیا دوں؟؟۔ ایک جان بچی ہے تو  
کہوں تو وہ بھی دے دوں۔ حیدر خان رقیہ خانم کو  
سرخ آنکھوں سے دیکھتے کرب سے بولا۔

رقیہ خانم۔۔۔ دل پر ہاتھ رکھتے پیچھے کو ہوتی  
لڑکھڑائی تھیں۔ دراب رقیہ خانم کے حصار میں بری  
طرح رو رہا تھا۔ فرشتے نے اگے برہتے دراب رقیہ  
خانم سے لینا چاہا۔

ہم اپنا حیدر کا بیٹا تم کو نہیں دے گا۔ یہ ہمارا پوتا  
ہے۔۔۔ رقیہ خانم روتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے

پچھے ہوئی تھیں۔

دراب صرف میرا بیٹا ہے۔۔ فرشتے اب حیدر خان کو  
دیکھتے غرائی تھی۔

تمہارا پاس ذرا اب ہے۔ تم ذرا اب رکھ لو دراب ہم کو  
دے دو۔۔ رقیہ خانم کی بات پر فرشتے نے بے یقینی  
سے رقیہ خانم کو دیکھا۔

مورے دراب فرشتے کو دیں۔ حیدر نے سختی سے  
کہا۔

نہیں دوں گی یہ ہمارا پوتا ہے تمہارا بیٹا۔ ہم نہیں  
دے گا۔ رقیہ خانم نے سر نفی میں ہلایا تھا۔۔  
حیدر نے آگے بڑھتے رقیہ خانم سے روتے ہوئے  
دراب کو سختی سے لیتے فرشتے کو پکڑایا۔ فرشتے نے

درا ب کو جلدی سے سینے سے لگایا تھا۔ رقیہ خانم پیچھے  
کو لڑکھڑاتی صوفے پر بیٹھنے کے انداز میں جا گریں۔  
بے یقینی سے حیدر خان کو دیکھا جو ان کی پرواہ کیے  
بغیر زرا ب کی طرف بڑھا تھا۔

حیدر خان نے آگے بڑھتے درختوں سے زراب لیا۔  
اسے صوفے پر کیری کاٹ میں لٹاتے وہ فرشتے کی  
طرف بڑھا تھا۔ جو دراب کو سینے سے لگائے تھپکیاں  
دے رہی تھی۔ وہ فرشتے کلائی پکڑے وہ اپنے مضبوط  
قدموں سے زنانہ خانے سے باہر کی طرف بڑھا۔

فرشتے اس کے حصار میں نظریں جھکائے درب کو  
ایک ہاتھ سے سینے سے جکڑے چل پڑی تھی۔  
یکدم حیدر خان کے بھاری قدم ر کے تھے۔ اس  
نے پلٹتے ہوئے رقیہ خانم کو دیکھا جو روتے ہوئے  
اسے دیکھ رہی تھیں۔

گاڑی بجھواتا ہوں۔۔۔ اوز گل اور آپ حویلی چلی  
جائیں۔۔۔ آتا ہوں آپ کے پاس۔۔۔ حیدر خان نے  
رقیہ خانم کو دیکھتے کہا تھا اور فرشتے کا ہاتھ جکڑے وہ  
لاونج عبور کر گیا تھا۔



حیدر خان اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے کیری کاٹ کو  
بچھلی سیٹ پر رکھا۔ سوئے ہوئے ذرا ب کو احتیاط  
سے اس میں لٹایا میں تھا۔ فرشتے سے دراب کو لیا۔ جو  
ہچکیاں بھرتے سوچکا تھا۔ احتیاط سے لیا جو اس نے

آرام سے دے دیا تھا۔ حیدر خان نے اسے بھی  
احتیاط سے اسی کیری کوٹ میں ایڈجسٹ کیا تھا۔ ا  
فرشتے کی کلائی پکڑتے اسے نرمی سے گاڑی کا اگلا  
دروازہ کھول کر بیٹھایا وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔  
خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کی۔

حیدر خان اپنے لھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے  
اظطرابی انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا۔ رات تاریک اور  
سرد تھی۔ وہ کب سے ڈرائیو کر رہا تھا اسے خود نہیں  
پتہ تھا۔ آج اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔ ایسا لگ رہا  
تھا جیسے کچھ پل وہ آگ کے دریا پر دوڑ رہا تھا۔ سینے  
میں آگ دھک سی رہی تھی۔ جن دوستوں سے وہ

اپنے بیٹوں کی خوشی بانٹنا چاہتا تھا۔ آج اس کے  
بیٹوں کا سچ کس انداز میں آیا تھا۔  
۔ ڈرائیونگ کرتے وہ کبھی پیچھے مڑ کر اپنے بیٹوں کو  
دیکھتا کبھی اپنے پہلو میں اپنی خانم کو جو سپاٹ سا چہرہ  
لیے ونڈ سکرین کو دیکھ رہی تھی۔

حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی بتدریج بڑھتی جا رہی  
تھی۔۔ وہ شعلہ جوالہ سی بنی اس کے پہلو میں بیٹھی  
تھی۔ جس کے چہرے پر کسی کی نظر گوارا نہ تھی۔۔  
آج بھری محفل میں وہ سب کی نظروں کی زینت بنی  
ہوئی تھی۔۔

آہسہ۔۔۔۔۔ وہ ایک بار پھر سے کرب سے اپنے  
بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔ گاڑی ڈولی تھی

حیدر خان اپنی سرخ آنکھیں آستین سے مسلتے  
سٹیرنگ کو سنبھالتے پیچھے مڑا ایک نظر سوئے دراب  
زراب کو دیکھا۔ جو سو رہے تھے۔ وہ نم آنکھوں

سے مسکرایا تھا۔ اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی خانم کو  
دکھتے اس نے آنکھیں میچتے خدا سے ایک بار پھر اپنی  
خانم مانگی تھی۔

حیدر خان نے فرشتے کے سر دسپاٹ چہرے پر نگاہ  
ڈالتے گاڑی کی سپیڈ تیز کی۔

---

گاڑی حیدر خان کے عالیشان ہوٹل کے سامنے آکر  
ٹھہری تھی۔

چہرہ ڈھک لو خانم۔۔۔۔۔ حیدر خان نے سر دلجے  
میں حکم دیا۔ فرشتے نے حیدر خان کی حکم کی تعمیل  
کرتے اپنا چہرہ اچھی طرح چادر سے چھپایا تھا۔



حیدر خان کی گاڑی کو دیکھتے ہوٹل کے گارڈ اس کی  
طرف بڑھے تھے۔ حیدر خان نے گاڑی روکتے ہاتھ  
کے اشارے سے انہیں قریب آنے سے منع کیا  
تھا۔ وہ وہیں پررک کے تھے۔ حیدر خان نے  
فرشتے کی طرف کا دروازہ کھولتے اس کی کلائی نرمی

سے تھامے احتیاط سے اسے باہر نکالا۔ فرشتے خاموشی  
سے باہر نکل آئی تھی۔

حیدر خان نے پچھلی سیٹ سے دراب زراب کا کیری  
کوٹ نکالتے کیری کوٹ کو احتیاط سے پکڑا تھا۔  
فرشتے کی کلائی پکڑے وہ اپنے گڑبند ہوٹل کے اندر  
داخل ہوا۔

حیدر خان اپنے ہوٹل میں داخل ہوا تو ہوٹل کے  
بہت سے ملازم اس کی طرف تیزی سے بڑھے  
تھے۔ حیدر خان ہاتھ کے اشارے سے انھیں اپنی  
طرف آنے سے روکتے فرشتے کے نازک وجود کو  
اپنے بازو کے حلقے میں لیے اپنے بچوں کو اٹھائے  
ہوٹل میں موجود اپنے کمرے کی طرف بڑھاتا تھا

کمرے میں داخل ہوتے ہی حیدر خان نے دراب  
زرا ب کو کیری کاٹ سے نکال کر انھیں بیڈ پر نرمی  
سے لٹایا۔۔۔ سوتے ہوئے دراب زرا ب کی پیشانی  
پر نرمی سے لب رکھے ان پر ان کا چھوٹا سا بلیٹکٹ  
نرمی سے اوڑھایا۔

فرشتے کمرے کے وسط میں سردسپاٹ سی کھڑی  
تھی۔ حیدر خان کی شال اس کے وجود پر لپٹی تھی۔  
چہرے کا حجاب کھل چکا تھا۔ بھاری شال سر سے  
پھسلتی اب صرف کندھوں پر تھی۔

حیدر خان نے فرشتے کی طرف بڑھتے فرشتے کے  
نازک وجود سے اپنی شال علیحدہ کرتے اسے صوفے

پراچھالی۔

فرشتے اب نیٹ کے دوپٹے میں اپنے شعلہ جوالہ  
روپ کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ حیدر  
خان اس کے روپ کو دیکھ کر کرب سے آنکھیں میچ  
گیا تھا۔

اس کی خانم اس کی عورت کا یہ روپ آج کس کس  
نے نہیں دیکھا تھا؟؟ اس کے جگری یار اس کی  
عورت کو دیکھ چکے تھے۔ وہ اب کیسے ان لوگوں کا  
سامنا کرے گا۔ بسمل خان جس نے اس کی عورت کو  
اپنی عورت بنانے کا سوچا آج کے بعد وہ اپنے جگری  
یار کو بھی کھو چکا تھا۔

حیدر خان فرشتے کی طرف بڑھتے اس کے چہرے کو  
اپنے ہاتھوں میں تھامے بے قراری سے اپنے تشنہ  
لب فرشتے کی ٹھوڑی کے سیاہ گھنگھور تل پر رکھ گیا  
تھا۔

حیدر خان کے جھلساتے لب فرشتے کی ٹھوڑی کو سختی  
سے چھو کے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے کافی دیر تک



اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر رکھے اس کی کمر میں ایک  
ہاتھ ڈالے اسے اپنے بے حد قریب کر گیا تھا۔ فرشتے  
کے سینے میں بجتی دھڑکنیں حیدر خان کے سینے میں  
دھڑکنے لگی تھیں۔

مگر فرشتے کے سر دسپاٹ وجود میں کوئی ہلچل نہیں  
ہوئی تھی۔۔ جسے محسوس کرتے حیدر خان افیت کی

انتہا پر تھا۔

اس کی خانم تو اس کے حصار میں اس کی ذرا سی قربت  
میں لرزنا شروع کر دیتی تھی۔ مگر آج وہ پتھر کی بت  
بنی کھڑی تھی۔ حیدر خان نے اپنی سرخ نم ذدہ  
آنکھیں فرشتے کی آنکھوں میں گاڑھیں۔ جہاں اب

شبِ نیم تک نہ تھی۔۔ وہ سرد بریلی سپاٹ نگاہوں سے  
اسے دیکھ رہی تھی۔۔

حیدر خان تڑپتے ہوئے اس کے چہرے کے ایک  
ایک نقش پر اپنے سلگتے لب رکھنے لگا۔  
اس کے تڑپتے سلگتے لب دیوانہ وار اس کے ایک ایک  
نقش پر محو سفر تھے۔۔ وہ اتنی دیوانگی سے اس کے

نقوش کو چھو رہا تھا کہ حیدر خان کی سانسیں پھول کر  
انگارہ ہوئی تھیں۔ مگر وہ اپنی سانسوں کی تپش اور  
دھکتے لبوں سے اس کی سانسوں میں ہلچل نہ مچا سکا  
تھا۔

حیدر خان اب بے چلین ہوتے اس کے چہرے کو  
تھامے اس کے سرخ یا قوتی لبوں پر جھک گیا۔۔۔ وہ

اس کی لبوں کی سرخی اپنی لبوں سے مٹاتے اس میں  
اپنی شدتوں کا رنگ بھر رہا تھا۔ وہ بہت شدت سے  
اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسیں  
کھینچ رہا تھا۔ اس کی دیوانگی پر فرشتے کے نازک وجود  
میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ جسے محسوس کرتے  
حیدر خان پاگل ہوا تھا۔ وہ اس کے نچلے لب کو اپنے

دانتوں سے کھینچتے اس کی نازک کمر کو اپنی مٹھی میں  
بے دردی سے بھرتے اسے بہت شدت سے خود  
سے لپٹا گیا تھا۔ فرشتے کے لبوں سے ایک سسکی  
بھی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ حیدر خان کے سینے میں  
آگ سی بھڑکی تھی۔ اس کے بدن کا سرد پن اور  
سانسوں کی ٹھنڈک حیدر خان کا جیسے وجود شعلوں

کی مانند دہکا چکی تھی۔ وہ اب اس کے نچلے لب پر بے  
دردی سے اپنے دانت گاڑھ گیا۔۔ حیدر خان کی  
شدت پر فرشتے کے وجود نے سسکی بھری تھی۔  
آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر عارض پر برسے تھے۔  
حیدر خان کی بے قرار روح کو قرار آیا تھا۔ وہ جلدی  
سے اس سے پیچھے ہوا۔ اس کے نچلے لب پر خون کی



نہی بوند آن ٹھہری تھی۔ بند آنکھوں سے موتی  
گرتے اس کے عارض پر گر رہے تھے۔ حیدر خان  
اس کے چہرے کو دیوانوں کی طرح تھا مے اس کے  
عارض پر جھکتے اس کے آنسو اپنے لبوں سے چنتے اس  
کے لبوں سے نکلتی خون کی بوند پر اپنے لب رکھ گیا  
تھا۔ اس کے لبوں کے زخم پر اپنے زبان کا مرہم وہ



رکھ گیا تھا۔ اب وہ اپنے دیے ہوئے زخم پر دیوانگی  
سے اپنی زبان کا مرہم رکھتا اس کے لبوں کو اپنی  
زبان سے گیلا کرتے وہ اس کی نازک گردن کے  
پیچھے ہاتھ لے جاتے اس کی چوکر کی ڈوری کھینچتا اسے  
ڈھیلا کرتے اس کے گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ کر  
دانت گاڑنے لگا۔ حیدر خان کی دیوانگی جنون کی

صورت میں اس کی گردن پر ظاہر ہو رہی تھی۔  
اس کی گردن پر حیدر خان کی جنون خیزیاں آب و  
تاب سے چمکنے لگی تھیں۔۔۔ وہ دیوانوں کی طرح اس  
کی گردن اپنے لبوں سے جھلساتے اس کی گردن  
جامنی کر رہا تھا۔

وہ نرمی سے اس کی دھڑکنوں پر لب رکھتے اس کے  
پیٹ پر آیات۔۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکتے اس کی کمر  
میں ہاتھ ڈالے اس کے پیٹ کو نرمی سے اب چھو رہا  
تھا۔

وہ بہت نرمی سے اس کے پیٹ کو چھوتا جا رہا تھا۔

یکدم حیدر خان کے لھنے بالوں می؟ فرشتے کی نازک  
انگلیاں آن ٹھہری تھیں۔ حیدر خان اس کی نازک  
انگلیاں اپنے گھنے بالوں میں محسوس کرتے حیدر خان  
اس کے کمر میں سختی سے ہاتھ ڈالے اس کے ساتھ  
شدت سے لپٹا تھا۔ حیدر خان کی سیاہ آنکھوں کی نمی  
بڑھی تھی۔

خان۔۔۔۔۔ دور۔۔۔۔۔ دور۔۔۔۔۔ رہیں۔۔۔۔۔ مجھ  
۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ فرشتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔  
حیدر خان مزید اس کے ساتھ لپٹے گہرے سانس  
لینے لگا۔

خان۔۔۔۔۔ دور۔۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔۔ مجھ۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔  
فرشتے کے ٹوٹے کانچ سے لفظوں میں اب کی بار سختی

تھی۔۔ حیدر خان کی گرفت اس کی کمر پر مزید سخت  
ہوتی جا رہی تھی۔

سنا نہیں خان۔۔۔۔۔ دور رہیں مجھ سے۔۔۔  
فرشتے اب حلق کے بل دھاڑی تھی۔۔  
فرشتے کی دھاڑ پر دراب جھٹکا کھا کر اٹھتا ڈرتے ہوئے  
بہت بری طرح رونے لگا۔ حیدر خان جلدی سے

فرشتے کو اپنے حصار سے آزاد کرتے دراب کی طرف  
بڑھا جو ہچکولوں سے بری طرح رو رہا تھا۔ حیدر  
خان نے اسے سینے سے لگائے اسے ٹھپکتے فرشتے کو  
سرد نگاہوں سے گھور کر دیکھا جو حیدر خان کے دیکھنے  
پر رخ موڑ چکی تھی۔

حیدر خان اسے نرمی سے کھینکتے اسے سسلانے لگا۔ وہ  
ہچکیاں بھرتے تھوڑی دیر میں سو گیا تھا۔ در ب کو بیڈ  
پر لٹاتے حیدر خان نے اس کے منہ میں اس کا انگوٹھا  
دیا۔ وہ پھر سے نہ اٹھے حیدر خان نے اس لیے اس  
لیے اس کے منہ میں انگوٹھا دیا تھا۔ در اب انگوٹھا  
چوستا گہری نیند چلا گیا تھا۔ مگر اس کا وجود ابھی بھی



ہچکولے بھر رہا تھا۔ حیدر خان اسے دیکھتے فرشتے کی  
طرف بڑھا جو اس سے رخ پلٹے کھڑی تھی۔۔ حیدر  
خان اسے کلائی سے پکڑے کمرے سے ملحقہ  
دوسرے کمرے کی طرف بڑھا جہاں خوبصورت  
کفر ٹیبل صوفے رکھے ہوئے تھے۔

حیدر خان نے کمرے کا دروازہ بند کرتے فرشتے کو  
بے دردی سے صوفوں پر دھکیلا۔ فرشتے صوفے پر  
اوندھے منہ جا گری تھی۔ سر پر پننز کے ذریعے اٹیچ  
دوپٹہ کو بری طرح کھچ پڑی تھی۔ وہ دوپٹہ سر اور  
شانوں سے پھسلتا زمین بوس ہوا تھا۔ بال ڈھیلے  
جوڑے میں لپٹے کھلتے کمر پر بکھرے تھے۔

فرشتے نے صوفے پر سیدھے ہوتے حیدر خان کو  
دیکھا جو اسے سرد خون اشام نگاہوں سے گھور رہا تھا۔  
کیا ہوا خان؟؟ گرم نرم نگاہوں کی جگہ یہ سرد پن  
کیوں؟؟

آپ کے توجذبات بھی آپ کے فیصلوں کی طرح  
جلد بدلتے ہیں۔ فرشتے چلتی ہوئی حیدر خان کے

مقابل آئی تھی۔

درار بزراب میرے بیٹے میرے وارث میرا خون  
ہیں۔ ان پر ایک آنچ برداشت نہیں کر سکتا۔ چاہے  
ان کو تکلیف پہنچانے والی ان کی ماں ہو یا پھر میری  
ماں۔۔۔ حیدر خان اسے شعلہ بارنگا ہوں سے  
دیکھتا غرایا تھا۔

تم ان کی ماں ہو میرے دراب زراب کو مکھاری  
ضرورت ہے۔۔ اس لیے حیدر خان اپنے دل پر پتھر  
رکھ کر ان کی دوری سہہ رہا ہے۔ ورنہ حیدر خان اپنے  
بیٹوں کو کبھی ایک پل کے لیے خود سے دور نہ کرتا۔  
حیدر خان فرشتے کو بازو سے جکڑے اپنے مقابل کر  
گیا تھا۔ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مقابل نے اسے

دور جھٹکا تھا۔ وہ سامنے کھڑی لڑکی کی بے رخی پر  
بری طرح جل رہا تھا۔ اس کی بے رخی آنکھوں اور  
جسم کا بر فیلا پن اس کا وجود جیسے دہکا چکا تھا۔  
وہ افیت و کرب کی انتہا پر خود کو محسوس کر رہا تھا۔  
اس میں میں کہاں آتی ہوں خان؟؟ میرا مقام کہاں  
ہے؟؟ فرشتے تو آپ کا عشق ہے۔۔ پھر کبھی آپ

اپنی مورے اور ابھی اپنے بیٹوں کی وجہ سے آپ  
کیوں مجبور ہو جاتے ہیں؟؟ کل اپنی مورے کی وجہ  
سے مجھے جدائی کی سزا سنائی۔ آج اپنے بیٹوں کی وجہ  
سے مجھے ان سے جدائی کی سزا نہیں سنارہے۔ یعنی  
آپ کے بیٹوں کو میری ضرورت نہ ہوتی آپ مجھ  
سے میرے بیٹے چھین لیتے۔ فرشتے نے پھنکارتے



ہوے حیدر خان کی سیاہ سرد سرخ آنکھوں میں  
دیکھتے سوال کیے۔۔

میرے بیٹوں کی ماں ہو تو۔۔ اس لیے تو یہ سب  
برداشت کر رہا ہوں ورنہ حیدر حاکم خان جو اتنے  
بڑے بڑے ہوٹلوں کا مالک ہے۔ جو کئی گاؤں کا  
سرادار ہے۔۔ جس کے انڈر بہت سے علاقے



آتے ہیں۔ جس کی پاؤں کھارے اس ارحام لالا سے  
بہت زیادہ ہے۔۔۔ تمہیں اور اپنے بیٹوں کو یوں  
چٹکیوں میں اپنے پاس لے آتا۔ حیدر خان نے  
فرشتے کو سرخ آنکھوں سے گھورتے چٹکیاں بجائی  
تھیں۔

میں بھی سمیچ اللہ خان کی پوتی ہوں۔۔ نور یز خان کی  
بٹی۔۔ اور میں صرف ارحام لالا کی بہن نہیں۔۔  
زاران لالا شہرام لالا۔۔ اسفند لالا در خزئی لالا کی  
بہن ہوں۔ میرے زاران لالا منسٹر ہیں۔ بہت سے  
علاقوں کے سردار ہیں۔ میرے در خزئی لالا اس  
علاقے کے ڈی ایس پی ہیں۔ میرے ارحام لالا نے

اتنے بڑے بزنس کو سنبھالا ہوا ہے۔ میرے شہرام  
لالا اتنے بڑے آدمی ہیں ان کے بارے میں تو آپ کو  
بتانے کی ضرورت ہی نہیں وہ کتنے بڑے آدمی ہیں  
اور میرے اسفند لالا اپنے رشتوں کے لیے اپنا سینہ  
آگے کر دیتے ہیں۔ اتنا بڑا جگرا ہے ان کا۔ فرشتے  
نے سینے غراتے ہوئے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔

حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔

اگر وہ چپ ہیں تو اپنی بہن کی وجہ سے ہیں۔ جس  
دن میری طرف سے ایک اشارہ مل گیا۔ حیدر  
خان آپ صرف اپنے بیٹوں کے باپ رہ جائیں  
گے۔۔۔۔۔ میری خانم۔۔۔۔۔ میری خانم۔۔۔۔۔ کہنے کا

حق کھودیں گے۔۔ فرشتے کی بات پر حیدر خان اسے  
بالوں سے بے دردی سے جکڑے اپنے قریب کر  
گیا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔

بکو اس بند کروور نہ۔۔۔ تمہیں جان سے مار ڈالوں  
گا۔ تمہاری قبر اسی ہوٹل میں بناؤں گا۔ تمہارے  
اتنے سارے لالا کو خبر بھی نہیں ہوگی۔ حیدر

فرشتے کی بات پر پاگل ہوتا چیتا تھا۔ وہ کسی قیمت پر  
اس پر اپنا تسلط ختم نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کے لیے  
کیا تھی وہ ان سات ماہ میں سمجھ چکا تھا۔

حیدر خان میری پہچان ایک اور بھی ہے۔ میں حیدر  
خان کے بیٹوں کی ماں ہوں۔ اس لیے حیدر خان  
مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا ہے۔ دو دو بیٹوں کی ماں

ہوں میں حیدر خان۔۔۔ فرشتے اپنے بال  
چھڑواتے ہوئے چیخنی تھی۔

حیدر خان اس کے بال جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا۔  
فرشتے کے قدم نازک لڑکھڑائے تھے مگر وہ اسی  
لمحے خود کو سنبھال چکی تھی۔ حیدر خان اسے سرخ  
آنکھوں سے دیکھتا رہا جو گہرے سانس لیتے شعلہ بار

نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔ چاکلیٹی سلکی لمبے  
گھنے بال کمر اور ایک شانوں پر بکھرے تھے۔ ماتھا  
پٹی لگائے ہوئے تھی۔ گردن اور ہونٹوں پر اس کی  
شدتوں کے نشان تھے۔



حیدر خان کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر پوری قوت سے  
چینختے ہوئے اپنے آہنی ہاتھ کا مکہ بنائے دیوار پر دے  
مارا تھا۔

وہ دیوار سے سر ٹکائے گہرے سانس لینے لگا۔

حیدر خان میں آپ کے ساتھ خاموشی سے چلی  
آئی۔۔۔ آپ اسے میری کمزوری سمجھ بیٹھے۔۔۔ میں  
نے وہاں ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کی  
عزت رکھی تھی۔ جسے اس کی ماں نے ختم کرنے میں  
کوئی کثر نہیں چھوڑی تھی۔ چاہتی تو چیخ چیخ کر وہاں  
سب کو بتاتی اصل میں حیدر خان جیسا آدمی جو بظاہر

طور پر مضبوط بنا پھرتا ہے کتنا کمزور ہے۔ جو اپنے  
رشتوں میں توازن ہی نہ رکھ سکا۔ خدا نے اسے  
مرد کا منصب عطا کیا تھا کیونکہ وہ طاقتور ہوتا ہے۔  
مرد نکاح کر کے عورت کو اپنی سپردگی میں لیتا ہے۔  
اسے زمانے کی گرم سرد ہواؤں سے بچاتا ہے۔۔۔  
آپ نے کیا کیا مجھے ان گرم سرد ہواؤں کے سپرد کر

کے خود گرم نرم آغوش میں اپنی پناہیں ڈھونڈ  
لیں۔۔ فرشتے حیدر خان کی پشت کو دیکھتے پھنکاری  
تھی۔۔

حیدر خان اپنی مضبوط ہاتھوں کی مٹھیاں بھیج گیا تھا

--

میری خانم میری خانم۔۔۔۔۔ آپ کے منہ سے  
سوٹ نہیں کرتا آج سے آپ مجھے میری خانم کہنے کا  
حق کھو چکے ہیں۔ میں آپ کے سارے حق خود پر ختم  
کرتی ہوں۔۔ آج سے اور ابھی سے۔۔ فرشتے حلق  
کے بل چینی تھی۔۔ حیدر خان نے پلٹتے ہوئے

فرشتے کو دیکھا جو مٹھیاں بھینچے اسے سرد سپاٹ شرر  
بارنگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔۔

آپ کی وجہ سے حیدر خان۔۔ آج آپ کی ماں نے  
میرے کردار پر وار کیا۔ آپ نے انھیں موقع دیا  
انھیں بڑھاوا دیا۔۔ اگر وہ میری اہمیت سے آپ کی  
زندگی میں واقف ہوتی وہ کبھی ایسا نہ کرتی۔۔ انھیں

پتہ تھا آپ اپنی جنت کھونے کے خوف سے آج بھی  
اپنی نگاہیں پھیر لیں گے۔۔ فرشتے غرائی تھی۔۔  
کہاں پھیریں تم سے نظریں؟؟ تمہاری وجہ سگ  
اپنی جنت ٹھکراتو آیا ہوں۔ حیدر خان اپنے بال  
مٹھیوں میں جکڑتے چیخا تھا۔

میری وجہ سے حیدر خان۔۔۔ میری وجہ سے۔۔۔  
فرشتے نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے استہزائیہ زخمی  
لہجے میں سوال کیا۔

حیدر خان آپ جیسا مرد ہمیشہ اپنے کیے کا ذمہ دار  
دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔۔۔ کل مجھے اکیلا کیا تھا آج  
اپنی مورے کو تنہا کر آئے۔۔۔



آپ تو کسی کے نہ ہو سکے حیدر خان۔۔۔ فرشتے  
استہزائیہ زہنی تھی۔۔

اور میرے لیے نہیں کیا آپ نے اپنی عزت بچائی

۔۔۔

کیسا لگتا وہاں سب کے سامنے آپ اپنی جنت بچانے  
کی خاطر آپ کہہ دیتے کہ میں بد کردار ہوں آپ کو  
مجھ پر یقین نہیں میں سچ میں آپ کے دوست بسمل  
خان سے نکاح کرنے لگی تھی۔ آپ کو دھوکہ دے  
کر آپ کے نکاح میں ہوتے راتوں رات سٹریلیا جا  
رہی تھی..

فرشتے۔۔۔۔۔ حیدر خان نے چیختے ہوئے اسے  
مارنے کے ہاتھ اٹھایا۔۔ مگر وہ خود پر قابو پاتے اپنا ہاتھ  
مٹھی میں دبوج کیا۔

ماریں حیدر خان۔۔۔ ماریں مجھے۔۔۔ بہت تھپڑ  
کھائیں ہیں میں نے اپنی زندگی پیں ون۔ مجھے ان  
تھپڑوں سے ڈر نہیں لگتا۔ تھپڑ صرف اس مرد کے  
سے

ہاتھ کا کھا کر عورت مرنے ہے جسے اپنا سمجھتی ہے۔۔  
جسے اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔ جس مرد کے لیے دل  
میں عزت نہ رہے اس کے تھپڑ کیا اس کی لائیں  
کیا۔۔ فرشتے استہزائیہ ہنستے ہوئے بولی۔۔

حیدر خان مٹھیاں بھینچے اس نازک وجود کو خون اشام  
نگاہوں سے گھور رہا تھا جو آج اس کے مقابل آن

کھڑی ہوئی تھی.. وہ ایسے چپخے گی چلائی گی وہ سوچ  
بھی نہیں سکتا تھا

آپ کی مورے نے کہا کہ آپ نے مجھے اپنا کر مجھ پر  
احسان کیا کیونکہ میں طلاق یافتہ اور بانجھ تھی۔  
دیکھا حیدر خان میرے طلاق یافتہ ہونے اور بانجھ کا  
سن کر بھی میرے لیے آپ کے دوست بسل خان کا

رشتہ آیا۔۔

اگر مجھے آپ نہ اپناتے تو آپ سے بہتر انسان اپنالیتا  
۔۔ آج میں بسمل خان کے نکاح میں ہوتی۔۔۔  
فرشتے۔۔۔۔ حیدر خان کا بھاری ہاتھ اب فرشتے  
کے گال پر پڑتا اسے سرخ کر چکا تھا۔۔ فرشتے گال پر

ہاتھ رکھے گلابی آنکھوں سے حیدر خان کو دیکھ رہی  
تھی۔

حیدر خان نے فرشتے کو دیکھتے دیوار گیر فینسی مرر پر  
اپنا ہاتھ مارا تھا۔ شیشہ ٹوٹا اس کا ہاتھ زخمی کر چکا  
تھا۔ مگر وہ رکا نہیں تھا چیختے ہوئے اپنا ہاتھ مرر میں  
مارتا گیا۔ شیشہ ٹوٹا اس کا ہاتھ بری طرح زخمی کر چکا

تھا۔ ہاتھ سے خون ٹپکتا زمین پر گر رہا تھا۔ مگر وہ مارتا  
جا رہا تھا۔ فرشتے آگے بڑھتے کا گریبان جکڑ چکی  
تھی۔

حیدر خان کیسا لگایہ سن کر تکلیف ہوئی ناں۔۔۔  
تڑپے ناں۔۔۔ درد ہوا۔۔۔ میرا نام بھی کسی کے  
ساتھ نہیں سن سکتے۔۔۔ میرے سامنے آپ نے



اوز گل کو میرا مقام دیا۔۔ ہر جگہ وہ آپ کے نام سے  
جانی جاتی ہے۔۔ میں نہیں۔۔ کیا گزرتی ہے  
میرے دل پر۔۔ کبھی میری تکلیف محسوس کی۔  
آپ کی وجہ سے آج میرا رشتہ آیا۔ آپ کی وجہ سے  
آپ کے دوست نے مجھ پر نظر ڈالی۔۔ مجھے تو پتہ  
بھی نہیں تھا۔ بسمل خان کون ہے؟؟۔۔ میں نے تو

اسے دیکھا بھی نہیں۔۔۔۔۔ آپ کی وجہ سے  
میرے کردار پر حملہ ہوا آپ کی وجہ سے۔۔۔۔۔  
فرشتے مر سکتی ہے کبھی آپ کے ساتھ دھوکہ نہیں  
کر سکتی۔۔۔ فرشتے اس کا کریبان پکڑ کر چیخی تھی۔  
حیدر خان خاموشی سے کھڑا اسے چیختے ہوئے دیکھ رہا  
تھا۔

کل در خزئی کے حوالے سے آپ نے مجھ پر الزام  
لگایا۔ آج آپ کی مورے نے مجھ پر الزام لگایا۔۔  
آپ اپنا ساتھ تو دے نہ سکے اعتبار بھی نہیں دیا۔  
در خزئی کے ساتھ کھڑے دیکھ کر میرے کردار کی  
دھجیاں اڑا دیں۔۔۔ وہ میرا دودھ شریک بھائی  
ہے۔۔ میرے لیے ایسا ہی ہے جیسے ارحام

لالا-----حیدر خان-----فرشتے روتے  
ہوے چیخی تھی۔

حیدر خان نے یہ سنتے اپنا کچلا لب بری طرح دانتوں  
کے نیچے کچلا تھا۔ زخمی ہاتھ کو بری طرح دبوچا تھا۔

آپ میرے لیے شاہ نواز سے بھی بدتر ثابت  
ہوے۔۔ اس انسان نے کبھی میرے کردار پر وار  
نہیں کیا۔۔ مگر آپ کی وجہ سے بار بار میرے کردار  
پر حملہ ہوا۔۔ فرشتے روتے ہوئے چیخی تھی۔۔  
حیدر خان کی رنگت شدید سرخ ہو رہی تھی۔۔ اس  
کا دماغ جیسے تڑخ کر دو حصوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔۔

پورے بدن کے مساموں سے دھواں نکلنا شروع ہو  
گیا تھا۔

آج پھر وہ اس پر شاہ نواز کو ترجیح دے چکی تھی۔ وہ  
بے بسی کی انتہا پر بھڑکتے دماغ اور بھڑکتے وجود کے  
ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

آپ کی وجہ سے آج میں بے پردہ ہوئی۔۔ آپ کی  
وجہ سے آج مجھے غیر مردوں نے دیکھا۔۔ آپ جیسے  
کمزور مرد سے مجھے کیوں محبت ہوئی؟؟۔۔ آپ  
کیوں میری زندگی میں آئے۔۔ اگر آہی کے تھے یہ  
ضروری تھا آپ میری روح میں سماتے۔۔۔ یہ  
ضروری تھا میرے دل پر آپ کا نام لکھا جاتا۔

فرشتے حیدر خان کی شرٹ جکڑے روتے ہوئے  
بولی۔

حیدر خان تڑپتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے  
اسے اپنے قریب کرتے اس کے لبوں پر شدت سے  
جھک گیا۔ فرشتے نے اسے خود سے دور دھکیلا۔



مگر حیدر خان اس کی کمر کو جکڑے مزید شدت سے  
جکڑے اس کی سانسوں میں اپنی سانسیں انڈیل ہو  
گیا تھا..

فرشتے نے پوری قوت سے حیدر خان کے سینے پر  
مکے مارے تھے۔ حیدر خان اسے کمر سے جکڑے

اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کا چہرہ اپنے دونوں  
ہاتھوں میں تھام گیا۔

مجھے معاف کر دو فرشتے۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔  
میرے پاس آ جاؤ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔  
تمہیں پوری عزت دوں گا۔ جو تمہارا مقام ہو گا وہ  
کسی کا نہیں ہو گا۔ حیدر خان فرشتے کی پیشانی سے

پیشانی ٹکائے بھاری آواز میں بولا۔۔ حیدر خان کی  
آنکھوں سے آنسو گرتے فرشتے کے عارض کو بھگو  
رہے تھے۔ ہاتھ سے ٹپکتا خون اس کی گردن پر گر  
رہا تھا۔

جسے محسوس کرتے فرشتے بری طرح رو دی تھی

میرا مقام ہوتا تو آج میں آپ کی حویلی میں ہوتی۔  
آپ تو ابھی بھی رشتوں میں الجھے ایک کمزور مرد ہیں  
۔ اسی لیے مجھے اپنی حویلی نہ لے جاسکے۔ فرشتے نے  
پچکی لی تھی۔

میں تمہارے لیے الگ حویلی خریدوں گا جس کی  
مالکن صرف تم ہوگی۔۔ حیدر خان بھگے لہجے میں

بولتے اس کی ناک کی ٹپ پر اپنے لب رکھ گیا۔  
حیدر خان انصاف کیسے کریں گے آپ؟؟۔ ماں اور  
بیوی میں انصاف کرنے سکے۔۔ اب دو بیویوں میں  
کیسے کریں گے؟؟۔ فرشتے نے استھزائیہ لہجے میں  
سوال کیا۔

فرشتے۔ تم خانم ہو میری بہت محبت کرتا ہوں۔  
میرے بیٹوں کی ماں ہو۔ تمہارے ساتھ کبھی نا  
انصافی نہیں ہوگی۔ میں اپنا سب کچھ تمہارے نام کر  
دوں گا۔

مجھے آپ کا سب کچھ نہیں آپ چاہیے تھے مگر جب  
آپ میرے نہیں میں کیا کروں گی اس سب کا۔

فرشتے حیدر کو خود سے دور دھکیلتے اس سے دور ہوئی  
تھی۔ وہ اس کے کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب  
کر گیا۔

میں صرف تمہارا ہوں۔ حیدر خان کا دل صرف  
تمہارا ہے۔ حیدر خان نے گھمیر آواز میں کہا۔

حیدر خان میں اب وہ فرشتے نہیں جو خود کی عزت  
نہیں کرتی تھی۔ خود سے محبت نہیں کرتی تھی۔۔  
آج کی فرشتے خود سے محبت بھی کرتی ہے اور عزت  
بھی کرتی ہے۔ اب مجھے آپ کا دل نہیں چاہیے۔۔  
آپ سے نکاح کی پہلی رات یہ لفظ سنے تھے۔ آج



تک خود پر ہنسی آتی ہے۔۔ میں نے آخر مرد ذات پر  
اعتبار کیسے کر لیا؟؟

اور ویسے بھی میں آپ کے گناہوں میں مزید اضافہ  
نہیں کر سکتی۔۔ میں نہیں چاہتی آپ کل کو خدا کی بار  
گاہ میں اوز گل کے حقوق میں پکڑے جائیں۔۔ آج  
اوز گل میری جگہ ہے۔۔ آپ کی دوسری شادی پر

میرادل سوکھے پتے کی طرح کانپتا تھا کہ آپ مجھے  
اوزگل سے شادی کے بعد بھول جائیں گے۔ میری  
حویلی میں رہنے والے کاٹھ کباڑ کی حیثیت ہوگی۔  
اگر اوزگل آپ کے بچوں کو جہنم دے دی گی تو میں  
کیا کروں گی کیسے آپ کو دیکھے بغیر جیوں گی۔ اوزگل  
کی آنکھوں میں بھی آج میں نے وہی ڈر دیکھا ہے۔

میرے پاس تو آپ کے دو بیٹے بھی ہیں۔ اس کے  
پاس کچھ نہیں۔۔۔ میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں  
کر سکتی۔۔ آپ کو اب اور گل اور آپ کی ماں مبارک  
ہو۔۔۔ میرا اور میرے بیٹوں کا آپ سے کوئی تعلق  
نہیں۔۔ میں اپنے حقوق آپ کو معاف کرتی ہوں

فرشتے نے سرد آواز میں حیدر کو خود سے دور  
دھکیلا۔

کیوں کر رہی ہو فرشتے ایسا؟؟ کیوں؟؟ کیوں مجھے  
زندہ مار رہی ہو؟؟۔۔۔ کیسے جیوں گا اپنے بیٹوں اور  
تمہارے بغیر۔۔۔ کیا کروں گا ان ہوٹلوں کا۔۔۔ میرا  
سب کچھ ان کا تو ہے۔۔۔ کیوں مجھے بغیر ت بنا رہی

ہو؟؟ میرے بیٹے کسی اور کی حویلی میں پلے بڑھے۔  
یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔ حیدر خان دھاڑا  
تھا۔

آپ کے بیٹوں کو آپ کے ہوٹل نہیں ایک مضبوط  
باپ چاہیے۔ افسوس جو آپ نہیں۔۔۔۔۔

میرے بیٹے نور یز خان کی حویلی میں پلے بڑھیں  
گے۔۔ اور وہ حویلی ان کی ماں کی

. بھی ہے۔ فرشتے نے اٹل لہجے میں بولتے کمرے کا  
دروازہ کھولتی باہر نکل گئی تھی۔ حیدر خان گہرے  
سانس لیتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اب وہ کسی

قیمت پر فرشتے کو خود سے دور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ  
دروازہ کھولتے طیش و اشتعال سے اس کے پیچھے گیا۔  
فرشتے نے صوفے سے حیدر خان کی چادر اٹھائے  
خود لہجہ اچھی طرح لپیٹی۔ وہ سوئے ہوئے دراب  
زراب کی طرف بڑھی۔  
حیدر خان جلدی سے فرشتے کی طرف بڑھا۔

فرشتے تم نہیں جاسکتی۔۔۔ یہ میرا حکم ہے۔۔ حیدر  
خان اس کی آنکھوں میں دیکھتے غرایا۔  
حکم وہ شوہر دیتا اچھا لگتا ہے؟؟ جس نے شوہر ہونے  
کا فرض نبھایا ہو۔ فرشتے اپنی کلائی چھڑواتی دراب  
زراب کی طرف بڑھی۔۔۔ حیدر خان پھر سے اس  
کی کلائی جکڑ گیا تھا۔



تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔۔ یہ میرا آخری فیصلہ  
ہے۔۔ اگر تم نے اس کمرے سے باہر قدم رکھا تم  
حیدر حاکم خان کا اصل روپ دیکھو گی۔ وعدہ کرتا  
ہوں تمہارے سارے بھائیوں کے ٹکڑے ٹکڑے  
کر ڈالوں گا۔ کسی نے بھی تم لوگوں کو مجھ سے چھیننے  
کی کوشش کی۔۔ سب کی بربادی کی ذمہ دار تم ہو

گی۔۔ نہ مکھارے بھائی زندہ رہیں گے نہ مکھاراشوہر  
۔۔ ہر طرف جنازے اٹھیں گے۔۔ حیدر خان نے  
سر دلچے میں دھمکی دی۔

میں بھی وعدہ کرتی ہوں قسم کھاتی ہوں آپ کے  
بیٹوں کی۔۔ آج آپ نے مجھے روکا۔ میں اپنا دودھ  
آپ کے بیٹوں پر حرام کر دوں گی۔۔ اب سوچ لیں

رحمی سے سپاٹ لہجے میں بولتے حیدر خان کا وجود  
کاٹ گئی تھی۔۔

اتنی بے رحم میری فرشتے کیسے ہو سکتی ہے؟؟  
حیدر نے کرب سے سوال کیا۔

آپ نے مجھے ایسا بنایا۔ فرشتے جو اباز خمی مسکرائی  
تھی۔

حیدر فرشتے کو زخمی نگاہوں سے دیکھتا اس کی کلائی آزاد  
کر چکا تھا۔

فرشتے چادر سے اپنا چہرہ ڈھکتی دراب زراب کو  
بانہوں میں اٹھا چکی تھی۔ حیدر خان اپنی سرخ

آنکھیں اپنے بازو سے رگڑتا گاڑی کی چابیاں اٹھائے  
فرشتے کے ہمراہ ہوا۔

---

zubinovelzone.com

رمز عشق P

تحریر نور آصف

part2 قسط 115

ابرش اپنے کمرے کے گلاس وال کے سامنے کھڑی  
باہر لان سے نظر آتے بڑے سے کارپورٹیکو پر نظریں  
جمائے ہوئے تھیں۔

اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔ وہ اس وقت  
وائٹ کالر کی سلک کی لانگ گاؤن نائٹی میں ملبوس  
تھی۔

زاران کی گاڑی کو کارپورٹیکو میں داخل ہوتے دیکھ کر  
ابرش کی آنکھوں سے شعلے سے لپکے تھے۔

وہ اپنے ہر عمل سے ثابت کر چکا تھا وہ اس سے  
محبت کرتا ہے۔ اس کی زندگی میں صرف وہی ہے۔ جس  
طرح پلوشہ کے گال پر تمپڑ مار کر اسے اس حویلی سے  
نکالا تھا۔ زاران کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک اپنے

بولے گئے ہر لفظ پر شرمندہ تھی۔ کل صبح سے وہ  
زاران کا انتظار کر رہی تھی۔ اور ہمیشہ کی طرح وہ اس  
کے پاس نہیں تھا۔ صبح سے رات ہو چکی تھی۔  
- ملازمہ کتنی بار اسے کھانے پر بلانے آ چکی تھی۔ وہ  
کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا  
زاران کی غیر موجودگی میں اسے بار بار کھانے کے لیے  
بلایا گیا تھا۔ اس کے نہ جانے پر کھانا اس کے  
کمرے میں بھجوا دیا گیا۔ --



زاران نے اس کی اہمیت سب پر اچھی طرح واضح کر دی تھی۔۔۔ مگر وہ کل صبح سے حویلی نہیں آیا تھا۔۔

رات سے وہ اس کی پسندیدہ آف وائٹ نائٹی میں ملبوس تھی۔۔۔ رات سے اس پر ایک ایک لمحہ بھاری پڑ رہا تھا۔۔۔ پوری رات اس نے گلاس وال کے آگے کھڑے اس کا انتظار کرتے گزاری تھی۔۔۔ دل میں غم و غصے کا طوفان اٹھ رہا تھا۔۔۔ ایسی کونسی امپورٹنٹ میسجنگ تھی جو کل صبح سے وہ اسلام آباد میں تھا۔

دل میں پھر سے خدشے سر اٹھا رہے تھے۔۔

اففف۔۔۔۔۔ ابرش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔ کل

وہ اس کے اتنے قریب آ کر آرام سے گہری نیند سو گیا

تھا۔ وہ ایک پل سو نہیں سکی تھی۔۔ وہ گہری نیند سوتا

رہا تھا۔ سات ماہ بعد تو مسٹر خانزادہ کی بے چینیاں

عروج پر ہونی چاہیے تھیں۔ آخر بیوی تھی اس

کی۔۔۔ اس کی کمزوریوں سے واقف تھی۔۔ وہ کیسے ایک

کمرے میں اس کے بغیر رہ سکتا ہے۔ محبت نہ سہی

اپنی ضرورت ہی پوری کر لیتا۔۔ مگر اس نے تو اس کے  
وجود سے اپنی ضرورت بھی پوری نہیں کی۔۔

ابرش نے اپنے سیل فون ہاتھ میں پکڑے اس کا  
میسج پڑھا۔۔ جسے جب جب وہ دیکھتی تھی وہ بری طرح  
جلتی تھی۔

سویٹ ہارٹ مائی جان!! جل جل کر اپنا خون مت  
ضائع کرنا۔۔ میں ایک میٹنگ میں ہوں۔ صبح ہونے  
سے پہلے تمہارے پاس ہوں گا۔

Your man

only one

woman man

My die heart fan

ابرش جب جب یہ میسج دیکھتی اس کے خون میں  
شہرارے سے پھوٹ رہے تھے۔ یعنی وہ جانتا تھا سات  
ماہ اسے میسج کرنے والی وہ ہی تھی۔۔۔ پھر بھی وہ  
اسے انور کرتا رہا۔۔۔ وہ سچ میں بے حس تھا۔۔۔ ابرش نے  
گہرے سانس لیتے اپنے غصے پر کنٹرول کیا۔  
زاران کے کمرے میں داخل ہونے پر وہ زاران کو  
دیکھتے رخ موڑ گئی تھی۔۔۔ وہ صبح والے لباس میں  
ملبوس نہیں تھا۔ اب وہ بلیک جینز پر بلیک شرٹ اور  
بلیک لیڈر جیکٹ میں ملبوس تھا۔ یعنی وہ اپنے بنگلے سے

آ رہا تھا۔ ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی مٹھیاں  
دبوچیں۔ بنگلے میں ایسا کیا کام تھا اسے وہاں پر جانا  
پڑا۔۔ ابرش لب بھیچے خود گہرے سانس لیتے خود پر قابو پا  
رہی تھی

زاران کی براؤن پرکشش آنکھوں کا مرکز اس کے گہرے  
سانس لیتے وجود سے اس کی دبوچی ہوئی مٹھیوں پر  
تھا۔ زاران کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ اب

نگاہیناس کے بالوں سے ٹپکتے پانی کی بوندوں پر تھیں  
جو اس کی سلک کی نائی کو مکمل بھگو چکا تھا۔

زاران کی گرم نگاہوں کی حدت بڑھی تھی۔ اس کا بھیکا  
سراپہ اس کی آنکھیں پل میں خمار الود کر چکا تھا  
۔۔ یقیناً وہ اپنا غصہ بار بار شاور لے کر اتار رہی تھی۔۔

وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا اس کی طرف بڑھتے اسے پیچھے  
سے اپنی بانہوں میں بھرتے اس کے پیٹ پر اپنے  
ہاتھ مضبوط کرتے اسے اپنے چوڑے سینے سے لپٹا گیا

چھوڑو مجھے زاران۔۔۔۔۔ابرش۔۔۔۔۔غصے سے بلبلائی  
تھی۔۔

کیوں چھوڑوں میں میری ڈائی ہارڈ فین؟؟۔۔۔۔۔زاران  
نے مسکراتے ہوئے اس کی کان کی لو پر اپنے لب  
رکھے ت

میں تمہاری ڈائی ہارڈ فین نہیں ہوں سمجھے تم؟؟ابرش  
نے رخ پلٹتے زاران کی آنکھوں میں دیکھتے غصے سے  
لفظ چبائے تھے۔



رٹیلی۔۔۔۔۔ وہ تم نہیں ہو۔۔۔۔۔ پھر سات مہینے کون  
پاگل تھا؟؟؟ جو مجھے پل پل میسج کرتا تھا۔۔۔ اکثر رات  
کو سوتے ہوئے اس کی سانسوں کا رقص فون پر سنا  
ہے۔ تمہاری طرح اسے بھی مجھ پر بلیک کلر پسند نہیں  
تھا۔۔۔ مجھ سے اتنی محبت کرنے والی لڑکی تو ایک ہی  
ہو سکتی ہے۔ اس لیے مجھے لگا وہ میری خوبصورت بیوی  
ون لینڈ اونلی مائی ابرش ہی ہو سکتی ہے۔۔۔ مائی  
وومن۔۔۔۔۔ زاران نے اپنی سلگتی سانسیں اس کے

سرخ لبوں پر چھوڑیں جنھیں وہ کاٹ کاٹ کر سرخ  
کر چکی تھی۔۔

میں نہیں ہوں وہ۔۔۔۔۔ ہو سکتا کوئی اور ہو۔۔۔۔۔ میں  
کیوں تمھیں فون کرنے لگی؟؟۔۔ مجھے اپنی سیلف  
رسپیکٹ بہت عزیز ہے۔۔۔ تم جیسے سیلفش انسان کو  
میں کیوں فون کروں گی؟؟ میسج کروں گی؟؟ جو اتنی  
بری حالت میں مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ جب مجھے  
مسٹر خانزادہ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ میرے  
پاس نہیں تھا۔ ابرش نے شبیہ لہجے میں کہتے اپنی

بھگی شکوہ کناں نگاہیں زاران کی براون آنکھوں میں  
گاڑھیں۔ وہ بہت سی تلافیاں کر چکا تھا۔ ایک اس بات  
کی تلافی رہتی تھی وہ اس کی آہ و پکار سنتے ہوئے بھی  
اسے بے رحم بنا چھوڑ کر جا چکا تھا۔۔ اسے ان سات  
.. مہینوں کا حساب جاننا تھا مقابل کی تڑپ جانی تھی  
کیا وہ بھی اس کے لیے اس کی طرح بے قرار تھا؟ کیا  
وہ بھی اس کی جدائی میں روز جیتا مرتا تھا۔ اسے زاران  
خانزادہ کے دل کا ہر احساس جاننا تھا۔ مقابل کے دل  
میں چھپی اپنے لیے شدید محبت جانی تھی۔

ان سات مہینوں کا حساب کتاب چھوڑ کر ہم اپنی  
آنے والی زندگی کو خوبصورت بنانا چاہیے۔۔ سات مہینے  
پہلے جو ہوا۔ شاید تمہارے لیے اتنا تکلیف دہ نہیں رہا  
جتنا میرے لیے رہا۔۔ اس لیے چھوڑو سب کچھ۔۔۔۔۔  
ہم آج رات خوبصورت بناتے ہیں۔ مجھے تمہاری خوبصورت  
سانسوں اور تمہاری خوبصورت بانہوں کو محسوس کرتے  
اپنی سات مہینے کی ہر تھکن اتارنی ہے۔۔ ہر تشنگی  
تمہارے بدن کے پور پور سے اپنے سلگتے لبوں سے سے

مٹانی ہے۔ اپنے حلق میں اگتے کانٹوں کو تمھارے ان  
 لبوں کا جام پی کر راحت دینی ہے۔۔۔ ان برفیلی  
 راتوں کو اپنے بدن کی گرمی سے گرم کر دو۔۔۔ یہ  
 برفیلی ہوائیں تمھارے مسٹر خانزادہ کو سرد برفیلا بنا چکی  
 ہیں۔ اس سے پہلے میں گلشیر بن جاؤں اپنے دہکتے  
 لب میرے سینے پر رکھ کر مجھے پگھلا دو۔۔۔ زاراں گھمیر  
 آواز میں بولتے اس کے چہرے کے نقوش پر اپنے  
 سلگتی سانسیں چھوڑتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے  
 اے جھٹکے سے اپنے قریب کر گیا تھا۔

ابرش کے دہکتے لب اس کی ٹھوڑی سے آن نکرائے  
تھے۔۔ دونوں کی سانسوں کی مہک ایک دوسرے کی  
سانسوں میں گھل رہی تھی۔ بلکہ سانسوں کی ادورفت  
بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔

زاران کے بدن کی مراد نہ خوشبو اس کے حواس بری  
طرح معطل کر گئی تھی۔ ابرش کے بدن کی گلاب  
خوشبو سے زاران کی اس کی نازک کمر پر گرفت بہت  
مضبوط ہوئی تھی۔

ابرش نے اس سے دور ہونا چاہا وہ وہ اسے کی کمر کو  
جکڑے قریب کر گیا۔۔

چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ کل مجھے خود سے دور کیا تھا  
۔ ابرش نے گہری ہوتی سانسوں سے زاران کی آنکھوں  
میں دیکھتے کہا۔

آج چانسز ہی نہیں۔۔۔ آج دور جاؤں گا تو مر جاؤں  
گا۔۔ زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس جھٹکے سے پھر  
سے اپنے قریب کر گیا۔۔ ابرش کے کپکپاتے لب پھر  
سے اس کی ٹھوڑی سے آن لکرائے تھے

ابرش نے اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر شدت سے رکھے  
تھے -- زاران اسے مزید اپنے قریب کرتے اپنے ساتھ  
لپٹا گیا۔

ابرش کے لب اب اس کی ٹھوڑی سے ہوتے اس کی  
گردن کو چھونے لگے۔

زاران کی باتھ بے باکی سے اس کی کمر سے لپٹا اسے  
بے باکی سے چھو رہا تھا -- ابرش کے پرحدت دہکتے لب



زاران کی گردن کو نرمی سے چھو رہے تھے ۔۔ زاران  
نے مدہوشی میں اپنی آنکھیں بند کیں۔

وہ اس کی گردن پر اب اپنے موتیوں جیسے دانت  
گاڑھتے لوہاٹ بناتے زاران کے پورے وجود کو آگ  
کی بھٹی کی طرح گرم کر چکی تھی۔

زاران اپنی جیکٹ اتارتے اسے اسی لمحے بیڈ پر دھکیل  
گیا تھا۔ اپنی شرٹ اتارتے ہوئے وہ ابرش کی طرف  
برہتا اس پر مکمل طور پر حاوی ہوا۔

ابرش کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کو اٹھاتے اس  
کے وجود کو گاؤن سے ریوڑ کر گیا تھا۔ وہ نیٹ کی  
باریک گھٹنوں تک آتی نائی میں ملبوس تھی۔ ابرش کے  
چاندی جیسے وجود کو دیکھتے زاران کی آنکھیں خمار آلود  
ہوئیں تھیں۔

ابرش اس کی گردن میں بانہیں حائل کرتے اس کی  
آنکھوں میں دیکھتے مسکرائی۔

زاران مزید بہکا تھا۔۔۔۔۔ وہ اپنی انگلیاں اس کے گلابی  
تپش زدہ عارض پر نرمی سے پھیرنے لگا۔

تم بہت خوبصورت ہو مس امریکہ۔۔۔۔۔ تمہاری ہر  
ادا مجھ پر ڈھائے گئے تمہارے ہر ستم پر تمہارا مسٹر  
خانزادہ تمہارا دیوانہ ہوتا جا رہا ہے۔۔۔ وہ اس کی کمر میں  
ہاتھ ڈالے اسے اوپر کرتے اس کی گردن پر اپنے  
سلگتے لب رکھ گیا۔۔۔ ابرش اسے بیڈ پر دھکیلتے اس

کے اوپر آئی تھی۔ زاران کی پیشانی پر نرمی سے اپنے  
لب رکھتے اس کی ناک کی ٹپ پر لب رکھتے اس کی  
ٹھوڑی کو چھوتے اس کے برسنہ سینے پر نرمی سے  
اپنے لب رکھے تھے۔۔ اپنا تمام وجود زاران کے چٹائی  
وجود پر منتقل کرتے ابرش نے زاران کی بہکتی سلگتی  
خمار آلود آنکھوں میں دیکھا جہاں اس کی طلب نشہ بن  
کر دوڑ رہی تھی۔

زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اس کے بالوں کو  
گدی سے جکڑتے اسے اپنے قریب کرتے اس کے

لبوں کو اپنے لبوں میں دبانے لگا تھا کہ ابرش نے اس

کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھا

زاران نے اپنی الجھن بھری سرخ آنکھیں ابرش پر  
گاڑھیں۔۔۔ جو اسے کس کرنے سے روک چکی تھی۔

ہم آج سے سات ماہ پہلے کا حساب کتاب نہیں  
کرتے مسٹر خانزادہ۔۔۔ آج کی رات اور دن کا حساب  
کتاب تو کر سکتے ہیں نا۔۔۔۔ ابرش نے زاران کی  
الجھن بھری نگاہوں میں دیکھتے سنجیگی سے کہا۔

زاران کا سارا خمار بھک سے اڑا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی یہ  
ادا بھول ہی چکا تھا۔ وہ ایسے ہی نازک لمحات میں اسے  
اپنی اداؤں میں ٹریپ کرتے سوال جواب کرتی تھی۔ یا  
اپنا غصہ اتارتی تھی۔۔

کیا مطلب اس بات کا؟؟ ان نازک لمحوں میں تمھاری  
سوئی کہاں انکی ہے۔۔ تم یہ سب کچھ مجھے بہکانے  
کے لیے کر رہی تھی تاکہ یہ جان سکو۔۔ میں کہاں  
تھا۔ زاران نے لب بھینچے غصے سے کہا۔

وہ اس ٹائم کوئی بحث نہیں چاہتا تھا نہ زبردستی کرنا  
چاہتا تھا۔ امریکہ میں زبردستی کے دوران اس نے اسے  
بہت تکلیف پہنچائی تھی۔۔۔ یہ اس کے چاندی جیسے  
وجود پر اپنی شدتوں سے ظاہر تھا جو ابھی بھی ویسے ہی  
آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

اس کے دودھیا وجود پر اتنے گہرے نشان اسے خود پر  
غصے میں مبتلا کر گئے تھے۔

تمھاری آج کوئی میسنگ نہیں تھی۔۔۔ بلکہ آج تمھاری  
پارٹی کے ارکان کی میسنگ عبدالحق کے گھر پر تھی۔۔۔ مگر

وہاں تم نہیں تھے اور نہ وہ ستارہ خان تھی۔۔ تم کہاں  
تھے مسٹر خانزادہ؟؟۔۔ ابرش نے زاران کی آنکھوں میں  
دیکھتے شعلہ بار لہجے میں سلگتے ہوئے پوچھا۔

تم نے مجھ پر نظر رکھی ہوئی ہے ابرش۔۔۔۔ زاران کے  
لہجے میں بے یقینی سی تھی۔۔

زاران جب اس ڈائی ہارٹ فین جو امریکہ میں تھی  
اسے تمہارے پل پل کی خبر ہو سکتی تھی۔۔۔۔ یہاں  
پاکستان میں ہو کر تمہیں کیا لگتا ہے مجھے تمہارے  
بارے میں خبر نہیں ہو گی۔۔۔ تم کہاں تھے



زاران؟؟ ابرش نے مہیگے لہجے میں استفسار کرتے اس  
کی آنکھوں میں جھانکا۔

کون ہے وہ جو تمہیں میری خبریں پہنچاتا ہے۔۔ زاران  
نے جبرے بھینچتے ابرش کی آنکھوں میں دیکھتے اس کے  
بالوں کو گدی سے جکڑتے غراتے ہوئے پوچھا۔

کوئی نہیں زاران کون ہو سکتا ہے؟؟۔۔ عبدالحق کے  
بنگلے میں سنگ تمھی یہ بات مجھے میڈیا سے پتہ  
چلی۔۔۔ ابرش نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

جھوٹ مت بولو ابرش-----آج کی میٹنگ افیشلی  
نہیں تھی----اس کے بارے میں میڈیا میں اعلان  
نہیں کیا گیا تھا۔ زاران نے اسے بالوں پر اپنی گرفت  
مضبوط کرتے اپنی خون اشام نگاہیں اس کی آنکھوں  
میں گاڑتے غرایا۔---

زاران میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔ کوئی نہیں ہے۔ مم  
میں تو ایسے ہی۔۔۔ زاران اسی لمحے ابرش کو خود سے  
دور دھکیلتا بیڈ سے اٹھا۔

ابرش نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو ڈریسنگ کی طرف  
بڑھا تھا۔

زاران نک ڈریسنگ کی طرف بڑھتے ابرش کا فون اٹھایا۔۔  
زاران یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟؟ ابرش بیڈ سے اٹھتے  
اس کے مقابل آئی۔ رنگت لمحوں میں فق ہوئی تھی۔  
ابرش کے آپ کہنے پر زاران کے شک میں اضافہ ہوا  
تھا۔

اس کا پاسورڈ بتاؤ ----- زاران نے فون اس کے

سامنے لہرایا تھا۔

زاران ----- آپ -----

پاسورڈ بتاؤ زاران حلق کے دھاڑا تھا

ابرش منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح لرزا ٹھھی تھی --

5969

ابرش نے دُرتے ہوئے کپکپاتے لبوں سے بتایا۔

زاران نے ابرش کا فون ان لاک کرتے اس کی کال  
ہسٹری چیک کی۔

رحمان خان کے نام پر زاران نے لب بھینچے تھے۔۔  
تم رحمان کے ذریعے م میری جاسوسی کر رہی تھی۔۔  
زاران اسے کلائی سے جکڑے دیوار میں پٹخ چکا تھا۔  
زاران وہ میں۔۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے پکارتے  
زاران کی آنکھوں میں دیکھا۔

کیا میں۔۔۔۔ میرے گارڈ سے تم نے بات کی۔۔ مجھ  
پر نظر رکھی۔۔ زاران پاگل ہوتا چیخا تھا۔

زاران۔۔۔۔ میرا یقین کرو۔۔۔۔ مم میں نے آج پہلی  
مرتبہ بات کی۔۔۔۔ تم چیک کر سکتے ہو صرف پانچ  
منٹ بات ہوئی ہے۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے  
کہا۔

آج بھی کیوں کی؟؟ اور پانچ منٹ بھی کیوں کی تم  
نے؟؟ زاران بدحواس ہوتا دھاڑا تھا۔

زاران وہ ----- آپ ----- کو ----- دیر ہو گئی  
تھی --- میں ---

نے اس سے پوچھا تھا تمہارا میرا مطلب ہے آپ کب  
نمبر نہیں مل رہا۔۔ میں نے صرف اس سے تمہارے  
بارے میں پوچھا کہ آپ کہاں ہیں۔ ابرش نے زاران  
کو شدید غصے میں دیکھتے مشکل لفظ ادا کیے تھے۔

نمبر کہاں سے لیا؟ زاران نے اس کے گرد اپنے ہاتھ  
محسوس کرتے اس کے چہرے پر سلگتی سانسیں  
چھوڑتے پوچھا۔۔

تمہارے۔۔۔۔۔آپ۔۔۔۔۔کے فون سے۔۔۔۔۔ابرش نے

لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکائی تھیں۔

زاران کچھ پل اس کی جھکی نظریں دیکھتا رہا۔ وہ اس

کے حصار میں اب بری طرح لرز رہی تھی۔

تم نے بہت سی غلطیاں کی ہیں۔ مگر آج تم نے

بہت ہی گھٹیا حرکت کی ہے۔۔۔



میرے لیے یہ زلالت کی بات ہے میری بیوی میرے  
گارڈ کو فون کر کے میرے متعلق پوچھ رہی  
ہے۔۔۔ میری انویسٹی گیشن کر رہی ہے۔

ایک خان کی بیوی ہو تم۔۔۔ تمہیں سر سے پیر تک  
ڈھکا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم باہر نکلو میرے گارڈز تمہیں  
دیکھ کر اپنی نگاہیں جھکا لیں اتنی عزت تمہاری چاہتا  
ہوں۔ تمہیں لگتا ہے۔۔۔ تمہارے فون کال کا اس نے  
کسی سے ذکر نہیں کیا ہو گا۔۔۔ اور کیا کیا مطلب

نہیں نکالا ہو گا۔ زاران نے تپش ذدہ لہجے میں اس کی  
جھکی نظروں پر اپنی دہکتی سانسیں چھوڑیں --

میرے فون کا پاسورڈ کیسے پتہ چلا تمہیں۔ زاران نے  
اس کا جبراً نرمی سے دبوچتے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے  
سرد لہجے میں پوچھا۔

تمہارے۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ کی فنگر پرنٹ سے موبائل ان  
لاک کیا تھا۔ کل رات جب تم سو رہے تھے۔۔۔۔۔ ابرش  
کی بات پر زاران کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس پر غصہ  
کرے یا بنے۔۔۔۔۔ کہیں سے نہیں لگتا تھا وہ بائیں

سال کی امریکہ سے آئی ہوئی لڑکی ہے -- وہ اس کے  
معاملے میں بہت شدت پسند اور جذباتی تھی وہ سمجھتا  
تھا -- مگر یہ حرکت بہت عجیب تھی --

تمہیں لگتا ہے میں ستارہ خان کے ساتھ انوالو  
ہوں۔ زاران نے لب بھینچے پوچھا۔

مجھے ایسے نہیں لگتا زاران -- مگر تم اپنے ایکٹ سے  
ثابت کرتے ہو میری ویلیو تمہاری زندگی میں صفر  
ہے -- ابرش کی بھگیے لہجے میں کہی ہوئی بات پر زاران  
نے بری طرح جبرے بھینچے --

میں جانتی ہوں تم کہو گے کہ تم پوری حویلی میں میری  
اہمیت بتا چکے ہو۔۔ میں جانتی ہوں میں تمہاری عزت  
ہوں۔۔ بیوی ہوں۔۔ تم مجھے کبھی خود سے جدا نہیں  
کرو گے۔۔ میری عزت کی حفاظت بھی کرو گے۔۔ اپنے  
بچوں کی ماں بھی شاید مجھے بناؤ۔۔ ابرش کے شاید کہنے  
پر زاران نے تاسف سے سر نفی میں بلایا۔۔

مگر تم ایک خان ہو۔۔ تمہارے نزدیک دوسری شادی  
کرنا کوئی عیب نہیں۔۔۔۔۔ تمہارے گھر والے دوسری  
شادی کی بات ایسے کرتے ہیں جیسے یہ بہت نارمل



ہے۔۔ تمہاری مورے اور تم میرے ساتھ کیا کر چکے  
ہو تم سمجھ نہیں سکتے زاران۔۔۔ میں مینٹلی سک وو  
میں نہیں ہوں۔۔ تمہیں کسی دوسری عورت سے شہیر  
نہیں کر سکتی۔۔۔ پلوشہ اور تمہاری مورے مجھے برباد کر  
چکے ہیں۔۔۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔۔۔ ابرش نے  
بھیگے لہجے میں کہتے زاران کی آنکھوں میں آنکھیں  
گاڑھیں۔۔

زاران گہرا سانس لیتا پیچھے ہوا تھا۔

ابرش دیوار کے ساتھ لگے اسے نم نگاہوں سے دیکھ رہی  
تھی۔۔

زاران نے گہرے سانس لیتے جبرے بھینچتے ڈریسنگ  
ٹیبل کی طرف بڑھتے تمام چیزیں ایک ہی جست سے  
نیچے پھینکتے مر میں ابرش کا عکس دیکھتے خود پر قابو پایا  
تھا۔

وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی اپنی اہمیت۔۔۔ وہ اس کا  
تھا صرف۔۔۔ وہ مر کر بھی صرف اس کا تھا۔ مگر وہ  
سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ سمجھتا تھا اس کے ساتھ

بہت زیادتی ہوئی ہے۔۔۔ جب پلوشہ پہلے دن ان کے  
درمیان آئی تھی۔ اسے اس دن ہی نکال باہر کرنا چاہیے  
تھا۔ چار مہینے اس نے ذہنی کرب میں گزارے  
تھے۔۔۔ اس کا رویہ بہت حد تک جسٹیفائی تھا۔ مگر  
اب وہ اپنے رویے سے اسے بھی تکلیف پہنچا رہی  
تھی۔۔۔ ابرش کی گارڈ کو فون کرنے والی حرکت اسے  
طیش و اشتعال میں مبتلا کر چکی تھی۔



زاران جبرے بھینچتے ابرش کے عکس کو مر میں دیکھتا  
رہا وہ لب کاٹتے اپنے آنسوؤں کو عارض پر بہنے سے  
روک رہی تھی۔

زاران گہرے سانس لیتے اس کی طرف بڑھا۔  
میرا یقین کرو ستارہ خان سے میرا کوئی تعلق نہیں  
ہے۔۔۔ میرا یقین کرو۔۔۔ میں آج ستارہ خان سے نہیں  
ملا۔

میری زندگی میں آنے والی تم پہلی اور آخری عورت  
ہو۔۔۔ ہمممم۔۔۔ زاران نے نرمی سے اس کی ٹھوڑی  
چھوئی۔۔۔

ابرش نے بھیگے لہجے میں اثبات میں سر ہلایا۔۔

اب جاؤ سو جاؤ تمہیں آرام کرنا چاہیے۔۔ ہمممم زاران  
کی بات پر ابرش نے بے یقینی سے دیکھا۔۔

وہ کیا کہہ رہا تھا وہ اس کا ہے۔۔ یہ یقین دہانی تو  
اسے اس کی بانہوں میں لٹ کر بکھرتے چاہیے  
تھی۔۔ وہ اس کا ہے۔۔ یہ لفظ وہ اس کے سینے میں  
سماتے سننا چاہتی تھی۔۔ وہ عورت ہو کر اس کی  
ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ وہ مرد ہو کر اس کے دو  
آتش وجود کو آج پھر سے ٹھکرا رہا تھا۔ ابرش نے اپنی  
گھٹنوں تک آتے باریک نیٹ میں بہکتے وجود کو دیکھا جو  
سامنے کھڑے انسان کو اس کا دیوانہ نہ بنا سکا تھا۔

زاران نے اپنی شرٹ زمین سے اٹھائے پہنتے ہوئے  
اپنی جیکٹ پہنی تھی۔۔ گاڑی کی چابیاں اٹھائے  
دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

دروازے کے بیچ وہ رکا تھا۔۔ سوات کی سڑکوں پر کچھ  
دیر ڈرائیو کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ تم سو جاؤ کچھ دیر تک آ  
جاؤں گا۔

زاران کہتے دروازے کی طرف بڑھا۔ پلٹتے ہوئے ابرش  
کو دیکھا جو اسے دیکھ رہی تھی۔۔

میرے فون سے ستارہ کا نمبر بھی لیا تھا۔۔ زاران نے  
سنجیدگی سے پوچھا۔۔

نہیں۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ اس کا نہیں۔۔۔۔۔ لیا۔۔ ابرش  
نے سر نفی میں بلایا تھا۔

زاران نے سرد سرخ نظر اس پر گاڑھی تھی۔۔  
لیا تھا اس کا نمبر بھی۔۔۔ ابرش نے اس کی سرد سرخ  
نظر پر نظریں جھکائے کہا۔

زاران گہرا سانس بھرتا کمرے کا دروازہ کھولتا نکل گیا  
تھا۔

حیدر خان مردانے کے سنگ ایسا میں راکنگ چیئر پر  
جھولتے ہوئے انگلیٹھی میں دہکتے ہوئے کوئلوں پر نظر  
جمائے ہوئے تھا۔ وہ کوئلے صرف انگلیٹھی میں ہی نہیں

دہک رہے تھے۔ بلکہ اس کے دل میں بھی دہک رہے  
تھے۔ وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس اپنی گھنی مونچھوں  
پر ہاتھ پھیرتے کب سے انگلیٹھی میں موجود دہکتے  
کوئلوں کو دیکھ رہا تھا۔ رات گہری اور برف سے بھی  
زیادہ سرد تھی۔ جسے دہکتی انگلیٹھی بھی گرم نہ کر سکی  
تھی۔

میرے لیے شاہ نواز سے بھی بدتر ثابت ہوئے!!  
۔۔ اس انسان نے کبھی میرے کردار پر وار نہیں

کیا۔۔ مگر آپ کی وجہ سے بار بار میرے کردار پر حملہ

!! ہوا

فرشتے کے لفظ یاد کرتا وہ راکنگ چنیر سے اٹھتا انگلیٹھی  
کی طرف بڑھتا پنچوں کے بل بیٹھتا انگلیٹھی میں موجود ایک  
دہکتے کوٹے کو پکڑے اپنے زخمی ہاتھ کی مسٹی میں دبا  
گیا تھا۔

تکلیف سے اس کی سرخ آنکھیں نم ہوئی تھیں۔ وہ  
دانت پر دانت جمائے وہ تکلیف برداشت کرنے  
لگا۔ بدن کی تکلیف اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی



تھی۔ وہ تو سینے میں اٹھتی درد اذیت سے مر رہا تھا۔ وہ  
حیدر حاکم خان تھا جو زندگی میں کبھی بے بس نہیں ہوا  
مگر آج خود کو بے بسی کی انتہا پر خود کو محسوس کر رہا۔  
تھا۔

سوات میں موجود آدھے ہوٹلوں کا مالک ---- سینکڑوں  
کلیج کا مالک ---- بڑے بڑے پہاڑ ---- زمینوں کا  
مالک اکلوتا وارث تھا۔۔۔ اگر دراب زراب نہیں تو کیا  
کرتا وہ یہ زمینیں جائیدادیں ---- کیا کرتا ان بڑی  
بڑی حویلیوں کا۔۔۔ حیدر خان نے نظریں گھماتے اپنی

عالیشان حویلی کو دیکھتے وہ کرب سے نظرے جھکائے  
زحمی سا ہنس دیا تھا۔

آپ کی وجہ سے آج میں بے پردہ ہوئی۔۔ آپ کی!!  
وجہ سے آج مجھے غیر مردوں نے دیکھا۔۔ آپ جیسے کمزور  
مرد سے مجھے کیوں محبت ہوئی؟؟۔۔۔ آپ کیوں میری  
زندگی میں آئے۔۔ اگر آ ہی گئے تھے یہ ضروری تھا آپ  
میری روح میں سماتے۔۔۔۔۔ یہ ضروری تھا میرے دل  
!! پر آپ کا نام لکھا جاتا

حیدر خان کوٹلی مٹھی میں دبائے درد و کرب سے حلق  
کے بل چینا تھا۔

---

رقیہ خانم زنان خانے کے لاونج میں کب سے ٹہل رہی  
تھیں۔ حیدر خان نے واپس آکر ان سے ملاقات نہیں  
کی تھی۔۔۔ وہ جب سے آیا تھا مردانے میں ہی تھا۔

وہ حیدر خان کی آنکھوں کی سرخی اور نمی بھول ہی  
نہیں پارہی تھیں۔۔ اس کے الفاظ تو ان کے دل میں  
جیسے کھب گئے تھے۔۔

کاش نہ پلاتی دودھ مورے۔۔ اتنی بار قرض مان چکی!!  
ہیں کہ میں ادا کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب تو  
گرومی رکھوانے کے لیے بھی میرے پاس کچھ نہیں بچا  
۔ ایک جان ہی بچی ہے۔ کہیں تو وہ بھی دے دیتا  
!! ہوں

رقیہ خانم حیدر خان کے لفظ یاد کرتے تب سے ہی رو  
رہیں تھیں۔ حیدر خان کبھی ان سے یہ الفاظ کہے گا وہ  
سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ مگر وہ لفظ اور حیدر خان  
کی آنکھوں میں کرب یاد کر کے وہ مر رہی تھیں  
جیسے۔۔۔۔

وہ حیدر خان کی زندگی میں فرشتے کو اس لیے برداشت  
نہیں کر سکیں تھیں کہ وہ ان کے علاوہ کیسے کسی  
سے اتنی محبت کر سکتا تھا؟۔ کیسے ان کی حکم عدولی  
کر سکتا تھا؟ وہ بھی ایک بانجھ اور طلاق یافتہ لڑکی

کے لیے۔۔۔ حیدر خان ان کا اتنا فرمانبردار تھا کہ وہ اس کی نا کبھی کسی معاملے میں برداشت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ وہ کرتا بھی نہیں تھا وہ بچپن سے ہی ان کے ہر فیصلے کے اگے سر جھکاتا آیا تھا۔ اتنی محبت اتنا احترام کرتا تھا کہ ان کے سامنے نظریں نہیں اٹھاتا تھا۔۔۔ پانچ سال سے لے کر اکتیس سال کے مرد ہونے تک اس نے اپنی نظریں ان کے سامنے نہیں اٹھائی تھیں۔ وہ حیدر حاکم خان جس کے غصے سے حاکم خان بھی دبتے تھے۔ وہ ان کے سامنے دبتا تھا۔ فرشتے

سے وہ شدید حسد کرتی تھیں۔ حیدر خان نے اوزگل کو  
ٹھکرا کر فرشتے جیسی بانجھ لڑکی کو اپنایا تھا۔ انھیں لگا  
وہ جلد فرشتے کی محبت کا بھوت حیدر خان کے سر  
سے اتار دیں گی۔۔ مگر فرشتے کی معصومیت اور اس  
کے وجود سے عجیب سی لپکتی کشش محسوس کرتے  
وہ دن رات پریشان رہنے لگی تھیں۔ پہلا دھچکا انھیں  
تب لگا جب حیدر کی پہلی رات کی قربت کے بعد  
انہوں نے فرشتے کا مہکتا روپ دیکھا تھا۔ کہیں سے  
نہیں لگ رہا تھا وہ پانچ سال کی آوازی زندگی گزار کر

آئی ہے -- وہ سب کے درمیاں سرخ سی نظریں  
جھکائے گھبراتے ہوئے شرما رہی تھی۔ مہمان خواتین  
کے سامنے نظریں نہیں اٹھا رہی تھی۔ اور ایسا روپ آیا  
تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اٹھارہ سال سے بھی کم عمر  
دوشیزہ ہو -- جسے حیدر خان سے پہلے کسی نے چھوا بھی  
نہ ہو۔

فرشتے کی معصومیت اور اس کا بھڑکتا حسن دیکھ کر وہ  
لگے دن ہی پریشان ہو گئی تھیں۔ ایک رات میں ان  
کے بیٹے نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ فرشتے کی



معصومیت اور خوبصورتی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ  
اسی دن بہت ڈر گئی تھی۔ فرشتے کی معصومیت  
خوبصورتی اور حیدر خان کی آنکھوں میں فرشتے کے لیے  
دیوانگی دیکھ کر وہ حسد میں مبتلا ہو جاتی۔۔ اور فرشتے کا  
بانجھ پن انھیں بری طرح چبھنے لگتا۔۔ حیدر خان کو  
وہ اپنی ملیکت سمجھتی تھیں۔ جب وہ فرشتے کو لے کر  
اپنے ساتھ اپنے ہوٹل کچھ دنوں کے لیے گیا تو فرشتے  
کے لیے ان کے دل میں حسد و رقابت میں اضافہ ہوا  
تھا۔ حیدر خان نے اس دوران ان کا فون کانا تو وہ غم

و غصے سے پاگل ہو گئیں۔ وہ ان پر ایک طلاق یافتہ  
بانجھ لڑکی کو فوقیت دے رہا تھا وہ برداشت نہ کر  
سکیں۔۔ حیدر خان کی اتنی سی بے اعتنائی پر انھیں  
بارٹ اٹیک اگیا تھا۔ حیدر خان کی ذرا سی بے اعتنائی  
ان کے دل پر حملہ کر گئیں۔

فرشتے کا بانجھ پن اور حیدر خان کی بے اعتنائی انھیں  
بہت سے وسوسوں میں مبتلا کر گئی تھی۔۔ حیدر خان  
کے ساری عمر تنہا رہ جانے کا خوف بھی ان پر حاوی  
ہو گیا۔

وہ حیدر خان کو بے اولاد نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ  
کیسے بھی کر کے فرشتے کو برداشت کر لیتیں مگر اس  
کا بانجھ پن برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ حیدر خان  
سے اپنی بات منوانے کے بعد فرشتے کو انہوں نے  
حویلی سے نکال دیا۔۔ انہیں لگتا تھا اوزگل سے اولاد  
کے بعد فرشتے خود ہی حیدر خان کے دل سے نکل  
جائے گی۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ حیدر خان کے  
بیٹیوں کی ماں بننا فرشتے کا مقدر ٹھہرا تھا۔۔ مگر درب  
زراب انہیں جیسے حیدر خان سے بھی زیادہ پیارے

تھے۔۔ جیسے فرشتے انھیں چبھتی تھی ایسے اب اوزگل  
چھنے لگ گئی تھی۔۔ مگر اوزگل سے حدودِ رقابت کبھی  
نہیں محسوس ہوا کیونکہ حیدر خان کی زندگی میں اوزگل کا  
کوئی مقام نہیں تھا۔۔ رقیہ اب خانمِ شدت سے رو دی  
تھیں۔ انھیں آج بھی فرشتے سے حدودِ رقابت محسوس  
ہوتا تھا۔ وہ آج بھی حیدر خان کے دل میں رہتی تھی  
جاں کبھی صرف وہ ہوتی تھیں۔۔ وہ حیدر خان کی  
بے اعتنائی پر آج بھی تڑپ کر مر رہی تھیں۔۔

حیدر خان کی چیخ پر رقیہ خانم دل پر ہاتھ رکھتے بھاگتے  
ہوے مردانے میں داخل ہوئیں۔

حیدر خان کو انگلیٹھی کے پاس پنچوں کے بل بیٹھے مٹھی  
میں دہکتے کوئلے دہاتے دیکھ کر وہ بانپتی ہوئی اس کی  
طرف بڑھیں۔۔۔ حیدر۔۔۔۔۔ وہ تڑپتے ہوئے اس کی طرف  
جھکی تھیں۔ حیدر خان جلدی سے اٹھتا انھیں اپنی  
بانہوں میں بھر چکا تھا۔

کیا کر رہی تھیں مورے؟؟ حیدر خان نے انھیں بازو  
کے حلقے میں لیتے آہستگی سے کہا۔

یہ تم کیا کر رہا تھا؟؟۔ تم اپنا ہاتھ جلا رہا تھا۔ رقیہ خانم  
نے اس کی زخمی ہتھیلی دیکھی جو سیاہ تھی۔

جلنا میرے مقدر میں لکھا جا چکا ہے مورے۔۔ آپ کو  
کیا پتہ؟؟ سات ماہ سے کیسے کیسے شعلے دہکتے میرے  
اندر دہکتے ہیں۔۔ حیدر خان ان سے دور ہوتا رخ پلٹے  
اپنی نم سرخ آنکھیں آستین سے مسل گیا تھا۔  
رقیہ خانم حیدر خان کی بات سنتے اور اس کی چوڑی  
پشت دیکھتے بری طرح سسک پڑیں۔

انھیں روتا دیکھ کر حیدر خان بے تابی سے ان کی طرف  
بڑھا۔ مورے کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہیں۔؟؟ حیدر  
خان نے تڑپتے ہوئے پوچھا۔

تمھارا قصور وار ہم ہے۔۔ ہم کو معاف کر دو ہم ماں ہو  
کر تمھارا درد نہ سمجھ سکا۔۔ حیدر ہم فرشتے سے حسد  
رقابت ضرور کرتا تھا۔۔ مگر اگر ہمیں پتہ ہوتا وہ بانجھ  
نہیں ہے۔۔ ہم اسے کیسے بھی کر کے برداشت کر  
لیتا۔ شاید اس کا زندگی مشکل بناتا مگر کبھی اسے تمھارا  
زندگی سے نہ جانے دیتا۔۔۔ کبھی اوزگل کو تمھارا زندگی



میں نہ لاتا۔۔ ہمارا یقین کرو۔۔ ہمیں اپنا پوتا کا بہت تمنا  
تھا۔ ہم تم کو ساری عمر تنہا نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔ رقیہ  
خانم روتے ہوئے بولیں۔

مورے آپ مجھ سے معافی مانگ کر مجھے گناہ گار مت  
کریں۔۔ آگے بہت سے گناہ میرے کھاتے میں لکھے  
جا چکے ہیں۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔۔ قصور  
صرف میرا تھا۔ میں ہی اس کے حقوق کی حفاظت نہ  
کر سکا۔ آپ کا کوئی قصور نہیں تھا مورے۔۔۔ سارا



قصور صرف حیدر حاکم خان کا تھا۔ - حیدر نے کرب  
سے کہا۔

کیا کہتا ہے وہ؟؟ اس کو واپس لے آؤ۔ - شوہر ہے  
تم اس کا۔ اس کے بیٹوں کا باپ؟؟ اس کو بتاؤ اس  
کا بیٹوں کو ایک باپ کا ضرورت۔ ہے۔ دنیا میں کوئی  
رشتہ باپ جیسا نہیں ہو سکتا۔ اس کو بتاؤ دراب زراب  
کو ہر قدم پر تمہارا ضرورت ہے۔ - ہمارا ضرورت ہے۔  
- ہم دادا دادی کا پیار سے ان کو کیوں محروم رکھنا چاہتا  
ہے؟!۔ کل ہم کٹھور بن رہا تھا اس کو سمجھاؤ

--- آج وہ کھوڑ نہ بنے۔۔ رقیہ خانم نے تڑپتے ہوئے

حیدر خان کی زخمی ہتھیلی اپنے ہاتھوں میں جکڑی

وہ کھوڑ بن چکی ہے مورے؟؟ اس کو میری کوئی پکار

میرا درد نظر نہیں آ رہا۔۔ یہاں تک وہ اپنے بیٹوں کا

بھی نہیں سوچ رہی۔۔ حیدر کرب سے بولتے استھرائیہ

مسکرایا تھا۔

حیدر۔۔۔۔۔ وہ کوئی ضد کر رہا ہے تو پوری کرو۔۔۔ اس

کا نام یہ سارا جائیداد کر دو۔۔ اگر وہ اوزگل کو طلاق

دینے کا کہہ رہا ہے تو چھوڑ دو اسے۔۔ ہر حالت میں

اس کو واپس لاؤ۔۔۔ حیدر حاکم خان ہے تم؟؟ تمہارا  
پاس بہت طریقہ ہے اس کو یہاں لانے کا۔۔۔ خون  
خرابہ کرو کچھ بھی کرو۔۔۔ مگر ہمارا پوتا ہم کو لا دو۔۔۔ ہم  
تم کو یوں تڑپتا نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ ہم تم کو تنہا نہیں  
دیکھ سکتا۔ رقیہ خانم کی باتیں سنتے حیدر خان کی  
آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہوا۔۔۔

مورے آپ کل بھی صرف اپنے بارے میں سوچتی  
تھیں۔ آج بھی اپنے بارے میں سوچتی ہیں۔ میری  
تنہائی کا غم آپ کو ہوتا ان سات ماہ میں آپ کو

محسوس ہو جاتا کہ میں کتنا تنہا ہوں۔ مگر آپ کو کبھی  
میری تنہائی میرا غم نظر نہیں آیا۔ میری آنکھوں میں آپ  
کو فرشتے نظر نہیں آئی۔ میں نے تو ہمیشہ آپ کا ہر  
فیصلے پر سر جھکایا۔۔ جس دوست سے ملنے سے روکا  
اسے دیکھتے ہی راستہ بدل لیتا تھا۔ کہیں اپنی مورے کی  
بات نہ مان کر گناہ گار نہ ہو جاؤں۔ آپ نے ہمیشہ  
مجھے بتایا۔۔ جنت ماں کی فرمانبرداری میں ہے۔ اس کے  
حقوق پورے کرنے میں ہے۔۔ یہ بتایا ہی نہیں  
حقوق صرف ماں کے پورے کرنے پر جنت نہیں ملتی



کہہ -- ربا ---- ہے -- حیدر خان کی باتوں پر رقیہ خانم  
کی آواز حلق میں جیسے اٹکی تھی۔ وہ اپنی نم نگاہیں رقیہ  
خانم پر گاڑھے ہوئے تھا۔

مورے ----- کل میں نے فرشتے کی حقوق سے  
نظریں چرائیں۔ آج آپ مجھے پھر سے وہی سب کچھ  
دہرانے کو کہہ رہی ہیں۔ کل فرشتے بانجھ تھی تو آپ  
نے اسے حویلی سے نکال دیا آج اوزگل بانجھ ہے تو  
آپ چاہتی ہیں اسے میں حویلی سے نکال دوں۔۔۔ کل  
بھی ایک میں ایک کمزور مرد ٹھہرا تھا۔ آج بھی آپ مجھے

پھر سے ایک غلط فیصلہ لینے کو کہہ رہی ہیں۔ اپنی بیوی  
اپنی عزت کو چھوڑ دوں۔۔۔ اور آپ مجھے بتائیں اسے  
چھوڑ دوں کہاں جائے گی وہ؟؟ اس کا تو آپ کے اور  
میرے سوا کوئی نہیں۔۔۔ بچپن سے پالا ہے آپ نے  
اسے؟؟ پھر بھی اتنی خود غرضی مورے؟؟۔۔۔ ایک بار  
میں پہلے رشتوں میں توازن نہ رکھ کر اپنا سب کچھ کھو  
چکا ہوں۔ مگر اب نہیں۔۔۔۔۔ دراب زراب فرشتے  
میری کمزوری ہیں۔ ان کے بغیر جینا ایسے ہے جیسے  
سانسوں کے بغیر یہ جسم۔۔۔۔۔ ہر ممکن کوشش

کروں گا فرشتے کو اپنی زندگی میں لانے کی۔۔ جان دینی  
پڑی تو وہ بھی دے دوں گا مگر اب کی بار کوئی غلط  
فیصلہ نہیں کروں گا۔۔۔ حیدر خان لمبے لمبے دُگ بھرتا  
اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا

---

حیدر خان کے بھاری قدموں کا رخ اپنے کمرے کی  
طرف تھا۔ کمرے کے باہر اس کے بھاری قدم رکے  
تھے۔۔



اند سے اوزگل کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

بادشاہ خان ہم کو معاف کر دو۔۔ ہم نے تمہارا محبت

ٹھکرایا۔۔ جس کا سزا ہم کو مل رہا ہے۔ ہم نے تمہارا

دل دکھایا جس کا سزا خدا نے ہم کو بانجھ ہونے کی

صورت میں دیا۔

اوزگل کی سسکیوں میں تیز ہوئی تھی۔۔

اند سے اوزگل کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی۔

بادشاہ خان ہم کو معاف کر دو۔۔ ہم نے تمہارا محبت

ٹھکرایا۔۔ جس کا سزا ہم کو مل رہا ہے۔ ہم نے تمہارا

دل دکھایا جس کا سزا خدا نے ہم کو بانجھ ہونے کی

صورت میں دیا۔

اوزگل کی سسکیوں میں تیز ہوئی تھی۔۔

حیدر خان کی آنکھیں لہو رنگ ہوئی تھیں۔ دروازے کے  
بینڈل پر رکھے حیدر خان کے ہاتھ کی نیلی رگیں آجاگر  
ہوئی تھیں۔

ہم کو پتہ تھا تم ہم سے اتنا محبت کرتا ہے تم کو ہمارا  
بانجھ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ ہم بھی  
تمہارا پاس آنا چاہتا ہے۔۔۔ مگر ہم کو حیدر خان نہیں  
چھوڑے گا۔۔۔

وہ اپنا عزت کو نہیں چھوڑے گا۔۔۔ اس حویلی میں  
کاٹھ کباڑ کی حیثیت ہے ہماری۔ وہ ہمارا ہو کر بھی

ہمارا نہیں۔۔۔۔۔ ہم تو اس دن کو پچھتاتا ہے جس دن  
اس حیدر خان سے شادی منایا۔۔۔ ہم کو تمہارا قدر آگیا  
ہے بادشاہ۔۔۔۔۔ ہم کو یہاں سے لے جاؤ۔۔۔ ورنہ ہم  
سک سک کر ہی اس بڑا سا حویلی میں مر جائے  
گا۔ حیدر خان کی ظبط کی طنابیں چھوٹی تھیں۔ وہ آتش  
گیر مادہ جیسے بنا تھا۔ وہ مزید نہیں سن سکتا تھا۔ اس کی  
عزت اس کی بیوی کسی غیر مرد سے یہ سب کچھ کہہ  
رہی تھی۔ حیدر حاکم خان جیسے کچھ بھی سوچنے سمجھنے  
کے قابل نہیں رہا تھا۔

وہ دروازہ دھاڑ سے کھولتے اندر داخل ہوا۔۔

فرشتے جو اوندھے منہ لیٹے فون پر بات کر رہی  
تھی۔ یکدم سیدھی ہوئی تھی۔۔ حیدر خان کو سامنے دیکھ  
کر اس کا پورا وجود پسینے میں بھيگا تھا۔

حیدر خان کا سرد سرخ چہرہ دیکھتے اسے یقین ہو گیا تھا  
وہ سب کچھ سن چکا ہے۔۔ وہ آج رات حویلی آئے گا  
اسے یقین نہیں آ رہا تھا وہ تو فرشتے کے ساتھ تھا۔



وہ بیڈ پر اوندھے منہ گرتی چکراتے وجود کے ساتھ بری  
طرح سسک پڑی۔ اس سے پہلے وہ سیدھی ہوتی حیدر  
خان اس کی طرف بڑھتا اسے بالوں سے بے دردی سے  
دبوچتے اپنے سامنے کھڑا کر گیا۔

حیدر۔۔۔۔۔ ہمارا۔۔۔۔۔ بات۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ اوزگل  
اپنے بال چھڑواتی کانپتے لبوں سے بمشکل بولی۔۔

کیا بات سنو تمہاری؟؟ میں تم میری عزت کے ساتھ  
کھلواڑ کر رہی تھی۔ اپنے اس یار بادشاہ کے ساتھ مل  
کر بھاگنے کی تیاری کر رہی تھی۔۔۔۔۔ حیدر حاکم خان کو  
دھوکہ دے رہی تھی۔۔۔۔۔ حیدر اس کے بال بے دردی  
سے دبوچتے غرایا

نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ مہم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔  
۔۔۔۔۔ حیدر۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ نام مت لو اپنی گندی زبان  
سے۔۔۔۔۔ فاحشہ۔۔۔۔۔ عورت۔۔۔۔۔ حیدر خان اس کی



بات کاٹتے دوسرے گال پر بھی پوری قوت سے تھپڑ  
جڑ چکا تھا۔ اوزگل کے لبوں سے خون نکلتا اس کے  
حلق میں گھلا تھا۔

حیدر۔۔۔۔۔ ہمارا۔۔۔ بات۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ اوزگل  
اپنے بال جھڑواتے ہوئے روتے ہوئے چیختی تھی۔۔ وہ  
مزید بے دردی سے اس کے بال دپچتے اسے اپنے  
قریب کرتے اس کی آنکھوں میں اپنی خون اتری آنکھیں  
گاڑھ گیا۔

کیا بات سنو تمھاری ---- ہاں ---- اس بادشاہ کے  
ساتھ تمھارا بھاگنے کا پلین تھا۔ آج میں تمھارا وہ حال  
کروں گا تم بھاگنے کے قابل نہیں رہو گی ---  
حیدر ہم بھاگ نہیں رہا تھا۔۔ ہم صرف اس کا ساتھ اپنا  
غم بانٹ رہا تھا۔۔ اوزگل چیخی تھی۔۔۔  
رات کے تین بجے تم ایک غیر مرد کے ساتھ اپنا غم  
بانٹ رہی تھی۔۔ اس کو کھونے پر رو رہی تھی۔۔ اس  
کے پاس واپس جانے کے لیے مری جا رہی ہو

تم۔۔۔ بے غیرت۔۔۔ عورت۔۔۔ حیدر خان پوری قوت  
سے دھاڑا۔۔

کیا کرے ہم؟؟ تم ہمارا ساتھ کیسا سلوک کرتا  
ہے؟؟۔۔۔ تمہارا کمرہ کا بدرنگ پردے کی طرح تم نے  
ہمارا حال کر دیا۔۔ ہم انسان ہے حیدر۔۔۔۔۔ کوئی بے  
جان مورت نہیں جسے درد نہ ہو۔۔۔۔۔ اوزگل بھی  
جوابا غرائی تھی۔۔۔ حیدر خان کی اتنے دنوں سے  
بے اعتنائی سہہ رہی تھی۔۔ رقیہ خانم سے بانجھ ہونے  
کے طعنے سن کر وہ پاگل ہو رہی تھی۔۔ سینے میں ابلتا

لاوا جیسے باہر آیا تھا۔ وہ شدت غم سے چیخنی تھی۔۔۔ یہ  
حویلی اسے اب قفس لگتی تھی۔

مجھ کو سزا ملی ہے فرشتے جیسی پاک عورت کا دل  
دکھانے پر کہ تم جیسی بدکار عورت میرا نصیب  
بنی۔۔۔ حیدر خان اس کے چیخنے پر غصے سے گرچتا اس  
کے بالوں کو بے رحمی سے جھکا دے گیا تھا۔۔۔  
اوزگل اپنے بال چھڑوانے کی ناکام سعی کرتے بری  
طرح رو پڑی۔۔۔

اسی بات کا غم ہے حیدر خان۔۔۔۔۔۔ تمہارا جیسا انسان  
کسی کا نہیں ہو سکتا۔۔ جب تم فرشتے کا تمہا تب تم  
نے مجھے اپنا نکاح میں لیا۔۔ دن رات بستر پر اپنا  
ضرورت پورا کیا۔ اب جب ہم تم کو اولاد نہیں دے  
سکتا ہم تمہارا ضرورت بھی نہ رہا۔۔ تم کو کیا لگتا ہے  
عورت کا ضرورت نہیں ہوتا۔۔ اس کو مرد کا ضرورت  
نہیں ہوتا۔ تم چاہتا ہے ہم اس حویلی میں رہے تمہارا  
عورت بن کر۔۔۔ تمہارا عزت کا پاسداری کرے۔۔ مگر  
تم ہمارا حقوق بھی پورا نہ کرے۔۔۔ اوزگل پاگل ہوتی

بری طرح بلبلا تے چیمنی -- حیدر خان اس کی باتوں پر  
نفرت سے اے اے گھورتا اے ایک اچھوت کی طرح بستر  
پر دھکیل گیا --

دل میں اوزگل کے لیے نفرت کے طوفان اٹھے  
تھے -- کراہیت محسوس ہوئی تھی --

تم ایک بے شرم عورت ہو ---- تمہارے انداز و اطوار  
میں پہلی رات دیکھ چکا تھا -- تم عورت کے نام پر دھبہ  
ہو -- عورت تو ساری عمر اپنے شوہر کے بغیر اس کے  
نام پر گزار دیتی ہے -- اور تم شوہر کے ہوتے ہوئے

چند دن گزار نہ سکی۔۔ حیدر خان نفرت سے اسے دیکھتا

چیخا تھا

جو چیز تم مجھے نہیں دے سکتا حیدر خان۔۔۔ وہ کیسے تم

مجھ سے امید کر سکتا ہے۔۔ ہم دھبہ نہیں۔۔۔ تم بھی

ایک مرد ہونے پر دھبہ ہے۔۔۔ اوزگل سیدھی ہوتی

جوابی کاروائی کرتے نفرت سے پھنکاری۔۔ سات ماہ

سے حیدر کے پاس ہوتے اسے پانہ سکی تھی۔۔ وہ نہ

فرشتے کا ہو سکا تھا نہ اس کا۔۔۔ اوزگل کو حیدر خان

سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔۔ حیدر خان کے ساتھ  
تعلق گھٹن لگ رہا تھا

ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔۔۔ میں مرد کے نام پر دھبہ  
ہوں۔ اس لیے آج تمہیں مرد بن کر دکھاؤں گا۔ تمہاری  
لاش آج اس حویلی میں ہی قبر کھود کر دفناؤں  
گا۔۔ حیدر خان طیش و اشتعال سے غرایا۔

اوزگل نے حیدر خان کی غراہٹ پر سیدھے ہوتے فوق  
رنگت سے حیدر خان کو دیکھا جو الماری کی طرف تیزی  
سے بڑھا تھا۔ الماری سے حیدر خان کو بیلٹ نکال کر



اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اوزگل گی پیشانی پر خوف  
پسینے کے قطرے چمکے تھے - حیدر خان کے بھاری  
تھپڑ اس کے پورے وجود کو ہلا چکے تھے - حیدر خان کو  
چمڑے کی بیلٹ ہاتھوں پر لپیٹتے دیکھ کر اوزگل کی  
آواز تک حلق میں اٹکی تھی۔۔

وہ سیدھی ہوتی بیڈ کراؤن کے ساتھ جا لگی تھی۔۔

ح۔۔۔۔۔ حیدر۔۔۔۔۔ حیدر۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔ کو  
۔۔۔۔۔ معاف۔۔۔۔۔ کر دو۔۔۔۔۔ اوزگل کانپتے لبوں سے  
بشکل ہی بولی۔۔۔۔۔

حیدر خان کی بیلٹ کی ضرب اس کے منہ پر پڑی  
تھی۔۔۔ وہ چیختے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھتے بیڈ پر اوندھے  
منہ جاگری تھی۔۔۔

حیدر خان کی یکے بعد دیگرے ضرب سے اس کی چیخیں  
اسمان کو چھو رہی تھیں۔

حیدر۔۔۔۔ خدا کا واسطہ ہے ہم کو معاف کر  
دو۔۔۔ اوزگل کی سسکیاں بری طرح کمرے میں گونج  
رہی تھیں۔۔

حیدر خان نے کچھ ہی ضربیں لگانے کے بعد بیلٹ  
زمین پر پھینکتے گہرے سانس لیتے دیوار پر یکے بعد  
دیگرے یکے مارے تھے۔۔ اسے یقین نہیں آتا تھا حیدر  
حاکم خان کو کوئی ایسے دھوکہ دے سکتا ہے۔ اس کی  
عزت اس کے کمرے اس کی حویلی میں اس کی عزت  
کے ساتھ اس کے ہی کم حیثیت کم صورت کزن کے

ساتھ اس کا عزت کا تماشہ بنا رہی تھی۔ اگر وہ ایسے  
ہی بے خبر رہتا وہ اسے دھوکا دے کر حویلی سے بھاگ  
جاتی۔۔۔ حیدر حاکم خان کی کیا عزت رہ جاتی وہ کیسے  
سب سے نظریں ملا پاتا۔۔

حیدر خان کی آنکھوں میں خون کی لالی بڑھ رہی تھی  
۔ اوزگل کو موت دے کر ہی اب اس کے دل کو  
ٹھنڈک پڑی تھی۔

کمرے میں اوزگل کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ وہ  
اوندھے منہ لیٹے کانپتے ہوئے بری بچکولے بھر رہی  
تھی۔

حیدر اس کے سسکتے کانپتے وجود کو دیکھتے خون اشام  
نگاہوں سے گھورتے اس کی طرف تیزی سے اس کی  
طرف بڑھا۔۔۔ اسے بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کیا۔  
تھیں مجھ سے رہائی چاہیے تاکہ تم اس بادشاہ کے پاس  
جاسکو۔۔۔ تم جاؤ گی اس بادشاہ کے پاس۔۔۔ مگر زندہ  
نہیں۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں تمہاری لاش کا تحفہ بچھواؤں

گا اس کے پاس۔۔۔۔ ایک بیوی کے مرنے کے بعد  
اس کے کفن دفن کا انتظام اس کا شوہر کرتا ہے۔ مگر  
تمہارے کفن دفن کا انتظام وہ بادشاہ خان کرے  
گا۔۔ یقین مانو تمہاری خاطر یہ بے غیرتی سہہ لوں گا۔  
حیدر خان اس کے لرزتے وجود کو دیکھتے استہزائیہ انداز  
میں بولا۔۔ اوزگل کی آنکھوں میں خوف لہرایا تھا۔  
حیدر خان نے ڈار سے پسٹل نکالتے اوزگل کے ماتھے  
پر تانی۔۔

اوزگل خوف سے کانپتے ہوئے حیدر خان کے قدموں  
میں جا گری تھی۔۔ ہم کو معاف کر دو حیدر۔۔۔ ہم  
وعدہ کرتا ہے۔ ہم ہمیشہ تمہارا وفادار رہے گا۔۔ تم جیسا  
رکھے گا ہم رہے گا۔۔ ہم کو معاف کر دو۔۔۔ تم کو  
اپنا بچوں کا واسطہ ہم کو معاف کر دو۔۔۔ تم کو دراب  
زراب کا واسطہ۔۔۔ اوزگل اس کے قدموں میں  
بگرتے گر گرائی تھی

حیدر خان دراب زراب کے نام پر اپنی مسٹھیاں بھینچ گیا

تھا۔

ہم کو کسی کونے میں پھینک دینا۔۔ مگر ہم کو موت  
مت دو۔ ہم مرنا نہیں چاہتا۔۔ ہم کو گولی مت  
مارنا۔۔ ہمارا ہاتھ پن نے ہمیں ایسا بنایا۔ ہم ایسا نہیں  
تھا۔

تم کو خدا کا واسطہ معاف کر دو۔۔۔ تم کو خدا کا واسطہ  
ہم کو معاف کر دو۔۔ وہ اس کے قدموں میں سر رکھے  
گزر رہی تھی۔۔۔

حیدر خان اسے بالوں سے دبوچتے اپنے مقابل کر گیا  
تھا۔



تم جیسی عورت کبھی کسی کے ساتھ وفا نہیں کر  
سکتی۔۔ حیدر حاکم خان تمہارے گندے خون کے ساتھ  
اپنے ہاتھ نہیں رنگ سکتا۔۔۔ حیدر حاکم خان کی غیرت  
کہہ رہی ہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔۔ مگر  
اپنے خدا کے لیے تمہیں معاف کرتا ہوں۔۔ جس نے  
مجھ پر تمہاری حقیقت اشکار کی۔۔ فرشتے جیسی نیک  
عورت میرا مقدر ٹھہرائی۔۔ میں اپنے اسی خدا کے لیے  
تمہیں معاف کرتا ہوں۔۔ تم حیدر خان کا عشق ہوتی  
محبت ہوتی۔۔۔ خدا قسم۔۔۔۔۔ تمہاری بوٹی بوٹی کر

کے کتوں کو کھلا دیتا۔۔ مگر تم حیدر خان کے لیے کوئی  
معنی نہیں رکھتی۔۔ اپنی عزت سمجھتا تھا مگر اب تم وہ  
بھی نہیں رہو گی۔۔۔ حیدر خان اس کے بال جکڑتا  
غرایا۔۔ میں تمہیں تمہارے تمام دکھوں سے آج آزاد کر  
دوں گا۔ یہ تویلی یہ رشتہ تمہارے لیے قفس ہے۔ اس  
بادشاہ کے پاس تمہیں جانا تھا۔ تمہاری ہر خواہش پوری  
کروں گا۔ حیدر نفرت امیز لہجے میں پھنکارا۔

میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا  
ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔۔۔ حیدر خان دھاڑتے  
ہوئے اسے بیڈ پر دھکیل چکا تھا۔

اوزگل بیڈ پر گرتی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔۔۔ حیدر  
خان نے صوفے کی طرف بڑھتا اس کی چادر پکڑتے  
اس کے کانپتے وجود پر اچھالی۔

اس سے اپنا وجود ڈھانپ لو۔۔۔ میرے گارڈز تمہیں  
محفاظت اس بادشاہ کے پاس چھوڑ دیں گے۔۔۔ حیدر

خان اوزگل کے سسکتے وجود کو قبر بارنگاہوں سے گھورتا  
دروازہ کھولتے باہر نکل گیا تھا۔

-----

ہمارے اپنے روم میں بہرام کو فیڈ کروا رہی  
تھی۔۔ سیچیز کی وجہ سے بیٹھ کر فیڈ کروانے میں تھوڑا  
پر اہلم ہوتا تھا اسی لیے وہ سائیڈ کروٹ لیے لیٹ کر وہ  
بہرام کو فیڈ کروا رہی تھی۔۔

یکدم شہرام دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تھا۔ بہارے  
اسے دیکھتے اپنی شرٹ نیچے کرتے جلدی سے اٹھ کر  
بیٹھی تھی۔

بہرام فیڈ چھڑوانے پر اسی لمحے رونے لگا تھا۔ بہارے  
اسے گود میں پکڑے چپ کروانے لگی تھی

شہرام بہارے سے بنا کوئی بات کیے سائیڈ ٹیبل کی  
طرف بڑھا۔ جہاں بہرام کی چیزیں پڑیں تھیں۔ شہرام  
نے فیڈ میں بوتل سے نیم گرم بوائل وائر ڈالے اس

میں ڈبے کا دودھ مقدرہ مقدار میں ڈالے بہرام کا فیڈر  
تیار کیا تھا۔۔

اس دوران وہ بہارے کو مکمل نظر انداز کیے ہوئے  
تھا۔ چہرہ سرد سپاٹ تھا۔۔ بہارے بہرام کو کندھے سے  
لگائے تھپکتے ہوئے اسے چپ کروا رہی تھی۔۔ جو چپ  
ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔  
وہ فیڈر پکڑے بہارے کی طرف بڑھا۔۔

بہارے کے ہاتھوں سے نرمی سے بہرام کو پکڑا تھا۔۔

بہارے بری طرح اپنے لب کاٹ کر رہ گئی تھی۔۔

شہرام نے بہرام کو بیڈ کے وسط میں نرمی لٹاتے اس کے سر کے نیچے اس کا سوفا سا تکیہ رکھا۔۔ اس کے قریب کہنی کے بل سائیڈ کروٹ لیے لیٹا تھا۔ ایک باتھ سے بہرام کے منہ میں فیڈر ڈالا کر اسے پلانے لگا۔

بہرام جو بری طرح رو رہا تھا۔۔ وہ فیڈر ملنے پر روتے سے چپ ہوتے فیڈر پینے لگا۔۔ بہارے نے شہرام کو دیکھا جو پائنٹی والی سائیڈ پر اس کے سامنے لیٹا تھا۔

شہرام سنجیگی سے بہرام کو فیڈر پلا رہا تھا۔

بہارے نے اپنے لب کاٹتے ہوئے شہرام پر نظر ڈالی  
جو بلو جینز پر سفید لائینگ شرٹ میں ملبوس تھا۔ آستین  
کمانیوں تک فولڈ کیے ہوئے تھا۔ اس کے سفید کلائیوں  
پر اس کی رگوں کے ساتھ براؤن بال واضح ہوتے اس  
کے مردانہ وجاہت میں اضافہ کر رہے تھے۔ -- بال  
سلیقے سے سیٹ کیے ہوئے تھے - بہت تیز پرفیوم  
لگائے ہوئے تھا۔ اس کی سینٹ کی مہک پورے



کمرے میں پھیل چکی تھی۔ شہرام کی سرخ و سفید  
رنگت سفید شرٹ میں مزید نکھر رہی تھی۔۔

بہارے اپنے لب کاٹتے ہوئے اب اپنا چہرہ پھیر گئی  
۔۔ وہ آج دو دن بعد حویلی آیا تھا۔ وہ دو دن سے ہاسپٹل  
بھی نہیں گیا تھا یہ اسے ڈاکٹر ماہم سے ہی معلوم ہوا  
تھا۔ ڈاکٹر ماہم نے شہرام کا پتہ کرنے کے لیے اسے  
فون کیا تھا۔ کیونکہ شہرام کسی کا فون بھی نہیں اٹھا رہا  
تھا۔

وہ خود اس وقت سمپل سے ییلو کلر کی گرم فراک میں  
ملبوس تھی۔۔ جو پچھلے ایک ہفتے سے تبدیل نہیں کیا  
تھا۔ جس کی بیک پر سٹین تک لگے ہوئے تھے۔۔

شہرام کا کمرہ جب چھوڑا تھا تب بھی وہ اسی ڈریس میں  
ملبوس تھی۔۔ بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں لپیٹا ہوا  
تھا جو بری طرح الجھے ہوئے تھے۔۔ اس کے پاس سے  
میڈیسن اور دودھ کی مہک آرہی تھی۔۔

ہمارے نے خفت سے اپنے لب کاٹے تھے۔

بہارے کی نگاہیں بے اختیار سامنے رکھے ڈریسنگ مرر  
کی طرف اٹھیں۔۔ اپنی زرد رنگت دیکھ کر لبوں پر پیڑیاں  
جمی دیکھ کر بری طرح اپنے لب کاٹنے لگی تھی۔ اس  
کا دل ہی نہیں کرتا تھا اب خود پر توجہ دینے  
کا۔۔۔ ورنہ وہ ایسی نہ تھی۔ اسے تو بچپن سے اچھا پہنے  
اور اچھا کھانے کا شوق تھا۔ جب سے شہرام خان سے  
محبت ہوئی تھی۔۔ اس نے ہمیشہ اس کی بے اعتنائی  
پر خود کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچائی تھی۔۔ آج سے  
سات ماہ پہلے بھی وہ تڑپتے روتے خود کو تکلیف پہنچاتی

تھی۔۔ آج بھی یہی کر رہی تھی۔ سامنے والا اس کے  
درد سے واقف ہی نہ تھا۔ اس کی محبت اس کی روح  
زخمی کر چکی تھی۔

اس وقت بہارے کو اپنا آپ مقابل کے سامنے بے  
حد پھیکا لگا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ حویلی  
کے تمام مردوں سے زیادہ وجح اور خوبرو تھا۔ یا پھر اسے  
ایسا لگتا تھا۔ جب سے محبت ہوئی تھی کوئی مرد اس  
کے مقابل لگا ہی نہیں تھا۔ ساری مردانہ ساری

خوبصورتی اسے لگتا تھا خدا نے شہرام کو عطا کر دی تھی

-

ہمارے کی براؤن کانچ سی آنکھیں شہرام کا بغور معائنہ  
کر رہی تھیں۔ اس کے بدن سے اٹھتی مسجور کن خوشبو  
محسوس کرتے ہمارے گہرے سانس لے کر رہ

گئی۔۔ اپنا گندہ ملگجا لباس بری طرح آج خود کے وجود پر  
چھپاتا تھا۔ اپنی گرم چادر بیڈ سے اٹھائے اچھی طرح خود پر  
لپیٹتے اپنے دامن اور بیک پر لگے داغوں کو چھپایا۔۔ وہ  
کبھی مقابل کے سامنے خود کو کمتر محسوس کرے گی

یہ اسے اندازہ نہ تھا۔ یا یہ اس کی محبت کی شدت تھی  
وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر اپنا آپ آج بہت پھیکا لگ رہا  
تھا۔ وہ کب شہرام کے پر اپنی نگاہیں گاڑھے ہوئے  
تھی۔۔۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

شہرام اپنی پوری توجہ بہرام پر کیے ہوئے تھا۔ اسے  
احتیاط سے فیڈر پلا رہا تھا۔۔

بہرام کو فیڈ پلانے کے بعد شہرام نے سیدھا لیٹتے اپنے  
سر کے نیچے تکیہ رکھتے اسے اپنے کندھے سے لگائے  
اس کے کمر پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے برپ کروایا۔  
بہرام کو وہ پھر سے بیڈ پر لٹائے اس پر جھکا۔۔۔ جو  
اب ہاتھ پیر مارتا کھیلتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔  
کیسا ہے میرا بیٹا؟؟ پاپا کو مس کیا؟؟ شہرام نے  
مسکراتے ہوئے بہرام کے ننھے ننھے ہاتھ چومے۔۔

اگر نہیں بھی کیا تو کوئی بات نہیں اب پاپا روز اپنے  
بیٹے کو اپنا چہرہ دکھائیں گے تاکہ بہرام اپنے پاپا کو بھول  
نہ جائے کہیں؟؟۔۔۔ کیا خیال ہے دادو کے پاس  
چلیں؟؟۔۔۔ میں نے سنا ہے تم کمرے سے نہیں  
نکلے۔ دادو عابی پھوپھو اور تمہارے زاران تایا میرے لیے  
میری جان سے بڑھ کر ہیں۔۔۔ تمہارے لیے بھی  
ہونے چاہیے۔۔۔



شہرام اس کے نرم گالوں پر اپنی مونچھیں رگڑتے  
ہوے بولا۔۔۔ بہرام اس کی مونچوں کی چھبھن سے  
رونے لگا تھا۔

بہارے جو اس کی باتوں پر سلگ رہی تھی۔ اور وہ اسے  
ایسے انور کیے ہوئے تھا جیسے وہ وہاں پر ہے ہی  
نہیں۔۔۔۔ اس کے مونچھیں بہرام کے عارض پر  
رگڑنے پر بہارے بھرکی تھی۔

یہ بچہ ہے شہرام؟؟ تمہاری مونچھوں کی چھبھن برداشت  
نہیں کر سکتا۔۔ بہارے نے کہتے بہرام کو پکڑنا چاہا۔

شہرام اس کے ہاتھ بری طرح جھٹکتے پیچھے کر چکا تھا۔  
یہ بچہ ہے اور میرا بیٹا ہے یہ مجھے پتہ ہے۔۔ لیکن تم  
بھول گئی ہو کہ یہ بچہ ہے۔۔۔ اسے لیٹ کر فیڈ کروا  
رہی تھی۔۔ تمہیں اچھی طرح پتہ ہونا چاہیے کہ لیٹ کر  
فیڈ کروانے کے کیا نقصانات ہیں۔ شہرام بہرام کی  
پیشانی پر لب رکھتے سرد آواز میں بولا۔ اس دوران بھی  
بہارے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

بہرام اب خاموشی سے شہرام کو دیکھ رہا تھا اسے لگ  
رہا تھا شہرام اس سے باتیں کر رہا ہے۔ شہرام مسکراتے  
ہوئے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا۔

مجھے اپنے بیٹے کی تم سے زیادہ فکر ہے۔۔۔ میرے بیٹے  
پر تمہارا کوئی حق نہیں۔۔۔ بھولو مت۔۔۔ تم  
نے۔۔۔

بھولو مت میں۔۔۔ میں نے اسے مارنے میں کوئی کسر  
نہیں چھوڑی تھی۔۔۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

پھر بھی یہ میرا بیٹا ہی کہلائے گا۔ شہرام اس کی بات  
کاٹتے طنزیہ بولا۔

میں نے ایسا نہیں کہا۔۔ بہارے نے شہرام کی بات پر  
لب بھینچے کہا۔

تمہارے لفظ میرے لیے ہمیشہ سے بے رحم ہوتے  
ہیں۔ تمہارے لبوں سے اپنے بچے کو مارنے والی بات  
سن کر زیادہ تکلیف ہوتی۔۔ اس لیے خود کے لیے وہ  
لفظ بولے جو تمہیں شاید سکون دے دیں۔۔ ایک بات  
یاد رکھنا۔۔ بہرام میرا بھی بیٹا ہے۔ جتنا تمہارا حق ہے اتنا

میرا حق ہے۔ اگر تم نے اندر کمرے میں موت کی  
جنگ لڑتے ہوئے اسے جہنم دیا ہے۔۔ میں بھی  
دروازے کے باہر کھڑا اعصابی جنگ لڑتا رہا۔۔۔ جس  
میں میں سو بار مرا سو بار زندہ ہوا۔۔ آئندہ یہ کبھی نہ کہنا  
بہرام سے دور رہو۔۔۔ شہرام نے بہارے کی طرف  
دیکھتے سختی سے تنبیہ کرتے اسے جتایا۔ کمرہ چھوڑتے  
اس نے بہرام سے اسے دور رہنے کا کہا تھا۔

مگر مجھ پر تم اپنا حق کھو چکے ہو یہ بات یاد رکھنا تم  
--- شہرام کے سرد سپاٹ انداز پر بہارے بھڑ بھڑ جلتے  
بولی تھی -

یہ حق تم بچپن سے ختم کرتی آئی ہو۔۔۔ مگر ختم نہ ہو  
سکا الٹا میرے بیٹے کو تم جنم دے بیٹھی۔۔۔ پہلے  
میری منکوحہ تھی پھر میری بیوی بنی اب میرے بیٹے  
کی ماں۔۔۔ حق ختم عورتوں کے کہنے سے نہیں  
ہوتے۔ حق مرد ختم کرتا ہے۔ اگر اس نے کرنا ہو تو وہ

عورت کی طرح بار بار واویلا نہیں کرتا۔۔ تین لفظ بول کر  
ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا ہے۔۔

شہرام سرد لہجے میں بولتے بیڈ سے اٹھا۔ شہرام کی بات  
پر بہارے کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ وہ کیا کہنا  
چاہ رہا تھا وہ سمجھتے پاگل ہوئی تھی۔

بہارے بیڈ سے اٹھتے شہرام کے مقابل آئی۔

کیا مطلب اس بات کا تم مجھے طلاق کی دھمکی دے  
رہے ہو۔ بہارے نے شہرام کی آنکھوں میں دیکھتے  
بے سرو و شپاٹ لہجے میں یقینی سے پوچھا۔۔

میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو دھمکی دے  
مسز بہارے شہرام خان۔۔۔۔۔ تم میری بیوی ہو  
۔۔۔ اور تا عمر رہو گی۔ فکر نہ کرو تمہیں قبر میں اتارتے  
مجھے ہی پکارا جائے گا کہ محرم آگے آئے۔۔ اپنے  
ہاتھوں سے تمہیں قبر میں اتاروں گا۔۔ اگر زندہ رہا  
تو۔۔۔۔۔ ورنہ تمہارا اسفند لالا یہ فریضہ بخوبی سرا انجام



دے دے گا۔۔ جس کے لیے تم میرا کمرہ چھوڑ آئی۔  
شہرام خان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے طنزیہ لفظ  
چبائے تھے۔

اس کے طنز پر بہارے کی آنکھوں سے شرارے پھوٹے  
تھے۔۔ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا وہ بخوبی سمجھی تھی۔ وہ  
ابھی تک اپنی ضد پر قائم تھا۔

مارنے والے مرنے کی باتیں کرتے اچھے نہیں لگتے  
شہرام خان۔۔۔ بہارے طنزیہ انداز میں جوابی کاروائی  
کرتے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی۔۔

ڈریسنگ روم می داخل ہوتے اس نے سلائیڈنگ

گلاس ڈور بند نہیں کیا ت

وہ سنول پر چڑھ کر اوپر والی کبرڈ کھولے اس میں کچھ

تلاش کر رہی تھی ۔

شہرام نے جبرے بھینچتے ہوئے اسے دیکھا ۔ جو اوپر

والی کبرڈ سے کچھ اتارنے کی کوشش کر رہی تھی ۔

وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی وہ سب سمجھتا تھا خود کو  
تکلیف پہنچا کر وہ ہمیشہ اسے اپنے سامنے جھکاتی تھی  
- بچپن سے ایسے کرتی آئی تھی -

بچوں کے بل اسے اوپر ہوتا دیکھ کر وہ غصے سے  
ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا -

اترو نیچے کیا چاہیے بتاؤ مجھے --- شہرام نے اسے دیکھتے  
سختی سے کہا --

تمھاری مدد کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں لے سکتی  
ہوں۔۔۔ بہارے نے سپاٹ انداز میں بولتے اوپر سے  
ایک سوٹ کیس اپنی طرف کھینچا۔۔  
شہرام نرمی سے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے اپنی گود  
میں اٹھا گیا۔۔  
بہارے نے شہرام کے سینے پر ہاتھ مارتے اسے خود  
سے دور جھٹکا تھا۔۔ شہرام اسے اوپر کو کرتے اپنے  
سینے میں سختی سے بھینچ گیا۔۔

چھوڑو مجھے۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔تمہاری ضرورت  
۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔ہمارے نے اس کے وجود سے  
اٹھتی مہک سے بدحواس ہوتے بے رخی سے کہا۔  
مگر بہرام کو اس کی ماں کی بہت ضرورت ہے۔۔۔اس  
کے لیے کر رہا ہوں یہ سب۔۔۔۔۔شہرام ہمارے کی  
کانچ سی آنکھوں میں دیکھتے سپاٹ لہجے میں بولتے  
ڈریسنگ روم سے باہر آیا

ڈریسنگ روم سے باہر نکلتے نرمی سے اسے بیڈ پر لٹایا  
۔ آئیہ ایسا کرتب کرنا ہوا تب کرنا جب میں کمرے

میں نہ ہوا۔ شہرام نے اس کی کانچ سی آنکھوں میں  
دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

مجھے جب کچھ چاہیے ہوا تب ہی اتاروں گی ناں تمہارا  
کمرے میں ہونے یا نہ ہونے سے کیا  
مطلب؟؟ ہمارے شہرام کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے  
منہ موڑ گئی تھی۔

کیا چاہیے تھا تمہیں اوپر سے؟؟ میں نے تمہیں کبھی لو  
لیئر نہیں لکھے جو تم اوپر سے نکال کر میرے منہ پر  
مارنے کا ارادہ رکھتی تھی۔۔ اچھا طریقہ ہے اپنے شوہر کی

انٹینشن حاصل کرنے کا مسسز بہارے شہرام خان

----- شہرام خان اس کے چہرے پر گرم سلگتی

سانسیں چھوڑتے تنیش ذدہ لہجے میں بولا۔

ہو سکتا ہے تم نے کسی اور کے لیے لکھے ہو؟؟ پہلے

بھی تمہاری بیوفائی کے ثبوت ایسے ہی کسی الماری سے

ملے ہیں۔

بہارے نے طنزیہ بولتے شہرام کی آنکھوں میں دیکھا۔

بہارے کی بات پر شہرام کا چہرہ سرد اور سنجیدہ  
ہوا تھا۔ ٹھیک کہہ رہی ہو تم؟؟ مگر اس بار ایسا نہیں ہو  
گا۔ پکا کام کروں گا۔ شہرام نے لب بھینچے بہارے کی  
آنکھوں میں دیکھتے کہا۔

کیا مطلب اس بات کا؟؟ بہارے تڑپتے ہوئے اس  
کا کالر جکڑ گئی تھی۔

شہرام اس کے ہاتھ اپنے کالر سے چھڑواتے ہوئے  
اس کی کلائیاں جکڑے اس کے لبوں پر شدت سے  
جھکا۔



وہ اس کے لبوں پر جھکے اس کی سانسیں نرمی سے  
انہیل کر گیا۔ بہارے بری طرح پینک ہوئی تھی۔  
وہ اس کی ٹانگوں کو اپنی ٹانگوں میں اس طرح لاک  
کیے ہوئے تھا اس کا وزن پیٹ پر نہیں پڑ رہا تھا۔ مگر  
وہ اس کی گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔  
وہ اس کے خشک لبوں کو اپنے لبوں سے گیلا کرتے  
تیچھے ہوا۔۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اسے نم  
آنکھوں سے دیکھتے لب بھیجنے تھے۔

نہ تمہیں لب بھینچنے کی ضرورت ہے نہ اپنے کپڑوں پر  
لگے داغ چھپانے کی --- مجھے تم ہر حال میں اچھی  
لگتی ہو۔۔۔ تم جیسی بھی ہو میں پھر بھی تمہارے قریب  
آؤں گا۔ تمہاری زرد رنگت تمہارے حشک ہونٹ تمہارے  
بدن کی یہ مہک بھی میرے وجود کی گردش بڑھا سکتی  
ہے۔۔۔

شہرام نے نرمی سے اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے  
چھوا ---

شہرام کی بات پر بہارے کی آنکھوں سے موتی گرتے  
اس کے عارض پر بر سے تھے۔۔ وہ اس کے دل کی  
بات سمجھ گیا تھا۔

تمہیں۔۔۔ غلط۔۔۔ فہمی۔۔۔ ہوئی۔۔۔  
ہے۔ میں ایسا کیوں کروں گی؟؟ بہارے نے اپنی بے  
ترتیب سانسیں درست کرتے شہرام کی سیاہ پرکش  
آنکھوں میں دیکھا۔



بہارے اس کی بے باکی اور دیکھنے کے انداز پر سرخ

پڑی --

مگر عنقریب لگتا ہے وہ بھی خراب ہو جائے

گا۔۔۔ کیونکہ ڈائٹ تم لے نہیں رہی۔۔۔ یقیناً بہت جلد

تمہارا وزن بھی بڑھنے والا ہے۔۔۔ شہرام بہارے کو بغور

دیکھتا اپنی بات مکمل کرتے اس کے اوپر سے اٹھنے لگا

تھا۔ بہارے اس کا گریبان پھر سے جکڑ گئی تھی۔۔۔

تم نے کی ہے میری یہ حالت شہرام  
 خان؟؟۔۔۔ تمہارے وجہ سے میں ایسے ہوئی۔۔۔ ورنہ  
 کبھی تم میری خوبصورتی پر مرتے تھے۔ بھول گئے  
 ساری ساری رات میری تعریفیں کرتے تھے۔۔۔ سیدھی  
 طرح بولو تمہیں باہر کی وہ گھٹیا عورتیں اچھی لگتی ہیں  
 جو تم جیسے مردوں کو اپنی خوبصورتی میں بہکا کر اموشنلی  
 ایکسپلوٹ کرتی ہیں۔۔۔ تمہیں اپنی بیوی کیوں اچھی  
 لگے گی اب؟؟۔۔۔ بہارے تڑپتے ہوئے اس کا  
 گریبان جکڑتے بری طرح چیمنی تھی۔

وہ اس کی باتوں پر جیسے اپنے حواس کھو چکی تھی۔۔  
شہرام نے نرمی سے اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان  
چھڑوانے کی کوشش کی۔۔ وہ سسکتے ہوئے پھر سے  
جکڑ گئی تھی۔۔

جان سے مار ڈالوں گی کسی دن تم دیکھنا۔۔۔ بہارے  
شہرام کو گلابی آنکھوں سے دیکھتے سسکی لیتے غرائی  
تھی۔

چانسز تھے مارنے کے۔۔ مگر اب تم میرا کمرہ چھوڑ آئی  
ہو امویا سبل۔۔۔۔۔ ورنہ سوتے میں میرے گلے پر چاقو  
پھیر سکتی تھی۔۔ شہرام نے مبہم سا طنزیہ مسکراتے  
ہوئے اپنا کالر چھڑوانے کی کوشش کی۔ وہ اسے اپنے  
قرب کرتے اس کی گردن پر اپنے دانت بے رحمی  
سے گاڑھ چکی تھی۔۔ شہرام نے دانت پر دانت جمائے  
اس کا واٹڈ ایکٹ برداشت کیا تھا۔

وہ سیدھا ہوتے نرمی سے اپنے سینے پر منتقل کر گیا۔۔



بہارے اس کی گردن میں دانت گاڑتے اس سے دور  
ہوئی --- شہرام اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط کر گیا  
تھا۔۔

بہارے نے گہرے سانس لیتے شہرام کی گردن کو  
دیکھا جہاں دانتوں کی نیلی گھڑی بنی تھی۔۔ بہارے  
اسے دیکھتے بے رخی سے منہ پھیر گئی تھی۔۔  
دروازے پڑ ہوئی دستک پر شہرام بہارے کو اپنے حصار  
سے آزاد کرتے بیڈ سے نیچے اترا۔۔

بہارے نے بیڈ پر بیٹھتے اپنے کھلے بری طرح الجھے  
بالوں کو جوڑے میں لپیٹتے اپنے اندر اٹھتے آتش گیر  
مادے پر قابو پایا۔۔۔ جو شہرام کی باتوں سے اس  
کے اندر بارود بنا رہا تھا۔ وہ مرر میں اپنا عکس دیکھتے لب  
بھینچ گئی تھی۔

آ جاؤ۔۔۔ شہرام نے اپنی شرٹ کے اوپری بٹن بند  
کرتے آجازت دی۔

شہرام کی آجازت پر درخشاں اور اس کے ساتھ تین اور  
ملازمائیں اندر داخل ہوئی تھیں۔

جن کے ہاتھوں میں بہرام کا کاٹ بہرام کی اور اس  
کی مختلف چیزیں تھیں۔۔

بہارے نے حیرانگی سے ان سب کو دیکھا تھا۔  
درخشاں بہرام کی ساری چیزیں یہاں سیٹ کر  
دو۔۔ میرے کمرے میں بہارے اور بہرام کی کوئی چیز  
نہ رہے۔۔ شہرام نے درخشاں کو سنجیگی سے بدلت  
دی تھی

بہارے نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا۔

بھابھی یہ کہاں سیٹ کروں ؟

درخشاں نے کاٹ اور بہرام کے بیڈ کی طرف اشارہ کیا

تھا۔

اسے لے جا کر باہر پھینک دو۔۔۔ میں اپنے بیٹے کے

لیے ہر چیز نئی خرید سکتی ہوں۔۔۔ مجھے اور بہرام کو

شہرام خان کے احسان کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ ہمارے

چینی تھی۔۔

درخشاں نے پریشانی سے شہرام کو دیکھا جو پینٹ کی  
پاکٹ میں ہاتھ ڈالے سنجیدگی سے بہارے کو ہی دیکھ  
رہا تھا۔

شہرام کی گردن پر دانتوں کی نیلی گھڑی دیکھ کر باقی  
کھڑی ملازماؤں نے معنی خیزی سے ایک دوسرے کی  
طرف اشارہ کیا۔۔۔ درخشاں شہرام کی گردن پر دانتوں کا  
نشان دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔۔۔ وہ سمجھ نہیں پائی  
تھی۔ شہرام اور بہارے میں سب ٹھیک ہو گیا ہے کہ  
نہیں۔۔۔ ایسے کئی نشان شہرام کی گردن پر بہت بار

دیکھے تھے۔۔ تب بھی جب بہارے ہر روز روتے ہوئے  
سرخ چہرے کے ساتھ کمرے میں ملتی تھی۔۔ تب  
بھی جب اس کے چہرے پر قوس و قزاح کے رنگ  
بکھرے ہوتے تھے۔

درخشاں ابھی تم یہ سب کچھ ادھر سیٹ کر  
دو۔۔۔ جب بہارے خان سب کچھ خرید لے گی تو یہ  
چیزیں اٹھا کر کسی ضرورت مند کو دے دینا۔۔ شہرام  
نے بہارے کو بغور دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

جو اپنے پاؤں اوپر کی طرف سمیٹے اپنے سر کو جکڑے  
ہوے تھی۔۔ یقیناً چیخنے پر اس کے سر میں دھمک ہو  
رہی تھی۔۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔

درخشاں نے وہ کاٹ بیڈ کے پاس رکھا۔

شہرام بہرام کی طرف بڑھا جو کھیلتے کھیلتے اب رونے  
لگا تھا۔

شہرام نے اسے نرمی اور احتیاط سے اپنے ہاتھوں میں  
اٹھایا۔

او کے بہرام پاپا کو آجائز دو۔۔ اب پاپا آپ سے ایک  
ہفتے بعد ملیں گے۔۔ شہرام کی بات پر بہارے بیڈ  
شیٹ مٹھی میں سختی سے جکڑ گئی تھی۔۔ سانسوں کی  
روانی میں آضافہ ہوا تھا۔

پاپا کو بہت بڑا کانٹریکٹ ملا ہے۔۔ جو کانٹریکٹ میں  
نے سات ماہ میں ٹھکرا کر اپنی ساکھ متاثر کی۔۔ اب وہ  
سارے کانٹریکٹ میں نے دوبارہ سے سائن کیے  
ہیں۔۔ اس لیے پاپا اب آپ کو بہت کم حویلی میں  
ملیں گے۔ ابھی تو پاپا اسٹریلیا جا رہے ہیں۔۔ جب آپ



بڑے ہو جائیں گے تو آپ کو بھی ساتھ لے کر جایا  
کروں گا۔۔ شہرام نے بہرام کو پیار سے دیکھتے اس کی  
پیشانی پر لب رکھے اور احتیاط سے اسے کاٹ میں لٹایا  
اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔

تم لوگ یہاں پر کیا کر رہی ہو؟؟ جاو یہاں سے تم  
لوگ بھی بہارے درخشاں اور باقی ملازماؤں کو کھڑے  
دیکھ کر غرائی تھی۔ وہ اسٹریلیا جا رہا تھا وہ پاگل ہوئی

تھی

جی بہارے باجی - ---- درخشاں دوسری ملازماؤں کو

اشارہ کرتے روازے کی طرف بڑھی

درخشاں ---- بہارے کی پکار پر وہ کی تھی۔

جی بہارے باجی ---- درخشاں نے پلٹتے ہوئے پوچھا --

میرے لیے سیب کا فریش جوس اور اچھا ساناشتہ لے

کر آؤ۔ ---- بہارے کی بات پر درخشاں نے حیرانگی سے

اسے دیکھا جو کھانے کے نام پر ہی کاٹ کھانے کو

دوڑتی تھی۔۔ اور اب ناشتہ لانے کو کہہ رہی تھی ابھی  
تھوڑی دیر پہلے وہ چائے کے ساتھ بریڈ کے دو سلاٹس  
لے چکی تھی۔۔ یہ ڈائٹ اس کے آج کے دن کے  
لیے کافی تھی

سنا نہیں تم نے۔۔ میرے لیے اچھا سا ناشتہ بنا کر  
لاؤ۔ اور میرا کوئی ڈریس بھی نکال دو۔۔۔ میں شاور لینے  
لگی ہوں۔ ہمارے سرد انداز میں کہتے واش روم میں  
داخل ہو چکی تھی۔

ارحام دروازہ ناک کرتے فرشتے کے کمرے میں داخل  
ہوا۔۔ وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی  
تھی۔۔ دراب زراب اس کے پاس بیڈ پر کھیل رہے  
تھے۔ فرشتے ارحام کو دیکھتے بیڈ سے اٹھتے جلدی سے  
اس کی طرف بڑھتی اس کے سینے سے لگی۔  
کیسی ہو؟؟ شہرام نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔

ٹھیک ہوں لالا۔۔۔۔۔ ارحام کو دیکھتے فرشتے کی آواز بھگی  
تھی۔

اس کی بھگی آواز سن کر وہ اپنے لب بھینچ گیا  
پھا۔ امینہ خانم نے اسے ابھی بتایا تھا جو کل ہوا  
تھا۔۔۔ جسے سن کر ارحام کا خون رگوں میں بھڑکا  
تھا۔ بہت مشکل سے اس نے اپنے بھڑکتے اعصابوں  
پر قابو پایا تھا۔

اب فرشتے کی بھگی آواز سن کر اس کی رنگت میں  
سرخیاں گھلی تھیں۔

فرشتے حیدر خان اس قابل نہیں جس کے لیے تم اپنے  
آنسو بہاؤ۔ ارحام نے فرشتے کے عارض سے بہتے آنسو  
اپنے انگوٹھے کے پوروں سے صاف کیے۔۔

لالا۔۔۔۔۔ مجھے حیدر خان سے دور جانا ہے۔ اتنا دور وہ  
مجھ تک کبھی نہ پہنچ سکے۔۔ میں حیدر خان کا چہرہ نہیں  
دیکھنا چاہتی۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے وہ میرے بیٹے مجھ سے  
چھین لے گا لالا۔۔ فرشتے نے اپنی آنکھوں سے بہتے  
آنسو ہتھیلیوں سے صاف کیے تھے۔۔

اس کی اتنی اوقات نہیں۔۔۔ وہ ارحام کی حویلی میں  
گھس کر دراب زراب کو ہاتھ بھی لگا سکے۔۔۔ اس حویلی  
کا گیٹ عبور کرنے سے پہلے اس کے سینے میں گل  
خان گولیاں اتار دے گا۔۔ ارحام غرایا تھا۔

لالا میں نہیں چاہتی حیدر خان یا پھر آپ میں سے کسی  
کو بھی کچھ ہو۔۔ حیدر خان یہاں نہیں آ سکتا مگر وہ  
ایسے ہی مجھے جہاں دیکھے گا اپنے ساتھ لے جایا کرے  
گا۔۔۔ یہ دُر مجھے مار دے گا۔۔ میں اپنے بیٹوں پر اس کا  
سایہ بھی نہیں پڑنے دے سکتی تھی۔ ویسے بھی لالا ہر

بار خان کو ٹھکرانا مجھے بھی اذیت دیتا ہے۔۔ مجھے یہاں  
سے اتنی دور بھیج دیں حیدر خان زندگی بھر مجھ تک نہ  
پہنچ سکے۔۔۔ فرشتے ارحام کے سینے سے لگے سسک  
پڑی تھی۔۔

تم جیسا چاہتی ہو ویسا ہی ہو گا۔۔ حیدر خان کی سات  
نسلیں تمہیں ڈھونڈ نہیں سکیں گی۔۔ وہ اب کبھی تم  
تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا۔۔ اس کے بیٹوں کی  
شکل بھی اسے نہیں دیکھنے دوں گا۔۔ ارحام مٹھیاں



بھینچے اٹل لہجے میں بولا۔۔ فرشتے روتے ہوئے ارحام کے  
سینے میں سما گئی تھی۔۔

تمہارے ہوتے ہوئے میری پاک بہن کے کردار پر  
انگلی اٹھی۔ اب جب جب تم فرشتے تک پہنچنے کی  
کوشش کرو گے۔۔ ارحام خانزادہ کو اپنے مقابل پاؤ  
گے۔۔ تم تڑپ کر مر جاؤ گے مگر فرشتے تک تم کبھی  
نہیں پہنچ سکو گے۔۔۔ اب سے شروع ہو گی حیدر  
خان تمہاری بربادی۔۔۔ جب تم اپنے بیٹوں کے لیے  
دن رات تڑپو گے مگر تم ان کی پرچھائی تک بھی رسائی

حاصل نہیں کر سکو گے۔۔۔ اب شروع ہو گا حیدر  
حاکم خان اور ارحام نوریز خان کی پاور کا مقابلہ۔  
۔۔۔ ارحام اپنی بلگی گھنی بنیڈ پر ہاتھ پھیرتے دل ہی  
دل میں حیدر خان سے مخاطب تھا۔

---

ارحام خانزادہ فلائٹ کے ذریعے اسلام آباد ایئر پورٹ پہنچا  
تھا۔ اس کا ڈرائیور گاڑی کے ساتھ ایئر پورٹ کے باہر  
باہر کھڑا تھا۔

اسلاو وعلیکم سر۔۔۔ ڈرائیور نے ارحام کو دیکھتے سلام کیا

-

وعلیکم سلام۔۔۔ ارحام نے سن گلاسز لگائے اپنے  
کوٹ کوٹ کو دوسرے بازو پر منتقل کیا۔ وہ اس وقت  
آف وائٹ پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ کوٹ اپنے بازو  
پر ڈالے ہوئے تھا۔

ڈرائیور نے مستعدی سے ارحام کے لیے گاڑی کا دروازہ  
کھولا۔۔

یکدم آرحام کا فون رنگ ہوا تھا۔۔ ارحام نے فون

اٹھائے کان سے لگایا۔

واٹ۔۔۔۔۔ فون پر ملنے والی خبر پر وہ حلق کے بل

دھاڑا تھا۔۔۔ سماعتیں بے یقین ہوئی تھیں۔۔ رنگ

تانے کی مانند دہکا تھا۔۔ پورے وجود کی رگیں ظاہر ہوئی

تھیں۔۔

گاڑی کی چابی دو۔۔۔ ارحام نے پاس کھڑے ڈرائیور کو

دیکھتے حکم دیا۔

ڈرائیور نے جلدی سے گاڑی کی چابی پکڑائی تھی۔۔  
ارحام نے غصے سے اپنا کوٹ اٹھا کر زمین پر مارا تھا۔  
- گاڑی کا دروازہ کھولتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی۔

--

How could you this??

وہ تند و تیز ڈرائیو کرتے حلق کے بل دھاڑا تھا۔۔ ڈیش  
بورڈ سے پسٹل نکال اس نے اپنی پینٹ کی پاکٹ میں  
ڈالی تھی۔۔۔